قیمت : -/10 روپے

فروری 2006

اردو دنیا

ساتواں کل ہند اردو کتاب میلہ — لکھنؤ

Annual Subscription

	Surface Mail	Air Mail
[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]

قومی اردو کونسل کی جانب سے اتر پردیش اردو اکادمی کے اشتراک سے 19 تا 27 دسمبر 2005 کو کرشچین کالج گراؤنڈ میں ساتویں کل ہند اردو کتاب میلے کا انعقاد کیا گیا۔ اس موقعے پر ربن کاٹ کر میلے کا افتتاح کرتے ہوئے اتر پردیش کے گورنر جناب ٹی. وی. راجیشور، ساتھ میں (دائیں سے) محترمہ شبانہ رضوی (سینئر انچارج، اکیڈمی آف ماس کمیونیکیشن لکھنؤ)، پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی (وائس چیئرمین، قومی اردو کونسل)، بیگم حامدہ حبیب اللہ، پروفیسر ملک زادہ منظور احمد (صدر، اتر پردیش اردو اکادمی) اور ڈاکٹر احمد عباس (صدر شعبۂ اردو، کرشچین کالج لکھنؤ)۔

میلے میں کتابوں کا معائنہ کرتے ہوئے جناب ٹی. وی. راجیشور، ساتھ میں پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی اور پروفیسر ملک زادہ منظور احمد کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

ماہ نامہ
اردو دنیا نئی دہلی

جلد-8، شمارہ-2 فروری 2006

مدیر: ڈاکٹر آر. کے. بھٹ

معاون مدیر: ڈاکٹر فیروز عالم

ناشر اور طابع:
ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، محکمۂ ثانوی و اعلیٰ تعلیم، حکومت ہند

کمپوزنگ: شہناز اختر

مطبع: ایس نارائن اینڈ سنز، بی-88، اوکھلا انڈسٹریل ایریا،
فیز-II، نئی دہلی-110020

مقام اشاعت: دفتر قومی اردو کونسل

قیمت-/10 روپے، سالانہ -/100 روپے

ڈرافٹ NCPUL کے نام ارسال کریں۔

صدر دفتر:
ویسٹ بلاک-1، ونگ-6
آر. کے. پورم، نئی دہلی - 110 066
فون: 26103381, 26103938
فیکس: 26179657 26108159
ویب سائٹ:
http://www.urducouncil.nic.in
email: urducoun@ndf.vsnl.net.in

شعبۂ فروخت:
ویسٹ بلاک-8، ونگ-7،
آر. کے. پورم، نئی دہلی-110066
فون: 26109746

شاخ: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس،
بلاک نمبر 5-1، پتھرگٹی، حیدرآباد-500002
فون: 040 - 24415194

اس شمارے میں

آپ کی بات 2
ہماری بات 5

روبرو
● چانگ شی شوان سے گفتگو .... دنود وارشنے 6

زبان اور تعلیم
● تدریس زبان اور نصاب کی تدوین .... غلام نبی مومن 7
● اردو زبان کی تعلیم (بالغوں کے لیے ابتدائی سطح پر) .... خواجہ اکرام 11
● مادری زبان کی اہمیت و ضرورت .... محمد محمود فیض آبادی 14
● اردو چیستاں .... شہاب الدین انصاری 16

صحت اور سائنس
● قاتل فلو کی دستک .... عبید الرحمٰن 18
● اسٹیم خلیوں کا کرشمہ .... کلدیپ شرما 21

شخصیات
● معذور انسان، کامیاب شخصیت .... عبد الودود انصاری 29

معاشیات
● ہندوستانی معیشت ترقی کی راہ پر .... عبد العلیم قدوائی 33

تاریخ
● 1857 کا انقلاب .... مدن گوپال 35

ادب
● شان الحق حقی کی اردو خدمات .... محمود الرحمٰن 38
● قاصد (مراٹھی کہانی) .... جی. اے. کلکرنی 41

ہماری مطبوعات سے
● سنتھال ناچ، تم اپنے خواب گھر پر چھوڑ آؤ .... منیب الرحمٰن
("آزادی کے بعد اردو نظم" سے ماخوذ) .... مرتب: شمیم حنفی، مظہر مہدی 47
● عربی تنقید کے اہم مباحث
("مشرقی شعریات اور اردو تنقید کی روایت" سے اقتباس) .... ابو الکلام قاسمی 48

طلبہ کے لیے
● لوپس .... جنیت نیر، استوتی تریہان 51
● اردو زبان و ادب (کوئز) .... فیاض عالم 55
● بڑھتے قدم (کمپیوٹر سینٹر کے فارغ طلبہ کے انٹرویو-31) .... محمد امتیاز عالم 58

اردو خبرنامہ .... ادارہ 59
تبصرہ و تعارف .... کتابوں پر تبصرے 73

بچوں کا گوشہ
● فلسفی نوکر ("نورتن کہانیاں" سے ماخوذ) .... شیم احمد 78
● گرگٹ کی طرح رنگ بدلتی پہاڑی .... خسرو متین 80

آپ کی بات

■ **محمد سہیل عمر، ناظم اقبال اکادمی، لاہور**

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی جانب سے اتر پردیش اردو اکادمی کے زیر اشتراک لکھنؤ میں منعقد ہونے والے ساتویں کل ہند اردو کتاب میلے میں شمولیت ہمارے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے۔ اردو زبان کی ترویج و اشاعت کے لیے کی جانے والی یہ کوشش ہر اعتبار سے نہایت بامعنی، مفید اور مؤثر ثابت ہوئی۔ قوی امید ہے کہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا یہ اسلوب کار اس کے بنیادی مقاصد کا حصول ممکن کر دکھائے گا، اور اردو زبان اور اس سے تشکیل پانے والا تہذیبی مزاج ہمارے اندر از سر نو وسعت پیدا کرے گا۔

اقبال اکادمی پاکستان کئی اہم معاملات میں قومی اردو کونسل کی ہم کار ہے۔ ہم نے حال ہی میں چند بڑے علمی اور تحقیقی منصوبوں پر باہمی معاہدے کیے ہیں جن کی تکمیل دونوں اداروں کی سرخروئی کا سبب بنے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ اقبال اکادمی پاکستان کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ قومی اردو کونسل کے وائس چیئرمین جناب شمس الرحمٰن فاروقی کا اقبال سے متعلق کام ہم شائع کریں گے۔ گویا فاروقی صاحب کی انقلابی کوششوں کے اثرات محض ہندوستان تک محدود نہیں رہیں گے۔ ہمارے لیے ممکن نہیں ہے کہ اس موقعے پر ہم تشکر اور محبت کے ان جذبات کا اظہار نہ کریں جو لکھنؤ میں اپنی پذیرائی دیکھ کر ہمارے دل میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرات نے اردو زبان اور اقبال کے ساتھ جس والہانہ وابستگی کا مظاہرہ کیا ہے، وہ ہم کبھی فراموش نہیں کرسکیں گے۔

■ **محمد ہاشم قدوائی، سی-501، روز ووڈ اپارٹمنٹ، میور وہار، نئی دہلی**

جنوری 2006 کا ''اردو دنیا'' کا شمارہ باصرہ نواز ہوا۔ خط نستعلیق، حکیم کبیرالدین اور اردو اسکول کی تعلیم کے ذریعے ہندوستان میں اردو کی بقا کی حکمت عملی، گوشۂ ادب میں اردو کے مایۂ ناز اور ممتاز ادیب مرزا فرحت اللہ بیگ، جو صحیح اور ٹکسالی اردو میں لکھنے کی وجہ سے اردو ادب میں نمایاں اور امتیازی مقام کے مالک تھے، کا دلچسپ انشائیہ ''پٹنا'' اور پروفیسر وہاب اشرفی سے گفتگو وغیرہ سے مستفید ہوا۔ ان مضامین کی اشاعت پر دلی مبارک باد قبول فرمائیں اور یہ مبارک باد مغنی تبسم، حکیم اشہر قدیر، عالی جناب شمس الرحمٰن فاروقی اور پروفیسر وہاب اشرفی تک پہنچا دیں۔ ہر محب اردو جناب فاروقی کے فکر انگیز مضمون کی پوری پوری تائید کرے گا۔

راقم السطور کے بڑے بھائی حکیم عبدالقوی دریابادی مرحوم نے طبیہ کالج دہلی میں 1930 سے 1935 تک تعلیم پائی اور فاضل الطب والجراحت کی ڈگری حاصل کی۔ اس زمانے میں والد مرحوم مولوی عبدالمجید ڈپٹی کلکٹر سہارن پور میں تعینات تھے اور راقم السطور اسکول کا طالب علم تھا۔ برادر مرحوم کی زبانی حکیم صاحب موصوف کے تبحر علمی کا ذکر سنا اور ان کی طب پر تصانیف جو بھائی صاحب کے پاس تھیں دیکھیں۔ بھائی صاحب ان کی قابلیت کے بڑے مداح تھے۔ بلاشبہ وہ نابغۂ روزگار تھے۔

■ **درخشاں نرین، محلہ عماد پور، بہار شریف، نالندہ (بہار)**

جنوری 2006 کا شمارہ صوری اور معنوی اعتبار سے نہایت اہم اور جاذب نظر ہے۔ سرورق پر ڈوبتے سورج کا سمندر کی لہروں میں منعکس ہونا ایک سرور عطا کرتا ہے۔ بے شک ورود شام ہی نمود صبح کی نوید ہوتا ہے۔ رسالے کے سرورق نے نئے سال کی آمد پر ذہن کو ایک نئے جوش اور ولولے سے ہم کنار کیا۔ مخمور سعیدی صاحب کا یہ شعر اپنے آپ میں ایک جہان معنی سمیٹے ہوئے ہے۔

''اردو دنیا'' اپنے دامن میں ادب و فن اور سماجیات کے ساتھ ساتھ اطلاعاتی مواد بھی سمیٹے ہوئے ہے۔ اس شمارے میں ''ہماری بات'' کے تحت اردو کی ترقی اور بقا میں قومی اردو کونسل کی خدمات کا جو خاکہ پیش کیا گیا ہے اس کی صداقت میں دو رائے نہیں۔ اس ادارے نے اپنی کوششوں اور بہتر لائحۂ عمل سے کم عرصے میں ہی اردو کو کافی مقبولیت عطا کی ہے۔ اس کا اندازہ ''آؤٹ لک'' (دہلی) میں چھپی اس خبر سے بھی ہوتا ہے جس کا ترجمہ مشرف علی نے ''اردو کے تئیں بنگالیوں کا بڑھتا رجحان'' کے عنوان سے پیش کیا ہے لیکن دوسری جانب اپنوں کی بے توجہی اور جھوٹی سیاست سے اردو کو کافی نقصان بھی اٹھانا پڑا ہے اس کی وضاحت شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنے مضمون ''اسکول کی تعلیم کے ذریعے ہندوستان میں اردو کی بقا کی حکمت عملی'' میں دوٹوک انداز میں کی ہے۔ لسانی اعتبار سے مغنی تبسم کا مضمون ''خط نستعلیق'' نہایت دلچسپ ہے۔ موصوف نے خط نستعلیق کا تعارف بڑے سائنٹیفک انداز میں پیش کیا ہے۔ گوشۂ ادب میں کملیشور کی کہانی ''آزادی مبارک'' نے تقسیم ہند کی یاد تازہ کردی ہے۔ اس کہانی کا بیانیہ ہمارے لیے سبق آموز ہے۔ اس گوشے میں فرحت اللہ بیگ کے انشائیے کا انتخاب بھی بہت خوب ہے۔ پروفیسر وہاب اشرفی سے شہاب ظفر اعظمی کی گفتگو نہایت دلچسپ اور فکر انگیز ہے۔ ''ہماری مطبوعات'' میں آل احمد سرور کی نظم ''میرا سفر'' نے محظوظ کیا۔ بچوں کے گوشے میں کہانی ''پانی کی قدر'' بہت سبق آموز ہے۔ کیریئر گائڈنس کالم کے تحت سلمان عابد نے میڈیکل تعلیم کے مسابقتی امتحانات سے متعلق مفید معلومات یکجا کردی ہیں۔

''اردو دنیا'' کے تبصرے بڑے معیاری اور معلومات افزا ہوتے ہیں۔ اس شمارے میں ڈاکٹر رئیس احمد، ڈاکٹر فیروز عالم اور احمد کفیل کے تبصروں نے متاثر کیا۔ اس خوبصورت اور معیاری شمارے کی اشاعت کے لیے بہت بہت مبارک باد۔

■ غزالہ نگار، کاشانۂ شفیق، ملارنا ڈونگر، سوائی مادھوپور، راجستھان

جنوری 2006 کا شمارہ موصول ہوا۔ نئے سال کی آمد کی مناسبت سے رسالے کے سرورق نے بے حد متاثر کیا۔ مزید برآں محترم مخمور سعیدی کے شعر:

درود شام میں بھی ہے نمودِ صبح کی نوید
غروبِ آفتاب ہی طلوعِ آفتاب ہے

نے اس کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ جناب شمس الرحمٰن فاروقی اور مغنی تبسم کے مضامین اپنے موضوع کا پورا احاطہ کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اظہار اثر اور بھرت جھن جھن والا کے مضامین معلومات افزا ہیں۔ ''گوشۂ ادب'' کے تحت مرزا فرحت اللہ بیگ کا انشائیہ ''پھٹنا'' اور کملیشور کی کہانی ''آزادی مبارک'' عمدہ انتخاب ہے۔ کملیشور کا شمار ہندی زبان کے مشہور و معروف فکشن نگاروں میں ہوتا ہے۔ کملیشور کی اس کہانی کو ڈاکٹر خورشید عالم نے جس روانی کے ساتھ اردو کے قالب میں ڈھالا ہے، یہ انھی کا حصہ ہے۔ وہ بجا طور پر اس کے لیے مبارک باد کے مستحق ہیں۔ شہاب ظفر اعظمی کی پروفیسر وہاب اشرفی کے ساتھ کی گئی گفتگو دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ فکر انگیز ہے۔ ''اردو خبر نامہ'' آپ کے رسالے کا نہایت اہم حصہ ہے، جس کے مطالعے سے اردو دنیا میں ہونے والی سرگرمیوں اور نئی کتابوں کی رسم اجرا سے متعلق واقفیت حاصل ہو جاتی ہے۔ ''اردو دنیا'' میں شائع ہونے والے تبصرے بھی زیر تبصرہ کتاب سے مجموعی طور پر متعارف کرا دیتے ہیں۔ بچوں کے گوشے میں پیش کی گئی کہانی ''پانی کی قدر'' پانی کی قدر و قیمت اور اہمیت پر روشنی ڈالتی ہے اور اس کہانی میں جو فضا اور تہذیب ابھرتی ہے اس کا تعلق براہ راست راجستھان کی سرزمین سے ہے جسے میں نے محسوس کیا ہے۔ اس معیاری پیش کش پر مبارک باد قبول فرمائیں۔

■ شاغل ادیب، 1-4/304/9/1، زیب منزل، مشیر آباد، حیدر آباد-48

''اردو دنیا'' (جنوری 2006) میں آپ کا اداریہ، اردو زبان کی اپنے ہی وطن میں بے وطنی اور اردو کی نت نئی بستیوں میں اپنی ایک الگ شناخت بنانے کے حوالے سے حقیقت پر مبنی ہے۔ سبھی مضامین اچھے ہیں۔ گوشۂ ادب میں مرزا فرحت اللہ بیگ کا انشائیہ مزہ دے گیا۔ ہماری مطبوعات میں آل احمد سرور مرحوم کی نظم خوب ہے۔ اردو دنیا میں کبھی کبھی کوئی شعر دیکھ کر جی بہت خوش ہوتا ہے۔ سرورق پر محترم مخمور سعیدی کا شعر بے حد معنی خیز ہے۔ زیر نظر شمارے کے دیگر مشمولات بھی خوب ہیں۔ یہ امر واقعی قابل تحسین ہے کہ آپ نے اردو دنیا کی صحافتی روایت کو مجروح نہیں ہونے دیا اور ساتھ ہی ساتھ اس کے معیار کو بلند سے بلند تر کرنے کی سعی مشکور میں مصروف ہیں۔ میری جانب سے دلی مبارک باد۔

■ صوفی جمال کابری، سکریٹری اردو رابطہ کمیٹی، اتر پردیش، مکان نمبر 860، رینوکوٹ، سون بھدر، یوپی

''اردو دنیا'' کا تازہ شمارہ جنوری 2006 موصول ہوا۔ اردو زبان کا یہ معیاری جریدہ آج پورے ملک میں مشہور و مقبول ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے قارئین کی تعداد غیر ملکوں میں بھی بڑھ رہی ہے۔ محبانِ اردو کو اس کا بے صبری سے انتظار رہتا ہے۔ ''ہماری بات'' میں آپ نے قومی اردو کونسل کے ذریعے اردو ڈپلوما کورس کی مکمل تفصیلات فراہم کی ہیں۔ قومی اردو کونسل کی جانب سے چلائے جانے والے کمپیوٹر ایپلی کیشن اینڈ ملٹی لنگول ڈی ٹی پی سنٹروں کے طلبہ کے لیے اردو ڈپلوما کورس لازمی قرار دے کر کونسل نے ایک اچھا قدم اٹھایا ہے۔ یقیناً عوامی سطح پر آج اردو زبان سے دلچسپی بڑھی ہے اور اب اردو زبان صرف کسی ایک طبقے تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ ہر ہندوستانی کی زبان ہے۔

اس شمارے میں جناب شمس الرحمٰن فاروقی کا مضمون بہ عنوان ''اسکول کی تعلیم کے ذریعے ہندوستان میں اردو کی بقا کی حکمت عملی'' مجھے بے حد پسند آیا۔ صاحب مضمون نے اردو کے لیے صحیح لائحۂ عمل اختیار کرنے کا جو مشورہ محبانِ اردو کو دیا ہے وہ اردو زبان کی بقا کے لیے آب حیات سے کم نہیں ہے۔ صاحب مضمون کو ہماری جانب سے مبارک باد پہنچا دیجیے۔ رسالے کے دیگر مضامین اور مختلف گوشوں کے تحت پیش کردہ مواد نے بھی متاثر کیا۔ اس بہترین انتخاب کے لیے آپ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

■ رضوان خاں، شیخ سرائے، سیتاپور

''اردو دنیا'' بابت دسمبر 2005 باصرہ نواز ہوا۔ ''ہندوستان میں اردو صحافت'' اور ''نوبل انعامات 2005'' خاصے اہم مضامین ہیں۔ اس کے علاوہ ''کیا گدھ محفوظ رہ سکیں گے'' دلچسپی اور اہمیت کے ساتھ پڑھا جانے والا مضمون ہے۔

■ محمد شاہد جمال، اے-1، جوہری فارم، نور نگر ایکسٹنشن، جامعہ نگر، نئی دہلی

ماہنامہ ''اردو دنیا'' کا دسمبر کا شمارہ موصول ہوا۔ میں بارھویں درجے میں سائنس کا طالب علم ہوں۔ وقت کی قلت کے باوجود ''اردو دنیا'' کے لیے وقت نکالتا ہوں۔ مجھے ''اردو دنیا'' بہت ہی پسند ہے۔

یہ شمارہ مجھے ہر اعتبار سے پسند آیا۔ مضامین میں ''نوبل انعامات 2005'' اور ''خلائی تحقیقات ایک جائزہ'' معلوماتی نوعیت کے ہیں۔ ''پانی پت کی تیسری جنگ''، ''فوڈ ٹیکنالوجی میں کیریئر'' اور ''ارتھمیٹک آپریٹرز اسٹینڈرڈ ان پٹ آؤٹ پٹ'' ہم طالب علموں کے لیے بے حد مفید اور کارآمد ہیں۔ اس طرح کے مضامین ہماری معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔ ''بچوں کا گوشہ'' میں ایشور چندر

ودیا ساگر کی زندگی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔

■ احسان دانش، کریم گنج، گیا (بہار)

''اردو دنیا'' نے اپنا معیار برقرار رکھا ہے۔ آپ نے انٹرویو کی اشاعت کا جو سلسلہ شروع کیا ہے بہت مفید ہے کیونکہ اس سے ہمیں مختلف اکابرین کے بارے میں جاننے کا موقع ملتا ہے۔ چند مستقل عنوانات کے تحت: طلبہ کے لیے (کیریئر گائڈنس کالم)، بڑھتے قدم (کمپیوٹر سنٹر کے فارغ طلبہ کے انٹرویو) اور کوئز انعامی مقابلہ بے حد مفید ہیں۔

■ نذیر احمد یوسفی، اردو دربار، رحمانیہ اسکول اسٹریٹ، ریلپار۔ آسنسول

پہلی بار ''اردو دنیا'' کی محفل ''آپ کی بات'' میں داخلے کی جسارت کر رہا ہوں۔ ''اردو دنیا'' برابر مطالعے میں ہے۔ یہ اپنی انفرادیت اور نوعیت کے اعتبار سے دیگر پرچوں سے علاحدہ اور منفرد ہے۔ مضامین اور مضمون نگار دونوں ہی نامور اور یکتائے زمانہ ہوتے ہیں، اس قسم کے مضامین کی حصولیابی میں آپ کو کن کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہوگا، یہ سوچ کر ہی میں پریشان ہوں۔

ہر ماہ، ایک مکمل شمارہ، نکالنا معیار اور روش کا خیال رکھتے ہوئے، یہ کام آپ کے ہی حصے کا ہے۔ مبارک باد۔

■ کاشف رضا، چندن پٹی، دربھنگہ

نومبر کے شمارے میں ''ہماری بات'' کے ذریعے قانون حق معلومات کی تفصیلات معلوم ہوئیں اور ساتھ ہی جمہوریت میں اس سے آنے والی پختگی سے خوشی کا احساس ہوا۔ ''مولانا ابوالکلام آزاد — تاریخ ساز شخصیت'' دلچسپ مضمون ہے۔ سید حامد سے گفتگو بھی خوب ہے۔ تقریباً سبھی مضامین اچھے ہیں۔ مجھے موجودہ دور میں اس سے بہتر کوئی اور رسالہ نہیں نظر آتا ہے۔ ہر پہلو سے یہ اپنے آپ میں منفرد ہے۔ میں اسے پابندی سے پڑھتا ہوں اور ہر ماہ بے چینی سے اس کا انتظار رہتا ہے۔

■ عارف انصاری، مردہی ٹول، اولڈ سیتاپور، سیتاپور

نومبر کے شمارے میں ''وراثت کی جنگ'' نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ ''اردو زبان کا دستوری و قانونی موقف'' اور مولانا آزاد پر مضامین مجھے پسند آئے۔ بچوں کے گوشے کے تحت کہانی بہت اچھی تھی۔ اللہ سے دعا ہے کہ یہ رسالہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرے۔

□□□

تنقیدی افکار

مصنف: شمس الرحمٰن فاروقی

شمس الرحمٰن فاروقی کے مضامین کا یہ مجموعہ پہلی بار 1983 میں چھپا تھا۔ 1986 میں اسے ساہتیہ اکادمی انعام سے نوازا گیا۔ اس میں نظری تنقید، نظریۂ نقد اور مشرق و مغرب کی شعریات کے حوالے سے اہم مضامین شامل ہیں۔ تین نئے مضامین کے اضافے کے ساتھ کونسل نے اس اہم کتاب کا نیا ایڈیشن شائع کیا ہے۔

صفحات: 348، قیمت: -/148 روپے

عروض، آہنگ اور بیان

مصنف: شمس الرحمٰن فاروقی

جناب شمس الرحمٰن فاروقی ہمارے عہد کے معتبر ترین علمائے ادب میں ہیں۔ اس کتاب میں ان کے دس اہم مضامین شامل ہیں جن میں شاعری کے محاسن و معائب کے مروجہ پیمانوں کے جواز اور عدم جواز پر مدلل گفتگو کی گئی ہے۔ اس کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر تین نئے مضامین کے اضافوں کے ساتھ قومی اردو کونسل نے اسے دوبارہ شائع کیا ہے۔

صفحات: 340، قیمت: -/144 روپے

انیس کے سلام

مرتبہ: علی جواد زیدی

انیس کے سلاموں کا یہ پہلا جامع مجموعہ ہے جس میں انیس کے تمام مطبوعہ اور کچھ غیر مطبوعہ سلام شامل ہیں۔ اسی کے ساتھ انیس کے نوحے، ایک مناجات، ایک مطلعی مخمس اور کچھ تضمینیں بھی شامل ہیں۔ سلاموں کی تعداد 102 ہے جن میں تحت اللفظ 44 اور سوز کے 58 سلام ہیں۔ انیس کے سلاموں کا یہ مجموعہ سید علی جواد زیدی نے مرتب کیا ہے۔ مقدمے میں انھوں نے نہ صرف اردو میں رثائی شاعری کی پوری تاریخ بیان کر دی ہے بلکہ ہر دور میں اس صنف شاعری کے قابل لحاظ نمونوں کی خصوصیات بھی واضح کی ہیں۔

صفحات: 307، قیمت: -/80 روپے

انشا کا ترکی روزنامچہ

مصنف: انشاء اللہ خاں انشا

انشاء اللہ خاں انشا اپنے زمانے کے مستند شاعر اور کئی زبانوں کے ماہر تھے۔ یہ روزنامچہ جو سعادت علی خاں کے دربار سے ان کی وابستگی کے دنوں کی یادگار ہے، ترکی زبان کے اس لہجے میں لکھا گیا ہے جو ''چغتائیہ'' کے نام سے موسوم ہے۔ ڈاکٹر نعیم الدین نے یہ ترجمہ براہ راست ترکی زبان سے کیا ہے اور مقدمے میں اس کی لسانی خصوصیات اور اس کے مندرجات پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

صفحات: 68، قیمت: -/4.50 روپے

نوٹ: طلبہ اور اساتذہ کے لیے 40% کی خصوصی رعایت۔ تاجرانِ کتب کو حسب ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

ویسٹ بلاک-1، ونگ-6، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066

ہماری بات

قومی اردو کونسل کی جانب سے لکھنؤ میں منعقدہ ساتواں کل ہند اردو کتاب میلہ توقع سے زیادہ کامیاب رہا اور اس کامیابی کا سہرا ان تمام محبان اردو کے سر ہے جنھوں نے اس نو روزہ کتاب میلے میں بہ نفسِ نفیس شرکت کی۔ اس کتاب میلے میں تقریباً 22 لاکھ روپے کی کتابیں فروخت ہوئیں جو اس بات کی علامت ہے کہ اب بھی کتابیں پڑھنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کی وجہ سے اگرچہ قارئین کی تعداد میں کمی آئی ہے لیکن اپنے علم میں اضافے اور تفریح طبع کے لیے آج بھی قارئین کی ایک بڑی تعداد کتابوں پر انحصار کرتی ہے۔ کونسل کی کوشش ہے کہ اردو داں طبقے کی ضرورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے تمام موضوعات پر اردو میں معیاری کتابیں فراہم کرائی جائیں۔ قومی اردو کونسل کی پیش رو ترقی اردو بیورو اور اب قومی اردو کونسل نے اردو ادب کے کلاسیکی ادب کی اشاعت کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ، سماجیات، بشریات، سائنس اور ٹیکنالوجی، لغات، انسائیکلو پیڈیا، حوالہ جاتی کتابوں، عالمی کلاسیکی ادب، ادب اطفال اور درسی کتابوں کی اشاعت پر خصوصی توجہ دی ہے۔

قومی اردو کونسل نے نہ صرف ہر موضوع پر کتابیں شائع کی ہیں بلکہ ان کی فروخت کے لیے بھی مناسب انتظامات کیے ہیں۔ کل ہند اردو کتاب میلوں کا انعقاد اس سلسلے کی اہم کڑی ہے۔ ان میلوں کا امتیاز یہ ہے کہ ان میں تہذیبی وثقافتی پروگرام بھی منعقد کیے جاتے ہیں۔ طلبہ کے لیے تحریری و تقریری مقابلے، بیت بازی، شام غزل، شام افسانہ، مشاعرہ، شاعروں اور ادیبوں سے ملاقات، مذاکرہ وغیرہ مختلف پروگرام نہ صرف میلے میں آنے والوں کو ذہنی تفریح کا سامان فراہم کرتے ہیں بلکہ ان کے علم میں اضافہ بھی کرتے ہیں نیز اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت میں عملی طور پر حصہ لینے کی ترغیب بھی دیتے ہیں۔

یوں تو کتاب میلوں کے انعقاد کا مقصد اردو عوام میں کتابیں خرید کر پڑھنے کے رجحان کو فروغ دینا اور مطالعے کے ذوق کو جلا دینا ہے لیکن ان کی کامیابی سے چند اور نمایاں پہلو سامنے آئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ قومی اردو کونسل نے ان میلوں کا انعقاد کرکے نہ صرف یہ کہ اردو کے ناشرین اور تاجرانِ کتب کے ایک مضبوط نیٹ ورک کی راہ ہموار کردی ہے بلکہ ایک ایسا پلیٹ فارم بھی مہیا کردیا ہے جہاں وہ قارئین کے ذوق اور ضرورت نیز بازار کے اصولوں سے متعارف ہوئے ہیں اور مسابقت میں آئے ہیں۔ اس کی وجہ سے اشاعتِ کتب کے معیار و میلان میں یقیناً فرق آئے گا۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اردو کتاب میلے اردو تہذیب وثقافت کے فروغ کا ایک اہم ذریعہ بن سکتے ہیں۔ اردو تہذیب اور ثقافت سے وابستہ پروگراموں کا متواتر انعقاد یوں تو کسی ادارے کے لیے بڑا دشوار گزار کام ہے لیکن نو دس دن کے کتاب میلے میں ہر روز مشاعرے، قوالی، ڈرامے، افسانے اور غزل گائیکی کی محفلیں منعقد کرکے بڑے پیمانے پر اردو کلچر کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔ حالیہ کتاب میلے میں چہار بیت کی محفل بھی منعقد کی گئی جسے کافی پسند کیا گیا۔ اس طرح کونسل اردو تہذیب و ثقافت سے وابستہ ایسے پروگراموں کے انعقاد کے ذریعے نہ صرف انھیں نئی نسل سے روشناس کرا رہی ہے بلکہ ان کی بقا اور تحفظ کے لیے بھی کوشاں ہے۔

اردو عوام میں کتب بینی کے فروغ اور اردو تہذیب وثقافت کی ترویج کے مقاصد کے حصول کے لیے لازمی ہے کہ اردو کتاب میلوں کا انعقاد ملک کے ایسے تمام بڑے شہروں میں کیا جائے جہاں اردو عوام بڑی تعداد میں آباد ہیں یا جو اردو کے روایتی مرکز رہے ہیں۔ پہلا کل ہند اردو کتاب میلہ 4تا12 نومبر 2000 دہلی میں منعقد کیا گیا تھا۔ کونسل نے دوسرا کتاب میلہ بھی دہلی ہی میں منعقد کیا۔ تیسرا کتاب میلہ ممبئی، چوتھا سرینگر، پانچواں ممبئی اور چھٹا حیدرآباد میں منعقد کیا گیا۔

مختلف شہروں میں کتاب میلوں کے انعقاد کا جو سلسلہ کونسل نے شروع کیا ہے وہ اردو کے حوالے سے کچھ رجحان ساز مثبت تبدیلیوں کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ نئے زمانے کے گوناگوں مسائل میں گھرے ہوئے عام ہندوستانیوں اور عام اردو والوں کو ان کی ثقافتی روایات سے از سرِ نو متعارف کرانے اور تہذیبی جڑوں سے وابستہ کرنے کی یہ کوشش اگرچہ ایک چھوٹا سا قدم ہے لیکن جہاں جہاں کی مٹی زرخیز ہوگی وہاں یہ بیج لازماً ایک تناور درخت کی شکل میں پھلے پھولے گا، اس کا پورا امکان ہے۔ ''اردو دنیا'' کے ذریعے قومی اردو کونسل تمام اردو والوں سے درخواست کرتی ہے کہ نہ صرف مطالعے کے ذوق کو زندہ رکھیں، اسے جلا دیں بلکہ اپنی تہذیب وثقافت کی ترویج میں بھی پیش قدمی کریں۔

تحریر: ولودوار شنے
ترجمہ: فیاض عالم

چانگ شی شوان سے گفتگو

گذشتہ دنوں دہلی میں مشاعرہ جشنِ بہار کے موقعے پر چین کے ممتاز اردو شاعر چانگ شی شوان (قلمی نام۔ انتخاب عالم)ہندوستان تشریف لائے۔ چینی لب و لہجے کے باوجود ان کی اردو شاعری پوری طرح قابل فہم تھی۔ وہ اشتراکی نظریات کے حامی ہونے کے ساتھ ساتھ انسان دوستی کے علمبردار ہیں۔ موصوف دوسری بار ہندوستان آئے تھے ویسے پاکستان میں ہر دو یا تین سال پر جاتے رہتے ہیں۔ ان سے کی گئی گفتگو کے اہم اقتباسات قارئین ''اردو دنیا'' کی نذر ہیں۔

سوال: آپ نے اردو شاعری کب شروع کی؟

جواب: میں نے براڈ کاسٹنگ انسٹی ٹیوٹ سے 1963 میں اردو میں گریجویشن کیا۔ لیکن شاعری پندرہ سال بعد 1978 میں شروع کی۔ میں چینی زبان میں بھی نظمیں لکھتا ہوں لیکن اردو شاعری کی بات الگ ہے خصوصاً اردو غزل کا نشہ کچھ الگ ہی ہے۔ غنائیت، وزن اور بحر تینوں اردو غزل کی اثرانگیزی میں اضافہ کرتے ہیں۔ اس میں تخیل کی پرواز سے بھی بڑا کام لیا جاتا ہے جس کی بدولت بات میں تاثیر پیدا ہوجاتی ہے۔

سوال: ڈینگ کی وجہ سے اشتراکی گرفت ختم ہوجانے کا چینی ادب پر کیا اثر پڑا؟

جواب: یہ غلط فہمی ہے کہ ڈینگ شیاؤپنگ کی وجہ سے اب چین میں سرمایہ داروں کی حکومت ہے۔ ابھی بھی وہاں اشتراکی نظام ہی ہے لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ جاگیرداری کے بعد سیدھے سماج واد نہیں آتا، بیچ میں سرمایہ داری بھی آتی ہے۔ سرمایہ داری کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں پیداوار خوب بڑھتی ہے۔ ڈینگ شیاؤپنگ نے واضح کیا تھا کہ ابھی یہ سماج واد کا ابتدائی دور ہے۔

سوال: چین میں امیر غریب کا فرق بہت ہوگیا ہے، سماجی بے اطمینانی بھی بڑھ رہی ہے۔ کیا اس کی جھلک چین کے ادب میں دکھائی دے رہی ہے؟

جواب: دیکھیے چین میں معیشت نے بہت ترقی کی ہے لیکن اس ترقی میں کچھ لوگوں کا معیار زندگی زیادہ بہتر ہوا اور کچھ لوگوں کا کم۔ ترقی کے دور میں یہ ناگزیر ہے کہ ایسا نہ ہو۔ ڈینگ شیاؤپنگ نے کہا تھا کہ پہلے کچھ لوگوں کو امیر ہونے دو ورنہ کوئی امیر نہیں ہوگا۔ آپ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ لوگ اس سال 40000 بار سڑکوں پر اتر آئے، میں نے تو نہیں دیکھا لیکن اگر آپ کی اطلاع صحیح ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ چین میں مظاہرے کی آزادی ہے اور یہ لازمی ہے کہ اگر کوئی اپنے عہدے کا غلط استعمال کرتا ہے تو اس کے خلاف مظاہرے ہونے ہی چاہئیں۔

سوال: چین کی اردو شاعری میں محبت کا کیا مقام ہے؟

جواب: ہر زبان کی شاعری میں کچھ چیزیں مشترک ہوتی ہیں۔ ان میں محبت ہمیشہ موزوں رہا ہے۔ اسی طرح نیکی، انسانیت، غم، فکر، بدی کے خلاف آواز بلند کرنا ہر زبان کی شاعری میں موجود ہے۔ خواہ وہ چین کی شاعری ہو یا کہیں اور کی۔

سوال: کیا جدید چینی ادب میں جنسی آزادی کو موضوع بنایا جارہا ہے؟

جواب: نہیں، چین میں جنس پر گفتگو کے معاملے میں کبھی آزادی نہیں رہی۔ اگر کوئی چوری چھپے جنسی تعلقات قائم کرتا ہے تو لوگ اس کی مذمت کرتے ہیں۔ سیکس کا کھلاپن تو مغربی ممالک میں ہی زیادہ دیکھنے میں آتا ہے چینیوں پر کنفیوشس کا اثر ہے جو آج بھی موجود ہے۔ کنفیوشس کی تعلیمات میں کھلے سیکس پر پابندی ہے اسے بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے وہاں کے ادب میں جنسی آزادی کے موضوعات کا کوئی مقام نہیں۔

سوال: لیکن چین میں تو نیکیڈ بیچ (Naked Beach) کھل رہے ہیں تاکہ مغرب کے سرمایہ کار اپنی طرز زندگی کے مطابق رہ سکیں۔ اس بات کی گواہی ''چائنا ڈیلی'' بھی دیتا ہے؟

جواب: نہیں یہ غلط ہے کہ ایسا کوئی سمندری ساحل ہے جہاں عورتوں اور مردوں کو تمام کپڑے اتار کر نہانے کی اجازت ہے۔

سوال: چین کی نئی نسل کے مزاج میں کچھ تبدیلی آرہی ہے؟

جواب: پرانی نسل کے مقابلے میں انانیت پسندی کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ پرانی نسل کو تعلیم دی جاتی تھی: پہلے قوم اور انسانوں کے بارے میں سوچنے کی، بعد میں اپنے بارے میں سوچنے کی، لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ میں نے تین سال صحافت کی تعلیم دی، میں اس میں خوش تھا لیکن مجھے اردو پڑھنے کے لیے بھیج دیا گیا۔ میں نے یہ تسلیم کرلیا اور مناسب خیال کیا کہ قوم اور ملک کو اس کی ضرورت ہے۔ اگر آج کے طلبہ کو یہ حکم دیا جائے تو وہ نہیں مانیں گے۔

(بشکریہ روزنامہ ''ہندوستان'' دہلی، 28 نومبر 2005)

○○○

غلام نبی مومن

تدریسِ زبان اور نصاب کی تدوین

انسانی زندگی میں زبان بے حد اہم کردار ادا کرتی ہے۔ انسانی تعلقات مختلف سطحوں پر استوار ہوتے ہیں جیسے رشتے داری، دوستی، ہم مذہبیت اور ہم وطنیت وغیرہ۔ ان تمام تعلقات کی بنیاد بالخصوص مادری زبان ہوتی ہے۔ زبان کے ذریعے لوگ ایک دوسرے کے خیالات سے واقف ہوتے ہیں اور ان کے رشتے بنتے اور مستحکم ہوتے ہیں۔ زندگی کے ہر موڑ پر جذبات و خیالات کے اظہار کے لیے مادری زبان ہی مدد کرتی ہے۔ انسان کی شخصی و سماجی ترقی اور جذباتی استحکام کا انحصار زبان پر ہے۔

انسانی تہذیب کے ارتقا میں بھی زبان کا اہم رول رہا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسانی خیالات میں وسعت پیدا ہوئی، ادب، منطق اور فلسفے نے ترقی کی، عالمی اخوت کا احساس پیدا ہوا، محبت، بھائی چارہ، مساوات، امداد باہمی کے جذبات اور اصول وقواعد کی ترقی ہوئی۔ ان تمام تہذیبی ترقیوں کی بنیاد زبان ہی ہے۔

زبان انسان کی انفرادی اور سماجی ترقی کا ذریعہ ہے اور یہ تعلیم کا بنیادی مقصد بھی ہے۔ تعلیم کے دیگر مقاصد میں انسان کو اس کے تہذیبی ورثے سے آگاہ کرنا اور اس کے تحفظ و احترام کا جذبہ پروان چڑھانا، سماجی اتحاد و یکجہتی کے جذبے کی نشوونما کرنا اور اس کی فطری صلاحیتوں کو اجاگر کرنا شامل ہے۔ زبان ہی حصول تعلیم کا وسیلہ ہے۔ اس لحاظ سے نظام تعلیم میں مادری زبان کی تدریس بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ مدلیار کمیشن نے مادری زبان کی تدریس کے بارے میں درج ہے کہ: ''زبانوں میں سب سے زیادہ اہمیت مادری زبان کو دی جانی چاہیے۔ مادری زبان سیکھنے کا مطلب صرف کسی طرح پڑھ لینا اور لکھ لینا اور ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کرنا نہیں ہے بلکہ یہ طلبہ کی شخصیت کی تعمیر کا سب سے اہم اور وسیع ذریعہ ہے۔ ایک اچھا معلم تدریس زبان کے ذریعے بچوں میں صحیح ڈھنگ سے سوچنے کی صلاحیت پیدا کرسکتا ہے جو کہ تعلیم کا ایک اہم مقصد ہے۔ علاوہ ازیں معلم، طلبہ میں ادب کا صحیح ذوق پیدا کرسکتا ہے نیز ان کے جذبات کی نشوونما بھی کرتا ہے۔ ادبی شاہکاروں کے مطالعے کے ذریعے عظیم مصنفین کے خیالات سے رفاقت پیدا ہوتی ہے اور طلبہ کی کردار سازی کی جاسکتی ہے نیز ان میں مثبت اقدار کا احساس پیدا کیا جاسکتا ہے۔''

ابتدائی درجات سے لے کر یونیورسٹی کی سطح تک زبان کی تدریس کی جاتی ہے مہاراشٹر میں جونیئر کالج کی سطح تک تین حیثیتوں سے زبان کی تدریس عمل میں آتی ہے: (1) زبان اول جو عام طور پر مادری زبان ہوتی ہے، اسے ایک مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جاتا ہے۔ (2) زبان بحیثیت ذریعۂ تعلیم یعنی دیگر مضامین کا اس زبان میں پڑھایا جانا۔ (3) زبان/ زبان سوم (غیر مادری زبان کے ذریعۂ تعلیم کے مدارس میں)۔

یہاں ایک نکتہ ذہن نشیں رہے کہ تعلیم کی ہر منزل اور زبان کی حیثیت کے مطابق تدریس زبان کے مقاصد مختلف ہوتے ہیں۔ چونکہ مہاراشٹر میں جونیئر کالج کی سطح تک اردو ذریعۂ تعلیم کی حیثیت سے رائج ہے اس لیے یہاں اردو کی اسی حیثیت کے پیش نظر بات کی جارہی ہے۔

اردو زبان کی تدریس کے عام مقاصد حسب ذیل ہیں:

تحتانوی تعلیم کی سطح پر

(1) طلبہ میں توجہ سے سننے اور سن کر سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنا
(2) اپنے خیالات، احساسات اور خواہشات کو مناسب الفاظ میں بیان کرنا
(3) صحیح تلفظ، رموز اوقاف کا خیال رکھتے ہوئے، صاف صاف پڑھنا
(4) صاف، خوشخط، رموز اوقاف کا استعمال کر کے صحیح صحیح لکھنا
(5) زبان کی ساخت اور تشکیل کو سمجھنا (صوتیات۔قواعد)
(6) مختلف اصناف ادب سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت کو پروان چڑھانا
(7) مختلف سماجی، اخلاقی قدروں سے واقف ہونا اور انھیں پروان چڑھانا
(8) اپنی زبان اور تہذیبی ورثے کو پہچاننا، ان کی قدر و قیمت کا احساس پیدا ہونا اور ان کی حفاظت کرنا

ثانوی تعلیم کی سطح پر

(1) طلبہ میں صحیح زبان استعمال کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا
(2) ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کرنا
(3) زبان کے تخلیقی اور تخیلی استعمال کی صلاحیت پیدا کرنا
(4) زبان کے وسیلے سے مختلف مضامین کو سمجھنے کی اہلیت پیدا کرنا
(5) مختلف اصناف ادب سے روشناس کرانا اور ادب پاروں کی لسانی خوبیوں کے استحسان کا شعور بیدار کرنا
(6) خود اعتمادی، قومی یکجہتی، مثبت اقدار اور اعلیٰ خیالات پیدا کرنا

اعلیٰ ثانوی تعلیم کی سطح پر

(1) طلبہ میں صحیح زبان استعمال کرنے کی مہارت پیدا کرنا

(2) زبان کی ادبی خوبیوں سے روشناس کرانا

(3) غیر درسی نثری وشعری اقتباسات کی تشریح کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا

(4) ادبی زبان اور بول چال کی زبان کے فرق کو سمجھنا

(5) کلاسیکی ادب کے مطالعے کا ذوق پیدا کرنا

(6) اردو زبان و ادب کے ارتقا سے واقف کرانا

(7) مثبت اقدار، خود اعتمادی اور عمدہ جذبات پیدا کرنا

جامعاتی تعلیم کی سطح پر

(1) صحیح زبان بولنے اور لکھنے کی مہارت پیدا کرنا

(2) زبان کے آغاز وارتقا کا مطالعہ کرنا

(3) زبان کی ساخت کا تفصیلی علم حاصل کرنا

(4) مختلف اصناف ادب کے مطالعے کا ذوق پیدا ہونا اور ادب پاروں کی تحسین کی صلاحیت پیدا ہونا

(5) تنقیدی شعور بیدار کرنا

(6) ادب کی تاریخ کا مطالعہ کرنا

(7) علاقائی ادب کا جائزہ لینا

(8) کسی مخصوص صنف ادب یا ادیب کا تفصیلی مطالعہ کرنا

(9) ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا

(10) زبان کا تخلیقی اور تخیلی استعمال کرنے کی اہلیت پیدا کرنا اور تخلیقی صلاحیتوں کو جلا بخشنا

تدریس زبان کے مذکورہ مقاصد کی تکمیل کے لیے تعلیم کی ہر منزل کا علاحدہ نصاب تیار کیا جاتا ہے۔ نصاب دراصل تعلیمی عمل کا دائرۂ کار ہوتا ہے جس میں تعلیمی عمل کے مدار، اس کی جملہ تفصیلات اور سمتِ عمل کے بارے میں معلومات شامل ہوتی ہیں۔ اسے ''نفسِ تعلیم'' بھی کہہ سکتے ہیں۔ لفظ ''نصاب'' انگریزی اصطلاح "Curriculum" کا اردو مترادف ہے۔ انگریزی اصطلاح لاطینی لفظ "Curriar" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں ''ریس میں دوڑنے والے گھوڑوں کا راستہ''۔ ریس کورس کے راستے کی دونوں جانب حدیں ہوتی ہیں جن کے درمیان گھوڑا دوڑتا ہے۔ اس طرح نصاب کے معنی تعلیمی عمل کا راستہ حدیں ہیں۔ ماہرینِ تعلیم نے نصاب کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے:

''اسکول کے ذریعے، اسکول کے اندر اور باہر کی جانے والی سرگرمیوں کی مدد سے بچوں کے کردار و عمل میں مناسب و متوقع تبدیلیاں پیدا کرنے کی مجموعی کوششوں کا نام نصاب ہے۔''

سیکنڈری ایجوکیشن کمیشن (1952) نے اپنی رپورٹ میں نصاب کی تعریف یوں بیان کی ہے:

''نصاب سے مراد محض وہ مضامین نہیں ہیں جو اسکول میں روایتی طور پر پڑھائے جاتے ہیں بلکہ اس میں وہ سارے تجربات شامل ہیں جو اسکول میں بچے کو حاصل ہوتے ہیں۔ اسکول کی پوری زندگی نصاب ہے جو بچے کی زندگی کو ہر پہلو سے مَس کرتی ہے اور اس کی متوازن شخصیت کی تعمیر میں مدد دیتی ہے۔''

درحقیقت تعلیم و تدریس کے مقاصد کو بنیاد بنا کر نصاب تشکیل دیا جاتا ہے۔ طلبہ کے کردار و عمل میں ہونے والی متوقع تبدیلیاں مقاصدِ تعلیم سے حاصل ہونے والے فائدوں کا اشاریہ ہوتی ہیں۔ تعلیم کے عام مقاصد کی روشنی میں تعلیم کی ہر منزل کے لیے ایسے مخصوص مقاصد کا تعین کیا جاتا ہے جو ملک و قوم کی ضروریات اور توقعات کے عین مطابق ہوں۔ ان مقاصد کے ذریعے طلبہ کی انفرادی اور اجتماعی ضروریات کی تکمیل کی جاتی ہے۔ اس طرح نصاب ایک وسیلے کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ اس بات کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ نصاب دراصل طلبہ کی ذہنی، جذباتی، سماجی اور لسانی ترقی کا شعوری طور پر تیار کردہ خاکہ ہے۔

یہاں ایک نکتہ ذہن نشیں رہے کہ نصاب میں شامل تمام مضامین کی ترتیب وار منصوبہ بندی کو درسیات (Syllabus) کہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں نصاب کل ہے اور درسیات اس کے اجزا ہیں۔ پرائمری تعلیم کے نصاب میں زبان، ریاضی، تاریخ و شہریت، جغرافیہ، سائنس، عملی تجربہ، ڈرائنگ وغیرہ مضامین ہوتے ہیں۔ طلبہ کے کردار و عمل میں ہونے والی مناسب و متوقع تبدیلیاں ہر مضمون کے تدریسی مقاصد کی بنیاد ہوتی ہیں۔ درسیات کے خاکے کے مطابق ہر مضمون کی درسی کتاب تیار کی جاتی ہے۔ یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ صرف درسی کتاب پڑھا دینے سے نصاب کی تکمیل ہوجاتی ہے۔

تعلیمی نظام میں نصاب کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی ہے، اس لیے اس کی تدوین کا کام صحیح اصولوں پر ہونا چاہیے۔ عام طور پر نصاب کی تدوین کے چھ بنیادی اصول تسلیم کیے گئے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

افادیت: فرد، سماج اور ملک و قوم کے تناظر میں نصاب کی افادیت پر غور کیا جاتا ہے۔ چونکہ تعلیم انسان کی مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کرتی، جلا دیتی اور خوشگوار و کامیاب زندگی بسر کرنے کی اہلیت پیدا کرتی ہے، اس لیے مذکورہ مقاصد کی تکمیل کے لیے نصاب میں موزوں مضامین، سرگرمیاں اور اکتسابی تجربات شامل کیے جاتے ہیں۔ قومی نقطۂ نگاہ سے وہ نصاب مفید ہوتا ہے جس میں ملک و قوم کے مسلمہ سیاسی نظریات سے ہم آہنگ تصورات اور خیالات شامل ہوں تاکہ ایسے ذمے دار اور فرض شناس شہری تیار ہوں جنھیں اپنے ملک پر فخر ہو۔ ہندوستان ایک جمہوری سیکولر ملک ہے۔ جمہوریت محض ایک سیاسی طرز

فکر نہیں ہے بلکہ یہ ایک طرزِ حیات بھی ہے۔ تعلیم اس طرزِ حیات کو اختیار کرنے کی ترغیب دینے کی خاطر ماحول سازی کا کام انجام دیتی ہے۔ اس لیے تدوینِ نصاب اور تدریسی عمل کی منصوبہ بندی اس ڈھنگ سے کی جانی چاہیے کہ بچوں کو اسکول میں جمہوری طرزِ زندگی کا تجربہ حاصل ہو۔ نصاب کی تیاری میں اگر سیاست دخیل ہوگی تو بالواسطہ جمہوری قدریں پامال ہوں گی۔

سماجی لحاظ سے وہ نصاب مفید ہوتا ہے جو صالح روایات کا حامل ہو اور روادار اور مہذب شہری تیار کرسکے۔ چونکہ قومی اور بین الاقوامی حالات سماج پر اثرانداز ہوتے ہیں، شہریوں میں اس طرح کے ردوبدل کو قبول کرنے اور سماجی تعلقات کو نبھانے کی صلاحیت پیدا کرنا بھی نصاب کے مقاصد میں شامل ہے۔

تنوع: ہندوستان ایک وسیع وعریض ملک ہے۔ مختلف ریاستوں اور علاقوں کے مقامی حالات جداگانہ اور شہریوں کے مسائل مخصوص نوعیت کے ہیں۔ اس لیے نصاب میں تنوع کا ہونا بہت ضروری ہے۔ تنوع کا خیال تین طرح سے رکھا جاسکتا ہے۔ مضمون، عمل اور سرگرمی۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ چند مخصوص مضامین کو لازمی بنانے کی بجائے طلبہ کو اپنی ضرورت اور خواہش کے مطابق مضامین کے انتخاب کی آزادی ہونی چاہیے۔ مثال کے طور پر مضمون ''پیداواری کام اور سماجی خدمت'' کی سرگرمیوں اور ان کے حدود کا تعین کرنے کی ہر اسکول کو آزادی حاصل ہونی چاہیے تاکہ سمندر کے کنارے واقع اسکول ماہی گیری اور ضلع چندرپور کے آشرم اسکولوں میں بانس کا کام اور دیہی اسکولوں میں زراعت اور باغبانی کی سرگرمیوں کا انتخاب کیا جاسکے۔ مضامین، پیشوں اور سرگرمیوں میں جتنا تنوع ہوگا، طلبہ کو انتخاب کی اُتنی ہی زیادہ آزادی حاصل ہوگی۔

لچک: نئی زمانہ زندگی کا ہر شعبہ غیر معمولی تبدیلیوں سے دوچار ہے۔ سماجی صورت حال بدل رہی ہے، علم کی وسعت میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے، قومی ضروریات وخواہشات میں زبردست تبدیلیاں رونما ہورہی ہیں۔ علاوہ ازیں ہر بچے کی صلاحیت، مزاج، ذوق، پسند وناپسند اور قوتِ کارکردگی میں فرق ہوتا ہے۔ نصاب میں جتنی لچک ہوگی، بچوں کو اپنی فطری رفتار سے ترقی کرنے کے اتنے ہی مواقع حاصل ہوں گے۔ مختلف اسکولوں کی حالت، ماحول اور وسائل میں بڑا تنوع ہوتا ہے، اس لیے ہر اسکول کو مقامی حالات کے لحاظ سے مضامین، پیشوں اور سرگرمیوں میں مناسب ترمیم کرنے کی سہولت ہونی چاہیے۔

انفرادیت: انفرادی امتیازات ایک نفسیاتی حقیقت ہے۔ ہر فرد کی پسند، عادات، دلچسپیاں، ذہنی کیفیت اور صلاحیتیں جداگانہ ہوتی ہیں۔ وہیں ایک نفسیاتی حقیقت یہ بھی ہے کہ مخصوص عمر کے بچوں کی ضروریات اور دلچسپیاں بڑی حد تک یکساں ہوتی ہیں۔ نصاب تیار کرتے وقت مختلف عمر کے گروپ بنا کر ان کے اخلاقی اور مماثل پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے اکتسابی تجربات کا تعین کرکے مختلف سرگرمیوں اور پروگراموں کا انتخاب کیا جاسکتا ہے۔

پختگی: کسی بھی علم یا ہنر کو سیکھنے کے لیے جسم وذہن کا آمادہ ہونا ضروری ہے۔ جسمانی وذہنی آمادگی کا تعلق متعلقہ اعضا کی پختگی سے ہے۔ نصاب تیار کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ طالب علم کا جسم و ذہن منتخبہ اکتسابی تجربات کے لیے پوری طرح آمادہ ہو۔

موثر ترتیب: نصاب میں ایسے مضامین شامل کرنا جن سے زیادہ سے زیادہ طلبہ مستفید ہوسکیں اور ان پر عبور حاصل کرسکیں۔ اس اصول کو ''موثر ترتیب'' کہتے ہیں۔ ڈاکٹر بنجامن بلوم کا کہنا ہے ''ایسا نصاب تیار کیا جائے جس کے ذریعے کلاس کے کم از کم 95 فی صد طلبہ کے کردار وعمل میں متوقع تبدیلیاں پیدا ہوسکیں۔''

مذکورہ اصولوں کا اطلاق خاص طور پر ابتدا سے جونیئر کالج کی سطح تک کے تعلیمی نصاب پر ہوتا ہے کیوں کہ تعلیم کی مذکورہ منزلوں پر مختلف مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔ کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر مضامین کی تقسیم کا طریقۂ کار بدل جاتا ہے۔ یہاں گریجویشن اور پوسٹ گریجویشن سطح پر مخصوص زبانوں اور مضامین کے کورس مکمل کرنے ہوتے ہیں۔ اس سطح پر کورس ہی نصاب کا درجہ رکھتا ہے۔ اس لیے ان کورسوں کی تدوین کرتے وقت نصاب کی تدوین کے مذکورہ اصولوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔

نصاب کی تدوین کرتے وقت مذکورہ اصولوں کے ساتھ ساتھ درج ذیل امور کا خیال رکھنا بھی ازحد ضروری ہے:

(1) تعلیمی مقاصد: چونکہ تعلیم کے مقاصد کی تکمیل ہی کے لیے نصاب تیار کیا جاتا ہے، اس لیے تدوینِ نصاب کے وقت جملہ تعلیمی مقاصد کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ تعلیم کا اہم مقصد بچوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر فرض شناس اور ذمے دار شہری بنانا اور کامیابی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی اہلیت پیدا کرنا ہے۔ اس لیے نصاب اور روزمرہ کی زندگی دونوں کا ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہے۔

(2) بچوں کی نفسیات: نصاب کی تدوین خواہ کتنے ہی عمدہ اصولوں کی بنیاد پر کی گئی ہو لیکن ان میں شامل مضامین اور سرگرمیاں بچوں کی جسمانی و ذہنی نشوونما کے مطابق نہ ہوں تو نصاب کو روبعمل لانا ممکن نہ ہوگا۔ اس لیے نصاب تیار کرتے وقت بچوں کی ترقی کی منزلوں اور ہر منزل کی خصوصیات نیز بچوں کے انفرادی امتیازات اور بچوں کی ضرورت، مسائل، پسند و ناپسند اور ان کی جسمانی، ذہنی، جذباتی، جمالیاتی، لسانی، سماجی اور اخلاقی سطحوں کو مدنظر رکھنا

ضروری ہے۔

(3) سماج: نصاب کی تدوین کرتے وقت سماج کے مبارزات (Challenges)، ضروریات اور خواہشات کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ سماج میں فرد کے مختلف کرداروں کو مدِ نظر رکھنا ہوتا ہے۔ نصابی مقاصد کا منبع تہذیب و ثقافت ہوتا ہے اور یہ مقاصد مروجہ سماجی اقدار سے وابستہ ہوتے ہیں، اس لیے تعلیم اور سماج میں ایک اٹوٹ رشتہ قائم ہوجاتا ہے۔ اس رشتے کی بنا پر تعلیم کو سماجی ترقی کا ایک اہم ذریعہ تسلیم کیا گیا ہے۔ علم سماجیات کے ماہرین مستقبل کے بارے میں پیشین گوئیاں بھی کرتے ہیں کہ آئندہ برسوں میں آنے والی نسلوں کو کس نوعیت کے سماجی مسائل سے نبرد آزما ہونا پڑے گا اور اس وقت سماجی حالات کیا ہوں گے۔ اس لیے نصاب تیار کرتے وقت علم سماجیات سے مدد لینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثال کے طور پر مرد اور عورت کے سماجی کردار میں فرق روز بروز کم ہوتا جارہا ہے اس کی وجہ سے اب عورتوں اور مردوں کے لیے یکساں نصاب تیار کیا جاتا ہے۔ نصاب تیار کرتے وقت سماج کے مختلف مسائل اور پہلوؤں کا خیال رکھنا چاہیے تاکہ بچوں میں ان مسائل کو سمجھنے، ان کا حل پیش کرنے اور سماج سے ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت پیدا ہوسکے۔

وقت کی تیز رفتاری اور حالات کی ہر آن تبدیلی نصاب کو بہت کم وقت میں فرسودہ کردیتی ہے۔ ایسا ہونے پر وہ سماج کی بدلتی ہوئی ضرورتوں اور خواہشات کو پورا نہیں کرپاتا اور اس کی افادیت مشکوک ہوجاتی ہے۔ ایسی صورت میں تعلیم کے مقاصد پر ازسرِ نو غور و خوض کیا جاتا ہے اور نئے سرے سے مقاصد کا تعین کیا جاتا ہے اور ان مقاصد کی بنیاد پر نصاب میں ترمیم یا توسیع کی جاتی ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں تبدیلیوں کی رفتار تیز ہوتی ہے، اس لیے ان ملکوں کے نصاب تعلیم میں توسیع کے زیادہ امکانات پائے جاتے ہیں۔ بہتر صورت تو یہ ہے کہ ملک کے نئے حالات، جدید تقاضوں اور ضروریات کے مطابق ہر دس سال میں نیا نصاب مدوّن کیا جائے۔

مآخذ

(1) ہم اردو کیسے پڑھائیں۔ مصنف: معین الدین

(2) اردو زبان دانی اور طریقۂ تدریس۔ مصنف: غلام نبی مومن

(3) نصاب، طریقۂ تعلیم اور پیمائشِ قدر۔ مصنف: غلام نبی مومن

(4) تدریسِ زبانِ اردو۔ مصنف: پروفیسر انعام اللہ خاں شیروانی

(5) The Position of Languages in School Curriculum in India by M.G. Chaturvedi & B.V. Mohale.

(6) Language, Education And Culture by D.P. Patnayak.

(7) Primary Education by S.K. Nanda.

□□□

Maharashtra State Bureau of Textbook
Production and curriculum research
"Balbharati", Senapati Bapat Road, Pune-411004

کلیات محمد قلی قطب شاہ

مرتبہ: سیّدہ جعفر

گولکنڈے کا پانچواں تاجدار اور شہر حیدرآباد کا بنیاد گزار قلی قطب شاہ فنونِ لطیفہ کا قدرشناس اور خود ایک خوش فکر شاعر تھا۔ محمد قلی قطب شاہ کا یہ کلیات سیّدہ جعفر صاحبہ نے تحقیقی انداز میں مرتب کیا ہے اور اس پر انھوں نے جو مقدمہ لکھا ہے وہ نہ صرف محمد قلی قطب شاہ کی شخصیت کے تمام گوشوں کا احاطہ کرتا ہے بلکہ گولکنڈے کی تاریخ پر بھی خاطر خواہ روشنی ڈالتا ہے۔ محمد قلی قطب شاہ کی تصویر کے علاوہ حیدرآباد کی اہم عمارتوں کی تصویریں بھی کتاب میں دی گئی ہیں۔

صفحات: 823، قیمت: -/175 روپے

کلیات سراج

مرتب: پروفیسر عبدالقادر سروری

سراج اورنگ آبادی کو اردو کا پہلا صوفی منش شاعر کہا جاسکتا ہے لیکن ان کی شاعری متصوفانہ کیفیات کے علاوہ بھی بہت کچھ اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ ان کا یہ کلیات دکنیات کے ماہر پروفیسر عبدالقادر سروری مرحوم نے بڑی کاوش و کوشش کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ شروع میں مبسوط مقدمہ بھی ہے جس میں سراج کی شخصیت اور شاعری کے اہم پہلوؤں پر عالمانہ گفتگو کی گئی ہے۔

دوسرا ایڈیشن: صفحات: 732، قیمت: -/138 روپے

نوٹ: طلبہ اور اساتذہ کے لیے 40% کی خصوصی رعایت۔ تاجرانِ کتب کو حسب ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

ویسٹ بلاک-1، ونگ-6، آر.کے. پورم، نئی دہلی-110066

خواجہ اکرام

اردو زبان کی تعلیم (بالغوں کے لیے ابتدائی سطح پر)

ہندوستان ایک بڑا ملک ہے جہاں مختلف علاقوں اور تہذیبوں کی الگ الگ زبانیں ہیں۔ ان زبانوں میں زیادہ تر ایسی ہیں جن کی حیثیت علاقائی اور دائرۂ اثر محدود ہے۔ اردو ہندوستان کی سب سے کم عمر مگر ایک اہم زبان ہے جو آزادی سے قبل طویل مدت تک ہندوستان کی سرکاری زبان رہی اور اسے رابطے کی زبان کی حیثیت حاصل رہی۔ یہ آج بھی ہندوستان کے بیشتر علاقوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اردو زبان کے دائرۂ اثر کے سلسلے میں ایک دلچسپ اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہند آریائی خاندان سے تعلق رکھنے والی زبانوں کے علاقوں میں تو یہ زبان بولی اور سمجھی ہی جاتی ہے مگر دراوڑی خاندان السنہ کے علاقے میں بھی جہاں ہندوستان کی شاید ہی کوئی اور زبان بولی اور سمجھی جاتی ہو، اردو زبان نے اپنے قدم جما لیے ہیں۔ اردو نے اپنے ادبی سفر کا آغاز اسی علاقے سے کیا اور ایک عرصے تک جنوبی ہندوستان (یعنی دکن) اردو کا مرکز رہا جو کنڑ، تامل، ملیالم اور تیلگو زبانوں کا علاقہ ہے۔ آج بھی وہاں اردو اسکول، مدرسے اور دیگر مراکز موجود ہیں لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ اردو صرف کشمیر سے کنیا کماری تک نہیں بلکہ شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک بیشتر علاقوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے تو شاید مبالغہ نہ ہو۔ لسانی عصبیت کے موجودہ ماحول میں بھی اردو اپنی سحر آفرینی اور کشش کے سبب عوام کی زبان پر چڑھی ہوئی ہے۔ ریڈیو اور ٹی وی نشریات کا اگر آپ جائزہ لیں اور لفظیات، لب و لہجے کے اعتبار سے ان کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اردو زبان ذرائع ابلاغ و ترسیل کی پسندیدہ زبان ہے۔ تفریحی پروگرام ہوں یا سیریل، فلم یا اشتہار، ہر جگہ اردو کے الفاظ کثرت سے اور بلاتکلف استعمال ہوتے ہیں۔

دوسری ہندوستانی زبانوں کے مقابلے میں اردو کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ یہ ہندوستان سے باہر ایشیائی، یورپی، امریکی اور خلیجی ممالک میں بھی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہندوستان کی تمام زبانوں میں اردو ہی ایسی زبان ہے جس کا دائرۂ اثر سب سے زیادہ وسیع ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اردو آج ضرورت کی زبان بنتی جا رہی ہے اور آج ایسے لوگوں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے جو دوسری اور تیسری زبان کی حیثیت سے اردو سیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ پہلو بھی اردو کے روشن امکانات کی واضح دلیل ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ ہمارے لیے ایک چیلنج بھی ہے کہ ایسے طالب علموں کو ہم اردو زبان اور رسم الخط کن طریقوں سے بخوبی سکھا سکتے ہیں۔

یہاں میں بالغوں کے لیے ابتدائی سطح پر اردو زبان سیکھنے کے طریقوں اور نصاب کے سلسلے میں چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ میرے پیش نظر ایسے طالب علم ہیں جو اردو رسم الخط نہیں جانتے مگر اردو سمجھتے ہیں اور وہ اردو کو دوسری اور تیسری زبان کی حیثیت سے سیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ ایسے طالب علم ہیں جن کا ذہنی معیار بلند ہوتا ہے اور جن کے اندر قوت اخذ زیادہ ہوتی ہے لہٰذا ان کی الگ درجہ بندی کرنی ہوگی اور نصاب مرتب کرتے وقت ان باتوں کو ذہن میں رکھنا ہوگا۔ دو باتیں خصوصی توجہ چاہتی ہیں اور ان کا تعلق تلفظ اور رسم خط سے ہے۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ہر زبان کی اپنی مخصوص آوازیں ہوتی ہیں اور یہی آوازیں لفظ بن کر مخصوص تہذیب کی نمائندگی کرتی ہیں۔ جن طالب علموں کو ذہن میں رکھ کر تلفظ کے مسئلے کا ذکر کر رہا ہوں وہ بہت حد تک اس مخصوص تہذیب اور اس زبان کی آوازوں سے واقف ہوتے ہیں البتہ چند آوازیں ایسی ہیں جن میں تمیز کرنا ان کے لیے بہت مشکل ہے۔

کچھ طالب علم ہوتے ہیں جو ''ج'' اور ''ز'' کی الگ آوازوں کو پہچانتے ہیں مگر ان کی ادائیگی صحیح طور پر نہیں کر پاتے ہیں ان میں سے تقریباً سبھی ایسے ہوتے ہیں جو انگریزی جانتے ہیں۔ اس لیے J اور Z کے فرق کو محسوس کرتے ہیں مگر اسے اپنی گفتگو میں کس قدر برتتے ہیں یہ الگ مسئلہ ہے۔ اردو رسم خط میں Z کی آواز کے لیے بالترتیب ذ۔ز۔ض۔ظ۔ چار حروف ہیں۔ یہ آوازیں ان کے لیے کیوں کر پریشان کن ہوتی ہیں اس پہلو پر غور کریں۔ ان چاروں آوازوں (ذ۔ز۔ض۔ظ۔) کے فرق کو ہم اپنی تحریروں میں ملحوظ رکھتے ہیں مگر کیا بول چال کی زبان میں خود اردو والے (جن کی مادری زبان اردو ہے) ان آوازوں کے فرق نمایاں کر پاتے ہیں؟۔ آپ کسی ایسے جملے کو لیں جس میں یہ مختلف آوازیں شامل ہوں مثلاً ''استاد اگر اپنی ذمہ داریوں اور اپنے فرائض کو سمجھیں تو مجال ہے کہ کوئی نظر بھی اُٹھا سکے یا بازپرسی کی ہمت کرے۔'' اس جملے میں چاروں آوازیں موجود ہیں مگر بیشتر حضرات ان کا تلفظ ایک ہی طرح کریں گے۔ اسی طرح ''ع'' کی آواز ہے۔ جب ہم جمعہ، وعدہ، طبیعت، جمع وغیرہ بولتے ہیں تو کیا ''ع'' کی آواز کو پورے طور پر واضح کر پاتے ہیں یا خطاب، خطا، خط اور تماشا، تمام، تاریک وغیرہ میں تلفظ کے لحاظ سے ''ط'' اور

''ت'' میں فرق کرتے ہیں؟ نئے سیکھنے والوں کے لیے یہ باتیں پریشانی کا سبب بنتی ہیں۔ نوخواندہ اور نوآموز طلبہ اکثر پوچھتے ہیں کہ ایک ہی آواز کے لیے اتنے حروف کی کیا ضرورت ہے؟ انھیں مطمئن کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جب تک اُن کو اِن آوازوں کے طریق ادائیگی اور مخارج کی باریکیوں سے آپ بخوبی واقف نہ کرائیں گے وہ مطمئن نہیں ہوں گے اور یہی باریکیاں اردو کی نزاکت بھی ہیں اور حُسن بھی لہٰذا یہ مسئلہ خصوصی توجہ کا طالب ہے۔

سوال یہ ہے کہ جس زبان سے ہم نے اِن آوازوں کو لیا ہے وہاں تو باقاعدہ فنِ تجوید موجود ہے، جہاں تمام تر نزاکتوں کو بخوبی برتنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مگر ہم ہندوستانی مزاج کے مطابق تلفظ کرتے ہیں۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ ہمارے اساتذہ یا اہلِ زبان اِن باریکیوں کو نہیں سمجھتے ہیں یا نہیں برتتے ہیں مگر کمرۂ جماعت میں جہاں طلبہ کی اچھی خاصی تعداد موجود ہوتی ہے وہاں انھیں سمجھانے اور مشق کرانے کے لیے کون سا طریقہ اپنایا جائے جو مفید ہو، اس پر بھی غور کرنا چاہیے۔

اس سلسلے میں چند گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں:

1. اوّل تو یہ کہ استاد اِن آوازوں کو خود ادا کریں اور طلبہ دُہرائیں پھر لفظوں کے ذریعے ان آوازوں کی ادائیگی کو سمجھایا جائے۔ ساتھ ہی تختۂ سیاہ (Black Board) پر نقشے کے ذریعے ان کے مخارج کی نشاندہی کی جائے۔ اگر ہم اس کے لیے جدید سمعی اور بصری وسائل کا بھی استعمال کریں تو کم سے کم وقت میں خفیف سے خفیف فرق کو بخوبی سمجھا سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں جدید Language Lab اور بصری و سمعی (Audio, Vedio) کیسٹ وغیرہ کے استعمال کا اہتمام کرنا چاہیے اور نصاب میں ایسے اسباق شامل کیے جانے چاہئیں جن میں ان حروف مثلاً ص،ض،ط،ظ، ع، غ،ذ،ز،ژ وغیرہ کے لیے الگ الگ اسباق مختص ہوں اور کثیر الاستعمال الفاظ کو شامل کیا جانا چاہیے اور معلم کی یہ کوشش رہے کہ طلبہ ان آوازوں کے مخارج کو بھی سمجھیں اور ان کی ہجے بھی یاد کریں تاکہ جب ان سے املا (Dictation) لکھوائی جائے تو آوازوں کے مخارج سے حروف کو پہچان سکیں اور املا میں غلطی نہ کریں۔ الفاظ کی ہجے یاد کرانے میں اس بات پر زور دیا جائے کہ طلبہ الفاظ کو ان کی شکل (Figure) کے ساتھ ذہن نشیں کرنے کی کوشش کریں۔
2. دوسرا مسئلہ رسم خط کا ہے۔ زبان کی تدریس میں بولنے، سننے اور پڑھنے کے علاوہ لکھنے کا عمل بھی نہایت اہم ہے جس پر خصوصی توجہ دی جانی چاہیے۔ اردو چونکہ مختلف طریقوں سے لکھی جاتی ہے مثلاً خطِ نسخ، خطِ شکستہ اور نستعلیق وغیرہ ساتھ ہی کتاب کی تحریر اور ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر میں بھی کافی فرق ہوتا ہے جو طلبہ کے لیے پریشانی کا سبب بنتا ہے۔ استاد کے ذریعے تختۂ سیاہ پر لکھے ہوئے حروف اور الفاظ، کتاب کے حروف اور الفاظ سے بہت حد تک مختلف ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس سلسلے میں بھی غور و فکر کی ضرورت ہے۔ تختۂ سیاہ پر لکھتے وقت استاد کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ رواں تحریر نہ لکھے۔ استاد اگر کتابت کے اصول و ضوابط سے واقف ہو تو زیادہ اچھا ہے۔ کیا نئے سیکھنے والوں کے لیے رواں تحریر میں لکھی ہوئی کتاب تیار کی جانی چاہیے یہ بھی قابلِ غور ہے۔
3. ایک بڑا مسئلہ الفاظ کی شناخت کا بھی ہے کیونکہ وہ جس رسم خط کو جانتے ہیں، میری مراد ہندی اور انگریزی سے ہے، وہاں الفاظ جداگانہ طور پر بآسانی پڑھے جاسکتے ہیں۔ ہندی میں ایک لفظ کے مختلف حروف کے اوپر ایک لکیر کھینچ دی جاتی ہے اس طرح ایک لفظ دوسرے لفظ سے واضح طور پر الگ ہو جاتا ہے اور انگریزی میں ایک لفظ اور دوسرے لفظ کے درمیان مناسب فاصلہ ہوتا ہے اور ایک لفظ کے تمام حروف باہم ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ اردو میں بھی اگرچہ اس طرح کا اہتمام ہے مگر بہت واضح نہیں بالخصوص مرکب الفاظ میں اور بعض اوقات ہم شکل حروف و الفاظ میں قرأت کی پریشانی ہوتی ہے مثلاً ''یہ منزل دور و دراز اور بہت کٹھن ہے۔'' اس جملے میں ''دور و دراز اور'' کو پڑھنے میں نئے طالب علموں کو کئی طرح کی پریشانی ہوتی ہے۔ کون سے حروف ایک دوسرے سے ملا کر پڑھے جائیں گے اور کون سے حروف مصوتے کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ اس سلسلے میں اگر مندرجۂ ذیل تجاویز پر عمل کیا جائے تو اس طرح کے مسائل کے حل میں مدد مل سکتی ہے۔

تجاویز:

1. ابتدائی سطح کے نصاب کی کتابوں کی کتابت اور طباعت کا خاص اہتمام ہو جس میں ایک لفظ سے دوسرے لفظ کے درمیان مناسب فاصلہ رکھا جائے۔
2. اعراب یعنی مختلف मात्राओं کے لیے جو علامتیں مخصوص ہیں ان کا خصوصی طور پر اہتمام کیا جائے۔ ابتدائی سطح کی کم از کم دو تین کتابیں جو یکے بعد دیگرے پڑھائی جانے والی ہیں ان میں اگر اعراب کا استعمال ہو تو اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ وہ الفاظ طلبہ کو از بر ہو جائیں گے۔ اس کے بعد اگر ان کے سامنے ایسی کتاب آئے گی جس میں اعراب کا استعمال کم سے کم بھی ہوا تو اسے پڑھنے میں نوآموز طلبہ کو زیادہ پریشانی نہیں ہوگی۔
3. اردو کی ایسی آوازیں جو ان کے لیے بالکل نئی ہیں اور جن کی ادائیگی میں بھی خفیف فرق موجود ہے اسے سکھانے کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ

طلبہ سے اس طرح کی آوازوں پر مشتمل الفاظ کی زیادہ سے زیادہ مشق کرائی جائے کہ ان کی ہجے یاد کرلیں اور اس طرح کہ الفاظ کی شکلیں ان کے ذہن نشیں ہو جائیں۔

4. اس مقصد کے حصول کے لیے صوتی عمل گاہوں کا استعمال اور سمعی اور بصری آلات کا بھی سہارا لیا جائے اور تلفظ، قواعد، لفظ و معنی اور اسلوب کو ذہن میں رکھ کر ایسی مشقیں تیار کی جائیں جن کی مدد سے طالب علم زبان کی نزاکتوں، لطافتوں کو اپنے تلفظ اور لب و لہجے کے ذریعے اپنا سکیں۔

5. ایسے طالب علموں کو اردو سکھانے کے لیے اگر ہم اولاً سنوانے، بلوانے، پڑھوانے، بعد ازاں لکھوانے کے اصول کو سامنے رکھیں تو زیادہ کامیاب ہو سکتے ہیں۔

6. اردو رسم خط کی خوبی اور آسانی سے لکھے جانے کی خصوصیت کو زیادہ واضح طور پر بتانا چاہیے کہ اگر آپ چند بنیادی علامتوں کو سیکھ لیں تو اردو کے تمام حروف کو سیکھ لینا کوئی مشکل نہیں (علامت سے مراد وہ حروف جو آواز کو تحریر میں لانے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں) مثلاً ایک بنیادی علامت ''ب'' ہے۔ پہلے اسے لکھنے کی مشق کرائی جائے اور Connected Form میں اس کی جو مختلف شکلیں (ب،بـ، ـبـ) ہیں، ان کی مشق کرائی جائے پھر نقطے کے فرق سے ایک ہی شکل (Figure) کے ذریعے پانچ مختلف آوازوں کو سکھائیں اس طرح ج۔چ۔ح۔خ۔ چار مختلف آوازوں کے لیے ایک بنیادی علامت اور اس کی مختلف شکلیں سکھائی جا سکتی ہیں۔ اس طرح اردو کے ہم شکل حروف کی درجہ بندی کر کے اسباق تیار کرائے جائیں تو سیکھنے کے عمل میں تیزی آسکتی ہے۔

ابتدائی سطح کے نصاب کی کتاب میں ایسے اسباق شامل کیے جائیں جن میں اردو مصوتوں کے صوتی نظام کو زیادہ وضاحت سے سمجھایا جائے۔ چونکہ اردو کا مصوتی نظام قدرے پیچیدہ ہے اسی لیے معمولی لفظ کو بھی پڑھنے اور لکھنے میں نوآموز طلبہ کافی پریشان ہوتے ہیں مثلاً پ، و، ن سے ایک لفظ بنتا ہے جسے آپ کیا پڑھیں گے ذرا غور فرمائیں اسے پون، پَوَن، پُوْن، پَوْن کئی طرح پڑھ سکتے ہیں۔ ہم اور آپ سیاق و سباق سے صحیح لفظ کا تعین تو کر سکتے ہیں مگر کیا نوآموز سے بھی آپ یہ توقع کر سکتے ہیں؟ بہرکیف یہ ایسا مسئلہ نہیں جسے حل نہ کیا جا سکے۔ مصوتوں کے لیے ہمارے رسم خط میں ی، ے، ا، اور و چار حروف ہیں، کچھ علامتیں ہیں جو زیر، زبر، پیش اور ہمزہ کی شکل میں ہیں ان کی مدد سے حسب ذیل مصوتے بنتے ہیں۔

ـِیـ	اِرادہ، اِنصاف
ی	ایمان، ایران
ے	ایک، نیک
اَ ـے	اَیسا، جَیسا، کَیسا
او	اون، خون
اَو	اَولاد، فَولاد
و	زور، شور
اُ	اُردو، اُلفت
آ	آپ، آج
اَ	اَب، جَب
ئے	آئے، جائے
ئی	آئی، جائی
ؤ	آؤ، جاؤ

8. ان کے علاوہ انفی مصوتے اور نیم مصوتے ہیں۔ یہ اسباق میں اس طرح شامل کیے جائیں کہ طلبہ ان کے خفیف فرق کو آسانی سے سمجھ لیں۔ یہ اُسی وقت ممکن ہے جب اس طرح کے الفاظ کی زیادہ سے زیادہ مشق کرائی جائے اور ابتدائی دنوں میں تو استاد لازمی طور پر اپنی تحریروں میں ان اعراب کا استعمال کریں اور کتاب میں بھی صحیح جگہ پر اعراب لگے ہوئے ہوں۔ گویا کتاب کی طباعت میں اس کے خاص اہتمام کی ضرورت ہے اور طباعت سے قبل ماہر زبان سے اس کی پروف ریڈنگ بھی کرائی جائے۔

9. اردو میں بالغوں کے لیے جو کتابیں دستیاب ہیں ان میں ایسے اسباق ہیں جو ان کے ذہنی معیار سے کافی کمتر ہیں۔ انھیں ہم آج بھی ک سے کاجل اور ل سے لوٹا کے علاوہ جو متن پڑھاتے ہیں وہ لالا آیا لوٹا لایا، آلالا وغیرہ جیسے فقروں پر مشتمل ہے جبکہ بالغ طالب علموں کو اس طرح کا متن پڑھتے وقت بوریت ہوتی ہے۔ ہم بچوں اور بڑوں کو ایک ہی طرح کی کتابیں پڑھاتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ بچوں اور بڑوں کے لیے الگ الگ طرح کی کتابیں تیار کرائی جائیں۔ کمپیوٹر کی مدد بھی اردو سکھانے میں لی جانی چاہیے۔ سرکاری اور دیگر اداروں کو اس طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ وہ نئے سافٹ ویئر تیار کرائیں اور اردو زبان کو نئے زمانے سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی جائے۔

Centre of Indian Languages
JNU, New Delhi-110 067.

❏❏❏

محمد محمود فیض آبادی

مادری زبان کی اہمیت وضرورت

ہر سال 21 فروری کا دن یونیسکو کے زیر اہتمام پوری دنیا میں ''بین الاقوامی یوم مادری زبان'' (International Day for the Mother Tongue) کے طور پر منایا جاتا ہے۔ ہر زبان اپنے ناطقین کی تہذیب وثقافت اور طرز حیات کی امین ومظہر ہے۔ یونیسکو کی تاسیس اسی لیے ہوئی تھی کہ وہ نوع انسانی کے تہذیبی، ثقافتی، علمی، فنی، لسانی اور ادبی ورثے کی حفاظت کرے اور ان شعبہ جات میں بین الاقوامی تعاون کو فروغ دے۔ یونیسکو کی ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق فی الوقت دنیا کی چھ ہزار بولیاں معدومی کے خطرے سے دوچار ہیں۔

''مادری زبان'' وہ زبان ہے جسے ہر انسان دنیا میں آنکھ کھولنے پر اپنے ماں باپ اور گردونواح سے سیکھتا اور عہد طفولت سے اسے بولتا ہوا عہد بلوغت میں داخل ہوتا ہے۔ باقی زبانیں جنھیں وہ اسکول میں یا دوسروں سے سیکھتا ہے ''ثانوی'' زبانیں کہلاتی ہیں۔ زبان محض خیالات کے اظہار یا افہام وتفہیم کا مصنوعی آلہ نہیں بلکہ بنیادی طور سے متعلقہ گروہ کے طرز حیات کی مظہر ہے۔ دوسرے لفظوں میں زبان ہر لسانی گروہ کی تہذیب وثقافت کا جزو لازم ہے۔ زبانوں کی آموزش بھی کوئی میکانیکی عمل نہیں بلکہ ایک کلچرل یعنی تہذیبی عمل ہے۔ یعنی بڑی حد تک افراد بذات خود اسے اخذ کرتے ہیں اور کسی حد تک دوسروں سے اس کی تعلیم پاتے ہیں۔ مثلاً اسکول میں داخل ہونے سے پہلے ہر بچہ اپنی بات کو کہنے، دوسروں کی بات کا جواب دینے، موزوں اور ناموزوں الفاظ کے مابین فرق کرنے کے قابل اور بنیادی الفاظ وتراکیب سے واقف ہو جاتا ہے۔ یہی زبان اسکولی سطح پر زبان کی تدریس کی بنیاد بنتی ہے۔ یعنی لازم ہے کہ پہلی زبان یا ثانوی زبان کو سیکھنے سے قبل ہر متعلم اپنی مادری زبان کے بنیادی الفاظ، تراکیب، ساختوں اور صوتیات سے واقف ہو۔ مادری زبان کی تعلیم اور مادری زبان کے وسیلے سے تعلیم اس لیے ضروری ہے کہ زبان اور کلچر باہم لازم وملزوم ہیں۔ اگر ایک طرف ہر زبان اپنے مخصوص کلچر کی پیداوار ہے تو دوسری طرف اس کلچر کی ترسیل زبان کے وسیلے کی محتاج ہے۔

درحقیقت کوئی بھی زبان کسی دوسری زبان سے افضل نہیں ہوتی ہے۔ محض فرق یہ ہے کہ مادری زبان کا وسیلہ اپنایئے گا تو آپ کا مخصوص کلچر اور رسم خط باقی رہے گا۔ دوسرا وسیلہ اپنایئے گا تو آپ کا کلچر اور رسم الخط معدوم ہوگا اور اس طرح آپ کا تشخص ختم ہو جائے گا اور آپ دوسرے تہذیبی گروہوں میں ضم ہو جائیں گے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں جب 1879 میں پہلی بار ریڈ انڈین یعنی قدیم امریکی باشندوں کے بچوں کے لیے انگریزی میڈیم اسکول شروع کیا گیا جس کا مقصد اُن کو غالب کلچر میں ضم کرنا تھا تو ان کو اسکول میں اپنی مادری زبان بولنے پر بالکل اسی طرح سزا دی جاتی تھی جس طرح آج آزاد ہند کے نام نہاد پبلک اسکولوں کی دیسی استانیاں بچوں کو دیسی زبان بولنے پر سزا دیتی ہیں۔ لیکن پھر ایک فکری انقلاب آیا۔ روشن فکری، نسلی رواداری اور انسانی حقوق کے نظریات کے عروج کے ساتھ عوامی پالیسی بدلی اور آج ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں بھی قدیم باشندوں کے بچوں کو خود ان کی قبائلی زبانوں کے ذریعے تعلیم دینے کا قانون پاس ہو چکا ہے۔ جمہوریت کے دور میں تمام مغربی ممالک اور اقوام متحدہ کے ارکان بنیادی انسانی حقوق اور اقلیتوں کے مذہبی، تہذیبی اور لسانی حقوق کی ضمانت پر متفق ہیں۔ غلام ہندوستان میں جس ہستی نے لارڈ میکالے کے مسلط کردہ انگریزی ذریعۂ تعلیم کی بے باکی سے مخالفت کی وہ تھے مہاتما گاندھی۔ انھوں نے غیر ملکی ذریعۂ تعلیم کو فرد کی نشو ونما، قومیت اور قومی ترقی کے لیے مہلک قرار دیا اور سوراج کے حصول کے لیے دیسی اور مادری زبان کے وسیلے سے بنیادی تعلیم کا فلسفہ پیش کیا۔ گاندھی جی کا کہنا تھا کہ ''میں باوجود اس کی تمام خامیوں کے اپنی مادری زبان سے اسی طرح چمٹا رہوں گا جس طرح اپنی ماں کے سینے سے، صرف یہی زبان مجھے شیر حیات بخش دے سکتی ہے۔ مجھے انگریزی سے بھی اس کی جگہ پر محبت ہے۔ لیکن اگر وہ میری مادری زبان کے مقام کو غصب کرتی ہے جو اس کا نہیں ہے تو میں اس کا سخت مخالف ہوں۔'' (ہریجن، 25/اگست، 1946)

بچوں کے اپنی مادری زبان کے وسیلے سے تعلیم پانے کے حق کو 1945 کے بعد کئی بین الاقوامی اعلانیوں اور معاہدوں میں بنیادی حق تسلیم کیا گیا ہے۔ مثلاً اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 20/نومبر 1989 کو بچوں کے حقوق سے متعلق قرارداد (Convention on the Rights of Child) منظور کی جس کی دفعہ 14 میں تمام شریک ملکوں کو تمام بچوں کے آزادی فکر وضمیر و مذہب کے حق کا احترام کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اسی طرح دفعہ 28 کے تحت لازم کیا گیا ہے کہ تمام بچوں کو مفت اور لازمی ابتدائی تعلیم مہیا کی جائے۔ اسی طرح دفعہ 30 میں شریک ملکوں کو پابند کیا گیا ہے کہ جہاں کہیں نسلی، مذہبی یا لسانی اقلیتی گروہ یا قدیم نسل کے باشندے موجود ہیں وہاں ان کو انفرادی اور اجتماعی طور سے اپنی تہذیب وثقافت اور زبان کے

استعمال اور اپنے مذہب اور رسومات کے مطابق عمل کرنے سے نہ روکا جائے۔

آزاد ہند کا قانون اساسی، جمہوریت، آزادی، مساوات و انصاف اور قانون کی حاکمیت پر مبنی ہے۔ اس کی دفعہ 29 میں تہذیبی اور لسانی اقلیتوں کا یہ حق تسلیم کیا گیا ہے کہ انھیں اپنی تہذیب و ثقافت، زبان اور رسم خط کے تحفظ کی آزادی ہے۔ اسی طرح دفعہ 30 میں اقلیتوں کو اپنی پسند کے تعلیمی ادارے قائم کرنے کی آزادی دی گئی ہے اور ریاست کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ ان اداروں کو محض اس بنیاد پر مالی مدد سے محروم نہ کرے کہ انھیں کسی اقلیت نے قائم کیا ہے۔

دستور ہند کے نفاذ کے بعد 1956 کے ریاستوں کی تنظیم نو کے قانون کے تحت ملک لسانی ریاستوں میں تقسیم ہو گیا۔ نئی ریاستوں میں لسانی اقلیتوں کے مسائل کی پیش بینی کرتے ہوئے متعلقہ ریاستی تنظیم نو کے کمیشن (1955) نے دستور میں ان اقلیتوں کے لیے بعض تحفظات کو شامل کرنے کی سفارش کی تھی۔ اس کے مطابق 1956 کی دستوری ترمیم کے ذریعے دستور میں دو نئی دفعات 350 (الف) اور 350 (ب) شامل کی گئیں۔ دفعہ 350 الف کے مطابق:

''ہر ریاست اور اس ریاست کے اندر ہر مقامی اکائی کی کوشش ہوگی کہ وہ اپنے علاقے میں لسانی اقلیتوں کے بچوں کے لیے ابتدائی سطح پر ان کی مادری زبان کے ذریعے تعلیم کی معقول سہولیات مہیا کرے اور اس ضمن میں اگر صدر جمہوریہ لازم اور مناسب تصور کریں تو وہ کسی بھی ریاست کو اس طرح کی سہولیات مہیا کرنے کے لیے ہدایات جاری کر سکتے ہیں''۔

دفعہ 350 (ب) کے مطابق:

لسانی اقلیتوں کے تحفظات پر عمل درآمد کا جائزہ لینے کے لیے اور صدر جمہوریہ کو اس بابت سالانہ رپورٹ دینے کے لیے ایک ''لسانی اقلیتوں کے خصوصی افسر'' (موجودہ کمشنر برائے لسانی اقلیت) کی منصوبی کا بندوبست کیا گیا۔ اس کمشنر نے اب تک حکومت ہند کو 38 رپورٹیں پیش کی ہیں۔

دفعہ 350 (الف) کی روشنی میں:

انجمن ترقی اردو ہند نے 1958 میں اتر پردیش اور بہار کی ریاستوں سے 20 لاکھ اردو بولنے والوں کے دستخطوں سے ایک میمورنڈم صدر جمہوریہ ہند کو پیش کیا کہ اردو کو ان دونوں ریاستوں میں ''علاقائی'' (ریجنل) زبان کا درجہ دیا جائے۔

اس میمورنڈم کے جواب میں حکومت ہند کی وزارت داخلہ نے 14 جولائی 1958 کو ایک پریس نوٹ کے ذریعے ''زبان سے متعلق بیان'' (Statement on Language) جاری کیا جس کے ذریعے اردو بولنے والے علاقوں میں اُردو بولنے والوں کو اُصولی طور سے تین سہولیات دینے کا اعلان کیا گیا یعنی (1) جہاں کہیں اُردو بولنے والوں کی معتدبہ تعداد ہو وہاں پرائمری اسکول کی سطح پر ان بچوں کے لیے جن کے والدین اپنی مادری زبان اردو درج کرائیں، اردو کے ذریعے تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔ (2) اردو میڈیم اسکولوں کے لیے اساتذہ کی مناسب تربیت اور مناسب درسی کتابوں کی تیاری کا اہتمام کیا جائے اور (3) ثانوی سطح پر بھی اردو میڈیم سے تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔

(اس پریس نوٹ کے بارے میں ایک جملۂ معترضہ یہ ہے کہ اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے لہٰذا اس پر کبھی عمل نہ ہو سکا اور نہ ہی حکومت ہند نے دفعہ 350الف کے تحت کسی بھی ریاست کے اُردو بولنے والے کو سہولیات مہیا کرانے کے لیے کوئی ہدایت جاری کی)۔

حقیقت یہ ہے کہ دستور ہند میں لسانی اقلیتوں کے تحفظات کا کوئی فقدان نہیں، اگر فقدان ہے تو عمل درآمد کا ہے اور اس کے لیے ارباب اقتدار کم اور عوامی قائدین اور انجمنیں اس کی زیادہ ذمے دار ہیں۔ محض ریاستی امداد پر تکیہ کرنا اور ''اپنی مدد آپ'' کے اصول کو فراموش کر دینا کسی باشعور لسانی اقلیت کا شیوہ نہیں ہے۔ آخر میں اُردو زبان کے لیے چند عملی نکات پیش ہیں:

اولاً یہ متعین کیا جائے کہ کسی بھی آبادی میں کتنے اُردو داں افراد پر ایک اردو میڈیم اسکول قائم کیا جانا چاہیے۔ پھر یہ متعین کریں کہ کس ضلع اور کس شہر میں کتنے کار آمد اردو میڈیم اسکول موجود ہیں اور کتنوں کی ضرورت ہے۔ اسکولوں کی مطلوبہ تعداد کے قیام کے لیے آبادی والے ایک تحریک کی ضرورت ہے۔ اردو علاقوں میں اردو اسکولوں کا جال بچھانے کے لیے قانون کے تحت ایک یا متعدد ریاستی کارپوریشن تشکیل کیے جائیں یعنی اس مہم کو قانونی طریقے سے چلایا جائے۔

اردو میڈیم اسکولوں کے اساتذہ کی تربیت اور درسی کتابوں کی تیاری کا کام بھی غیر سرکاری رضا کار تنظیمیں سنبھالیں۔ اور اس کا التزام کیا جائے کہ اُردو اسکولوں کا معیار کسی طرح دوسری زبانوں کے اداروں سے کمتر نہ ہو۔

اگر والدین اُردو داں نہیں ہیں تو وہ نہ صرف اپنی اور اپنے بچوں کی مادری زبان اُردو درج کرانے سے قاصر ہوں گے بلکہ وہ اپنے بچوں کو اُردو میڈیم اسکول میں بھی داخل نہیں کرائیں گے۔ لہٰذا بنیادی تعلیم کی تحریک کے ساتھ سواد آموزی (لٹریسی) کی تحریک بھی چلائی جائے۔

مندرجہ بالا کے تکملہ کے طور پر تعلیم بالغاں کے مراکز، شبینہ مدرسے، اُردو کتاب خانے اور اُردو ریڈرس کلب چلانے کے لیے رضا کار تنظیمیں تشکیل کی جائیں۔

عوامی شعور کی بیداری کی غرض سے ہر سال 21 رفروری کو ''یومِ زبان مادر'' اور 8 رستمبر کو ''یومِ سواد آموزی'' منایا جائے۔

Deptt. of Political Science
Aligarh Muslim University
Aligarh-202 002.

□□□

شہاب الدین انصاری

اردو تھیسارس

اردو تھیسارس مقتدرہ قومی زبان پاکستان نے شائع کیا ہے۔ 792 صفحات کی اس کتاب کا یہ تیسرا ترمیم شدہ اڈیشن ہے جس کی فنی تدوین میں ڈاکٹر عطش درانی اور ڈاکٹر گوہر نوشاہی بھی شریک رہے ہیں۔

کتاب کے دائرۂ مطالعہ کا اندازہ اس کے عنوان کی ذیلی سرخی سے ہوتا ہے جس کے مطابق یہ ''تحریر و تقریر کے لیے موزوں نیز ہم نوع، ہم جنس اور باہمی مناسبت اور تلازم رکھنے والا الفاظ مترادفات، ان کی صرفی شکل اور ان کے متضاد و برعکس الفاظ پر مشتمل تھیسارس ہے۔''

تھیسارس لغت کے زمرے کی ہی ایک کتاب ہوتی ہے کیونکہ اس کا تعلق بھی الفاظ سے ہی ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ یہ دو حصوں میں منقسم ہوتی ہے۔ ایک میں ہم جنس و ہم نفس الفاظ کا ذخیرہ ہوتا ہے۔ دوسرے میں الفاظ کا اشاریہ۔ لغت جیسا کہ ہم جانتے ہیں حوالے کی ایک ایسی کتاب ہے جو ہمیں اپنے تحصیل علم کے سفر میں اس وقت دی جاتی ہے جب ہم مطالعے کے ایسے دور میں پہنچتے ہیں جہاں اپنی ہی زبان کے ہمارے لیے غیر مانوس الفاظ سے ہمارا سابقہ پڑتا ہے۔ الفاظ اور ان کے سامنے الفاظ کے معنی و مفہوم کی وضاحت کرنے والے الفاظ پر مشتمل یہ سیدھی سادھی لغت تحصیل علم کے روایتی آخری مرحلے تک پہنچتے پہنچتے ذو لسانی لغت، اصطلاحاتی لغت، لغت پیشہ وراں، لغت مترادفات، لغت متضاد الفاظ، لغت محققات، گلاسری اور کنکارڈینس کی شکلیں اختیار کر لیتی ہیں، لیکن انواع و اقسام کی ان جملہ لغات میں ایک بات مشترک ہوتی ہے۔ یہ سب الفاظ کے مضمون کی وضاحت کرتی ہیں۔ تھیسارس ان سب سے بنیادی نوعیت میں مختلف ہوتی ہے۔ یہ کسی لفظ کا معنی و مفہوم نہیں پیش کرتی۔ یہ تو آپ کو الفاظ کے خزانے کے سامنے کھڑا کر دیتی ہے تاکہ آپ اس ذخیرے میں سے اپنے مافی الضمیر کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے والا لفظ نکال لیں۔ انگریزی زبان میں تھیسارس پہلی بار 1852ء میں شائع ہوا۔ اس کے مرتب ایم پی راجٹ پیشے کے اعتبار سے ڈاکٹر تھے۔ انھیں الفاظ کو جمع کرنے اور ان کے نفس مفہوم کے اعتبار سے درجہ بندی کرنے کا شوق 1805ء سے شروع ہوا۔ ان کا یہ شوق پچاس برس تک محض شوق کی شکل میں رہا لیکن 1852ء میں انھوں نے اس ذخیرے کو مرتب کر کے راجٹس تھیسارس کے نام سے شائع کیا۔ اپنی نوعیت کے اعتبار سے حوالے کی ایسی کتاب ثابت ہوا جس کی ضرورت ہر ادیب، شاعر، اخبار نویس اور مضمون نگار کو تھی۔ چنانچہ سنہ اشاعت اور 1869ء (راجٹ کے انتقال سال) کے تیرہ برسوں میں اس کی 28 اشاعتیں منظر عام پر آئیں۔ راجٹ نے اپنی کتاب کو دو حصوں میں ترتیب دیا تھا۔ پہلا حصہ بنیادی خیال کے اعتبار سے اصناف میں تقسیم کر دیا گیا تھا اور ہر صنف کا ایک نمبر اندراج تھا۔ دوسرا حصہ لغت کی طرز پر الفاظ کی حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب تھی جس کے سامنے ایک نمبر درج تھا۔

رفیق خاور نے راجٹ کے اسی تھیسارس کو اپنے سامنے رکھ کر اردو تھیسارس مرتب کیا ہے۔ راجٹ ہی کی طرح یہ کتاب بھی دو حصوں میں تقسیم کی گئی تھی۔ پہلا حصہ علوم کے بنیادی تصورات کی تقسیم ہے۔ راجٹ کی تقسیم کو ہی یہاں اردو کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ راجٹ نے علم کی اصناف کو کیٹگری کا نام دیا تھا۔ رفیق خاور صاحب کی تقسیم میں انھیں صاف کیا گیا ہے۔ اصناف کے نام ہیں:

تجریدی روابط، مکان، مادہ، شعور، قصد، عواطف۔

ہر صنف کو دوسری سطح پر شعبوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ چنانچہ تجریدی روابط کے تحت شعبہ جات:

وجود۔ علائق، مقدار، نظام، اعداد زمان، تغیر، علیت ہیں۔ ہر صنف کی دوسری سطح کی تقسیم اسی طرح چھے یا چار یا دو شعبوں میں ہوئی ہے۔ تیسری سطح پر شعبے کو موضوعات اور وارداتی وجود میں تقسیم کیا گیا ہے ہر موضوع کے تحت لفظ اور اس کا متضاد لفظ دیا گیا ہے۔

وجود:	وجود	-	عدم وجود
	باطنیت	-	خارجیت
	مطلق	-	اضافی

تقسیم کے اس عمل سے جو موضوعات ابھر کر آئے ہیں ان کی مجموعی تعداد ایک ہزار ہے۔ اس طرح الفاظ کے جملہ ذخیرے کو ایک ہزار زمروں میں جمع کر دیا گیا ہے۔ ان کی تقسیم الفاظ کے داخلی اور نفسی خیال کے اعتبار سے یکسانیت کی بنیاد پر کی گئی ہے اور ہر زمرے پر نمبر شمار ڈال دیا گیا ہے۔ ہر زمرے میں موجودہ الفاظ کو صرفی صفت کے اعتبار سے اسم صفت فعل اور فقرے کے تحت یکجا کیا گیا ہے۔

دوسرے حصے میں الفاظ کا اشاریہ ہے۔ اشاریہ الفاظ کے جملہ ذخیرے

کوحروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کر کے بنایا گیا ہے اور ہر لفظ کے سامنے جس موضوع کے زمرے میں پہلے حصے میں وہ لفظ موجود ہے، اس کا نمبر دیا گیا ہے۔ اشارے میں موجود لفظ کے لیے ضروری نہیں کہ وہ موضوعی زمرے میں موجود بھی ہو۔ موزوں لفظ کا متلاشی لفظی اشاریے کے اندر اپنی یادداشت میں کسی بھی محفوظ کو اشارے میں تلاش کر کے اس کا نمبر اندراج حاصل کر لیتا ہے۔ پھر پہلے حصے میں اس نمبر کے موضوعی زمرے سے اپنی ضرورت کا موزوں لفظ یا فقرہ حاصل کر لیتا ہے۔

تھیسارس کے پہلے حصے میں موضوعات کے تحت الفاظ کی صرفی درجہ بندی کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر حیات اور ممات، صنف، مادوں میں نامیاتی مادے کے تحت درج ہیں۔ اب ممات کے مترادف الفاظ پہلے اسم ممات، وفات، رحلت وغیرہ درج ہیں۔ پھر صفت: متوفی، مرحوم، آنجہانی وغیرہ درج ہیں اور فعل کے تحت: مرجانا، جان دے دینا، بلاوا آنا وغیرہ۔ موضوع استعمال ہوا ہے تو اس لفظ کے سامنے اس موضوع کا نمبر بھی درج ہے تاکہ قاری اس موضوع پر پہنچ کر مطلوبہ لفظ حاصل کر لے۔ تھیسارس کا بڑا مصرف ادبا، مترجمین اور مضمون نگار حضرات کے لیے ہے۔ رفیق خاور اس ضرورت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''عام طور پر تقریر و تحریر میں مفہوم کے قطعی قسم کی ادائیگی مقصود ہوتی ہے تاکہ ہر قسم کے خیالات اور نازک فرق ظاہر کیے جائیں۔ خیال اور احساس کتنا ہی نازک کیوں نہ ہو پھر بھی ہم بعینہ ادا نہیں کر سکتے۔ تلاش کرنے پر بھی ٹھیک برمحل لفظ، فقرہ یا پیرایہ ہاتھ نہیں آتا...... ان تمام امور میں سہولت پیدا کرنے کے لیے تھیسارس کی ضرورت ہوتی ہے، جس کی بدولت ہمیں بہ آسانی خیال، احساس کو بعینہ ادا کرنے والا لفظ یا فقرہ فوراً دستیاب ہو جاتا ہے۔ عام لغت سے معنی دیکھنے کے لیے لفظ کا ہمارے حافظے میں محفوظ رہنا ضروری ہے۔ اگر محض مفہوم، مترادف یا متضاد فعل، فاعل اسم یا کسی اور واسطے سے لفظ تک پہنچنا ہو تو عام لغت ہماری مدد نہیں کرتا۔ تھیسارس اسی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔''

اردو میں تھیسارس مرتب کرنے کی یہ پہلی کوشش ہے۔ الفاظ کے ذخیرے کو جمع کرنے کی غرض سے رفیق خاور صاحب نے اردو کے علاوہ فارسی، عربی، انگریزی، ہندی زبانوں کے ان الفاظ کو بھی شامل کیا ہے جو کبھی اردو میں استعمال ہوئے ہیں لیکن اپنی اس تلاش میں کہیں کہیں وہ بہت دور تک چلے گئے ہیں۔

ہپی برتھ ڈے ٹو یو (896)، لائٹ آن لائٹ آف (146)، کریڈیٹر (811)، ایمبارکیشن جیسے انگریزی کے لفظ، اردو رفتہ (506)، شرح بہ پوشند خز (854)، چشم داشت (507) جیسے فارسی کے فقرے یا ابدالہ ہر (112)، اسفل السافلین (208)، بین الہوا (605) سابقوں (16) جیسے عربی کے الفاظ اردو ذخیرے میں کھٹکتے ہیں۔

کتاب کی ترتیب کے دوران سے بہت پہلے راجٹس تھیسارس، راجٹس انٹرنیشنل تھیسارس ہو چکا تھا اور اصناف کا شمار چھے سے بڑھ کر آٹھ تک پہنچ چکا تھا۔ رفیق خاور غالباً اپنی معروفیت کی بنا پر اس نئے اڈیشن کو نہیں دیکھ سکے۔

اردو زبان اس تھیسارس کی بدولت دنیا کی دوسری بڑی زبانوں کی صف میں شامل ہو گئی ہے۔

(بشکریہ روزنامہ ''قومی آواز'' دہلی 11 دسمبر، 2005)

□□□

کلیاتِ عیش

مرتبہ: ڈاکٹر حبیبہ بانو

حکیم آغا جان عیش دہلوی ذوقؔ، مومنؔ اور غالبؔ کے ہم عصروں میں تھے اور بہادر شاہ ظفرؔ کے دربار میں بھی انھیں رسائی حاصل تھی۔ غالبؔ کی مشکل پسندی پر ان کا طنزیہ قطعہ ''مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے'' مشہور ہے مگر غالبؔ کی وفات پر انھوں نے جو تاریخی قطعہ بند اشعار کہے ہیں، وہ غالبؔ سے ان کی محبت و مودت کو ظاہر کرتے ہیں۔ عیش خوش فکر شاعر تھے اور انھوں نے اپنا مردّف دیوان غزلیات اپنی زندگی ہی میں مرتب کر لیا تھا۔ ڈاکٹر حبیبہ بانو کے مرتب کردہ اس کلیات میں غزلوں کے علاوہ وہ دیگر اصناف سخن بھی ہیں جو عیش سے یادگار ہیں۔ مفصل مقدمے کے ساتھ۔

پہلا ایڈیشن: صفحات: 556، قیمت: -/80 روپے

کلیاتِ فانی

مرتب: ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی

حسرتؔ، اصغرؔ، جگرؔ اور فانیؔ کو ان کی زندگی ہی میں غزل کے چار ستونوں کی حیثیت دے دی گئی تھی لیکن ان میں سے ہر شاعر کا انداز سخن جداگانہ ہے۔ فانیؔ کی خصوصیت ان کی حزن پسندی ہے جس نے ان کے کلام میں ایک خاص اثر پیدا کر دیا ہے۔ ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی کے مرتبہ اس کلیات میں غزلوں کے علاوہ فانی کی کہی ہوئی نظمیں، قصیدے، قطعات وغیرہ بھی شامل ہیں۔ شروع میں مرتب نے فانیؔ کی شخصیت اور شاعری پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔

دوسرا ایڈیشن: صفحات: 318، قیمت: -/63 روپے

نوٹ: طلبہ اور اساتذہ کے لیے 40% کی خصوصی رعایت۔ تاجرانِ کتب کو حسب ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

ویسٹ بلاک-1، ونگ-6، آر.کے. پورم، نئی دہلی-110066

عبیدالرحمٰن

قاتل فلو کی دستک

حالیہ چند مہینوں میں برڈ فلو وائرس نے یکے بعد دیگرے کئی ممالک میں اپنی موجودگی درج کرائی ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں مرغیوں اور تقریباً 300 متاثرہ افراد میں سے 120 لقمۂ اجل بن گئے ہیں۔

اصطلاح 'برڈ فلو' میں برڈ سے مراد طیور ہیں جن میں مرغ و مرغی نمایاں اہمیت کے حامل ہیں اور فلو سے مراد انفلوئنزا ہے۔ انسانوں میں بھی اس کے اثرات دیکھے جا رہے ہیں لہٰذا خطرے کی گھنٹی بجنا شروع ہوگئی ہے۔ چوں کہ اس مخصوص وائرس نے اپنی بناوٹ بدلنا شروع کر دی ہے لہٰذا یہ مرض انسانوں میں بھی منتقل ہو رہا ہے۔ ہمارے لیے یہ باعثِ فکر یوں ہے کہ فی الحال ہندوستان میں اس سے حفاظت کے لیے ٹیکہ یا مناسب علاج موجود نہیں ہے۔ اس پس منظر میں ذرا یہ سوچیے کہ جس بڑی تعداد میں مرغیوں کی موت ریکارڈ کی گئی ہے اگر خدانخواستہ انسانوں میں یہ روش چل پڑی تو کیا ہوگا۔ یہ خیال ہی ہمارے جسم میں جھرجھری سی پیدا کر دیتا ہے۔

جہاں ایک طرف انسانی فلو ایک عام بیماری ہے جس سے کسی خوف کا ماحول نہیں پیدا ہوتا اور ہم اس کے اکثر شکار ہوتے رہتے ہیں دوسری طرف برڈ فلو ایک نہایت ہی خطرناک بیماری ہے جو بیشتر معاملات میں موت کے ساتھ ہی ختم ہوتی ہے۔ انسانوں میں برڈ فلو کے تئیں قوتِ مدافعت نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس مرض کا مقابلہ نہیں کر پاتے اور موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ماہرین کے مطابق 2003 کی شروعات میں اس کی اصل ابتدا ہوئی تھی مگر اس وقت اس پر مناسب گرفت نہیں کی جا سکی اور اب ہم اس کی انتہائی بگڑی ہوئی صورت حال سے دوچار ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ تشویشناک بات یہ ہے کہ اس مرض کے جاری حملے میں زیادہ تر معاملات جو ایشیائی ممالک میں پیش آئے ہیں وہ اس وائرس کی انتہائی خطرناک شکل یا اسٹرین (Strain) H5n1 کی وجہ سے رونما ہوئے ہیں۔ اس اسٹرین کی یہ غیر معمولی خصوصیت ہے کہ وہ انواع کی رکاوٹوں کو چھلانگ کر ایک نوع سے دوسری نوع میں مہلک بیماری کی وجہ بنتا ہے۔ لہٰذا یہی اسٹرین انسانوں میں برڈ فلو پھیلانے کا سبب بنا ہے۔

برڈ فلو دراصل تنفسی (Respiratory) اور شکم معدی (Gastro-intestinal) سے متعلق ایک انتہائی تعدیاتی یا چھوت (Infections) والی بیماری ہے جو انفلوئنزا وائرس A اسٹرین سے پیدا ہوتی ہے اور وقفے وقفے سے وبائی شکل میں عالم گیر حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔

انفلوئنزا وائرس کی مختصر تاریخ

لفظ انفلوئنزا اٹلی کے باشندوں کے ذریعے 1743 کی وبا کے دوران وضع کیا گیا تھا۔ 90-1889 میں عالم گیر پیمانے پر پھیلنے کے دوران فی فر (Pfeiffer) نے ہوموفیلس (Homophiles) انفلوئنزا کے وائرسوں کو الگ کیا تھا اور یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہی مرض کا اصل سبب ہے۔ 19-1918 کے دوران اس مرض کا بہت شدید حملہ ہوا جس سے عالمی سطح پر 20 لاکھ اموات ہو گئیں۔ اس وقت یہ مشاہدہ کیا گیا کہ فی فر کے ذریعے الگ کیا گیا انفلوئنزا وائرس بیماری کی اصل وجہ نہیں تھا اگرچہ اس کی مرض میں ثانوی اہمیت ضرور تھی۔ 1933 میں اسمتھ (Smith)، اینڈریوز (Andrews) اور لیڈلا (Laidlaw) کے ذریعے الگ کیے گئے انفلوئنزا وائرس نے وائرس کی سائنس میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ انھوں نے سفید نیولے میں مرض پیدا کیا جس کے لیے مریضوں سے حاصل کیے گئے بیکٹیریا سے آزاد انفی حلقی اخراج (Nasopharyngeal Secretions) کے جراثیم کو ناک کے راستے داخل کیا۔ برنٹ (Burnet) نام کے سائنسداں نے وائرس کی توسیع کے لیے 1935 میں چوزہ جنین تکنیک کو فروغ دیا۔

اس ضمن میں ایک قابلِ ذکر تحقیق تب سامنے آئی جب ہرسٹ (Hirst)، مک کلے لینڈ (Mc Clelland) اور ہارے (Hare) نے 1941 میں انفرادی طور پر یہ نتائج اخذ کیے کہ انفلوئنزا وائرس پرندوں یا مرغ/مرغیوں کے سرخ جسیمے (Erythrocytes) کے ساتھ پیوست ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ فرانسس (Francis) اور میگل (Magill) نے 1940 میں انفلوئنزا وائرس کی ایک ایسی شکل دریافت کی جو اس وقت تک کی معلوم شدہ دیگر شکلوں سے مختلف تھی۔ اسے انفلوئنزا وائرس B کا نام دیا گیا تاکہ اسے اصل شکل A سے علاحدہ کیا جا سکے۔ بعد ازاں ٹیلر (Taylor) نے 1949 میں انفلوئنزا وائرس کی تیسری شکل یعنی C دریافت کی۔ انفلوئنزا وائرس کی ان تین قسموں A,B اور C میں درجہ بندی دراصل رائبونیوکلیو پروٹین یا اندرونی اینٹی جن (Antigen) کی ضد نسبی خصوصیات پر منحصر ہے۔

طیوری فلو

طیوری یا پرندوں کے انفلوئنزا وائرس کی تشریح 1901 میں کی گئی تھی جب سنٹینی (Centanni) اور ایونوزی (Avonuzzi) نام کے سائنسدانوں نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ پرندوں کا پلیگ یا پرندوں کا انفلوئنزا ایک وائرس مرض ہے مگر چوں کہ یہ فسادِ خون یا خون کو زہر آلود کرنے (Septicemia) سے متعلق ہے لہٰذا انسانوں کے انفلوئنزا سے یکسر مختلف ہے۔ ان دونوں کے درمیان کا ربط اس وقت تک راز بنا رہا جب شیفر (Schaefer) نے 1955 میں یہ بتایا کہ طیوری انفلوئنزا وائرس کا تعلق انفلوئنزا وائرس A سے ہے۔ 1931 میں شوپ (Shope) نام کے سائنسداں نے سور کے انفلوئنزا وائرس کو الگ کیا تھا جو انسانوں کے انفلوئنزا وائرس کے مشابہ تھا لہٰذا اس سے قبل 1918 کے سوروں

میں عالمی سطح پر انفلوئنزا وائرس کے حملے کے وقت یہی سمجھا گیا تھا کہ سوروں میں یہ مرض انسانوں سے پھیلا ہے۔ سور کے علاوہ انفلوئنزا وائرس گھوڑوں، وھیل اور گوشت خور پستانیہ سیل (Seal) سے بھی الگ کیے جا چکے ہیں۔

پرندے، خاص طور پر آبی پرندے انفلوئنزا وائرس کے مخزن سمجھے جاتے ہیں۔ ان کی کئی قسموں میں جراثیم زدگی قدرتی طور پر نوٹ کی گئی ہے۔ پرندوں میں جراثیم عموماً معدے کو متاثر کرتے ہیں لہٰذا پرندوں کے فضلہ سے انفلوئنزا وائرس بہتر طور پر الگ کیے جاتے ہیں۔ انسانوں کے علاوہ دوسرے تمام جانوروں سے حاصل شدہ وائرس کا تعلق قسم A سے ہے جب کہ B اور C قسمیں خصوصی طور پر انسانوں سے متعلق ہوتی ہیں مگر انسانوں میں جراثیم زدگی قدرتی طور پر نوٹ نہیں کی گئی ہے۔ عام طور پر جانوروں کے انفلوئنزا وائرس انسانوں میں مرض پیدا نہیں کرتے مگر پریشانی کی بات یہ ہے کہ یہ اصول ٹوٹتا نظر آ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برڈ فلو سے انسانوں کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے اور یوں ایک خوف کا ماحول قائم ہو رہا ہے۔ عالمی ادارۂ صحت (World Health Organization) کے مطابق پوری دنیا برڈ فلو وائرس کی اس شکل کی شکار ہو سکتی ہے جو انسانوں میں مرض پھیلا دے گی اور پھر یہ ایک انسان سے دوسرے میں منتقل ہوگا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ اتنی تیزی سے پھیلے گا کہ بہت کم مدت میں پوری دنیا میں 70 لاکھ اموات ریکارڈ کی جا سکتی ہیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو جنوب مشرقی ایشیا میں تھائی لینڈ کے علاوہ اور کوئی ملک ایسا نہیں ہے جو اس کے حملے سے بچاؤ کے لیے تیار ہو۔ تھائی لینڈ کے پاس وائرس مانع دوائیاں موجود ہیں مگر اس کے باوجود وہاں 12 افراد موت کا شکار ہو چکے ہیں۔ یہ خبر عالمی ادارۂ صحت کے شعبۂ متعدی امراض کے ڈائرکٹر ڈاکٹر جے۔ پی۔ نارائن نے دی ہے۔

صحت پر اثر

نقل مکانی کرنے والے پرندے اس مرض کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ موسم سرما کے آتے ہی ایشیائی ممالک میں باہر سے پرندوں کا آنا شروع ہو جاتا ہے لہٰذا ڈاکٹر نارائن نے یہ تشویش بھی ظاہر کی ہے کہ مرض کا خطرہ صرف مرغ/مرغیوں سے ہی نہیں ہے بلکہ پرندوں کی تقریباً تمام قسموں سے ہے۔ تھائی لینڈ، ویت نام، کمبوڈیا، جنوبی کوریا، جاپان اور تائیوان وغیرہ میں برڈ فلو کے معاملات مرغی خانہ (پولٹری فارم) میں بڑے پیمانے پر ظاہر ہو چکے ہیں۔ یورپ کی طرف اس کے قدم اٹھ چکے ہیں اور برطانیہ میں برڈ فلو کا معاملہ درج ہو چکا ہے۔ تھائی لینڈ، ویت نام میں انسانوں کی موت ریکارڈ کی جا چکی ہے۔ ویت نام میں تادم تحریر 91 معاملات درج ہو چکے ہیں جن میں سے 40 کی موت ہو چکی ہے۔ ماہرین کے مطابق لندن میں 7,50,000 لوگ اس کے شکار ہو سکتے ہیں جن میں 50,000 کی موت ہو سکتی ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ برڈ فلو انسانوں میں پہلی دفعہ سر اٹھا رہا ہے بلکہ ایسا معاملہ 1997 میں ہانگ کانگ میں پیش آ چکا ہے جب H5N1 قسم نے 18 افراد کو متاثر کیا تھا جن میں سے 6 کی موت ہو گئی تھی۔ اُس وقت اِس مرض سے متاثر پولٹری کے تعلق میں آنے سے ان لوگوں میں یہ جراثیم پھیلا تھا۔ اس حملے سے ہانگ کانگ کی مکمل پولٹری آبادی جو تقریباً 15 لاکھ مرغ/مرغیوں پر محیط تھی، صرف تین دنوں میں ختم ہو گئی تھی۔ اس کے بعد نیدرلینڈ میں انسانوں میں اس مرض کا بڑا معاملہ 2003 میں سامنے آیا تھا۔

ہندوستان میں اب تک اس مرض کی موجودگی درج نہیں ہوئی ہے مگر یہ خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ جس نہج پر اس مہلک مرض کے قدم بڑھ رہے ہیں بہت ممکن ہے کہ ہمارا ملک بھی اس کی لپیٹ میں آ جائے۔ ایسی صورت حال میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کیا ہم اس کے لیے تیار ہیں؟ فی الحال جواب نفی میں ہے۔ یہ وائرس جس طرح اپنی شکلیں بدل رہا ہے اس کے پیش نظر یہ بھی قطعیت سے نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اس کی کون سی شکل یعنی اسٹرین ہندوستان میں پھیلے گی۔ H5N1 جو سب سے زیادہ خطرناک اسٹرین ہے، جنوب مشرقی ایشیا کے 11 ممالک اور دنیا کے 16 ممالک میں پھیل چکا ہے۔ دیگر اسٹرین میں H3N2 نے 1968-69 کے دوران سات لاکھ لوگوں کو موت سے ہمکنار کیا تھا، H1N1 سب ٹائپ سے 1918 میں 50 ملین یعنی 5 کروڑ اموات ہوئی تھیں۔

بھوپال میں قائم سخت حفاظتی امراض حیوانات لیباریٹری نے فی الحال یہ یقین دلایا ہے کہ ملک میں H5N1 وائرس موجود نہیں ہے۔ حکومت ہند ملک بھر کے 50 جائے پرند کی نگرانی کرا رہی ہے اور یہ دیکھ رہی ہے کہ نقل مکانی کر کے آنے والے پرند کہیں H5N1 وائرس کے حامل تو نہیں۔ ایسے خطرے والے علاقوں سے پرندوں کے نمونے تجربہ گاہ میں جانچ کے لیے لائے جا رہے ہیں۔ بطخ، بڑے ماہی خور آبی پرندے اور مرغابی جیسی انواع کے متعلق مرکز نے صوبائی حکومتوں کو ہدایتیں جاری کی ہیں کہ وہ ان پر نگرانی رکھیں۔ ایسے پرندے اس وائرس کے حامل ہو سکتے ہیں۔

متاثرہ پرندے اپنے فضلہ، لعاب اور انفی اخراج کے ذریعے وائرس کو پھیلاتے ہیں اور برڈ فلو کا سبب بنتے ہیں۔ ایسے بیمار پرندوں کے تعلق میں آنے سے ہی انسانوں میں یہ مرض پھیلا ہے۔ برڈ فلو وائرس کی 15 ذیلی قسموں میں سے H5N1 سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ یہ وائرس اس پر قادر ہے کہ اپنی شکل تبدیل کر لے اور دیگر جانوروں پر حملہ آور وائرس کے جین کو بھی حاصل کر سکے۔ لہٰذا یہ انسانوں میں جان لیوا مرض کا باعث بنتا ہے۔

H5N1 کے علاوہ H9N2 اور H7N7 اسٹرین بھی انسانوں میں برڈ انفلوئنزا وائرس پھیلاتے ہیں۔ H9N2 نے 1999 میں ہانگ کانگ میں دو بچوں کو متاثر کیا تھا اور یہیں دسمبر 2003 میں ایک بچہ اس کے زیر اثر آ گیا تھا۔ نیدرلینڈ میں فروری 2003 میں جانوروں کے ایک ڈاکٹر کی موت H7N7 اسٹرین کی وجہ سے ہو گئی تھی جب کہ مرغی خانے میں کام کرنے والے 83 افراد اور ان کے اہل خاندان اس سے متاثر ہوئے تھے۔

علامتِ مرض

(الف) انسانوں میں:

- ○ تیز بخار
- ○ کھانسی
- ○ گلے میں خراش
- ○ شدید سردرد
- ○ عضلاتی درد
- ○ آنکھوں میں تکلیف
- ○ سانس کی شدید تکلیف
- ○ نمونیا جیسی شکایتیں
- ○ گردہ کا صحیح طور پر کام نہ کرنا

(ب) پرندوں میں:

- ○ بھوک کی کمی
- ○ پروں کی برہمی
- ○ پیاس کی شدت
- ○ دست کا آنا
- ○ سر میں سوجن
- ○ سستی
- ○ انڈے دینے میں کمی
- ○ سبز غلاظت
- ○ سردی، زکام

علاج

وائرس کے مخصوص اسٹرین کی مناسبت سے دوائیں تجویز کی جاتی ہیں۔ انفلوئنزا A کے لیے Amantadine اور Raimantadine کے استعمال کی صلاح دی جاتی ہے جب کہ B اور C کے لیے Zanamivir اور Oseltamivir نام کی دوائیں موزوں ہیں۔ اگر مرض شروع ہونے کے 48 گھنٹوں کے درمیان اول الذکر دونوں دواؤں میں سے کسی ایک کا استعمال شروع کر دیا جائے تو انفلوئنزا کی تنفسی علامات میں 50 فی صد تک کمی آسکتی ہے۔ Amantadine کے استعمال سے پریشانی و اندیشہ، بے خوابی، کسی چیز پر توجہ نہ دے پانا جیسی شکایتیں محسوس کی جاسکتی ہیں مگر Rimantadine میں یہ اثرات بہت کم ہوئے ہیں۔ بالغوں میں ان دونوں دواؤں کی خوراک 200 ملی گرام روزانہ تین سے سات دنوں تک کی ہوتی ہے۔ چوں کہ ان کا اخراج گردہ سے ہوتا ہے لہٰذا زیادہ عمر کے لوگوں یا گردہ کے مریضوں میں یہ خوراک 100 ملی گرام روزانہ کی ہوتی ہے۔ Zanamivir کو 10 ملی گرام پانچ دنوں تک روزانہ دو مرتبہ منہ سے اندر کھینچا جاتا ہے جب کہ Oseltamivir کی خوراک 75 ملی گرام پانچ دنوں تک دن میں دو بار کی ہوتی ہے۔ ان دواؤں کے ضمنی اثرات میں متلی اور قے شامل ہیں۔ Tamiflu نام کی دوا کا استعمال حالیہ معاملات میں ہوا ہے مگر جگر پر اس کے مضر اثرات دیکھے گئے لہٰذا فی الحال یہ دوا WHO کے زیر جائزہ ہے۔

امریکہ میں فی الحال بچوں کے لیے صرف Amantadine اور Zanamivir کے استعمال کی اجازت ہے۔ Rabavirin نام کی دوا بھی انفلوئنزا A اور B میں دی جاتی ہے۔ امریکہ کے سائنسدانوں نے حال میں یہ اعلان کیا ہے کہ انھوں نے برڈ فلو سے بچاؤ کے لیے ٹیکہ بنالیا ہے مگر ابھی یہ مختلف قسم کی جانچ کے مدارج سے گزر رہا ہے۔ بہر حال امید کی کرن ضرور روشن ہوئی ہے۔

احتیاطی تدابیر

عالمی ادارۂ صحت امریکی مرکز برائے نگرانی، احتیاط امراض اور اقوام متحدہ کے ادارہ برائے غذا و زراعت کے مطابق پولٹری فارم اور مرغی کے زچہ خانے میں کام کرنے والے افراد کو منہ اور ناک کے ماسک (نقاب) استعمال کرنے چاہئیں ساتھ ہی دستانوں کا استعمال بھی کرنا چاہیے۔ ایسے جوتے پہننے چاہئیں جو دھوئے جاسکیں۔ ان جگہوں سے واپس آکر پورے جسم کو جراثیم کش دوا سے دھونا ضروری ہے۔

پولٹری فارم اور مرغی کے زچہ خانہ پر نظر رکھنی چاہیے اور مرغیوں کی مستقل بلاناغہ روزانہ جانچ ہوتی رہنی چاہیے تاکہ اگر مرض کا پتہ چلے تو ایسی تمام مرغیوں کو فوراً مار دیا جائے۔

ہوائی اڈوں اور بندرگاہوں پر بھی احتیاطی تدابیر ضروری ہیں تاکہ ایشیائی خصوصاً جنوب مشرقی ایشیائی ممالک سے آنے والے مسافروں کی طبی جانچ کی جاسکے۔ ایسے کسی مریض کی تشخیص کے بعد اسے علاحدہ رکھا جائے۔ مرغ کے گوشت اور اس کے پکوان کی درآمد پر بھی پابندی لگانا ضروری ہے۔

فی الحال اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا ہے کہ وائرس مرغی کے گوشت اور انڈے کے استعمال سے پھیل رہا ہے کیوں کہ ہم انھیں پکا کر کھاتے ہیں اور پکنے پر جراثیم مرجاتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ گوشت کو اس وقت تک پکایا جائے جب تک اس کا گلابی پن پوری طرح ختم نہ ہو جائے۔ انڈے کو خوب اچھی طرح ابالنا یا بھننا (Fry) کرنا چاہیے۔ سفیدی اور زردی کو اچھی طرح پکانا لازمی ہے۔ کم از کم دس منٹ تک 100°C پر گوشت کو پکانا چاہیے تاکہ یہ جراثیم سے پاک ہو سکے۔

اگرچہ فی الحال ہمارا ملک برڈ فلو کے زیر اثر نہیں ہے مگر ہمیں اطمینان نہیں کر لینا چاہیے۔ حکومت کی طرف سے احتیاطی تدابیر کی جارہی ہیں۔ 2003 کے سارس مرض کے واقعے نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ ایسے امراض کس حد تک اور کتنی تیزی سے پھیل کر کیسی تباہی مچا سکتے ہیں۔ سارس کے واقعے میں محض پانچ مہینوں میں 8000 افراد اس کا شکار ہوئے تھے اور 800 سے زیادہ لقمۂ اجل بن گئے تھے۔ جب اس مرض نے چین میں سر اٹھایا تو چوبیس گھنٹوں کے اندر یہ پانچ ممالک میں پھیل گیا تھا اور چھ براعظموں کے 30 ممالک میں چند ماہ کے اندر ہی اپنے پاؤں پوری طرح پھیلا دیے تھے۔ صرف ایک مریض جو ہانگ کانگ سے ٹورنٹو گیا تو 438 افراد کناڈا میں اس مرض سے متاثر ہوئے جن میں سے 43 جاں بحق ہو گئے تھے۔ یہاں یہ مدنظر رہنا چاہیے کہ سارس کے پھیلنے کی رفتار انفلوئنزا سے بہت کم ہے یعنی یہ جو سارس کے حوالے سے چند مثالیں پیش کی گئی ہیں وہ گویا سست رفتاری کی تیز رفتار کا اشارہ ہے، تو اس پس منظر میں ذرا غور کیجیے کہ انفلوئنزا جو سارس سے کہیں زیادہ تیز رفتار ہے اگر پھیلنا شروع ہو گیا تو کیا ہوگا؟

M-2, Regal Building, Street-6, Zakir Nagar
New Delhi-110 025

❑❑❑

تحریر: کلدیپ شرما
ترجمہ: رئیس احمد

اسٹیم خلیوں کا کرشمہ

طب کی کامیابی ــــ ''سبھی خوش حال رہیں، صحت مند رہیں'' کے اصول پر قائم ہے۔ طبی ماہرین نے اب تک جو کامیابیاں حاصل کی ہیں وہ لائق ستائش ہیں۔ مثلاً نابینا کا دیکھ پانا، بہرے کا سن پانا، گنجے کے سر پر بال آجانا، کینسر کا علاج اور عارضۂ قلب کا تسلی بخش علاج وغیرہ۔ لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب تک انسانی خلیے کام کرتے رہیں۔ غرض مطلب یہ کہ زندگی آگے بڑھتی رہے اور آب حیات سے سیراب کرتی رہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے خلیے ٹھیک سے کام کررہے ہوں۔ آج سائنس نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ انسانوں اور دیگر جانداروں کی رگوں میں گردش کرنے والا خون بھی اسٹیم خلیوں کی بدولت تیار ہو رہا ہے۔ امریکہ کی یونیورسٹی آف وسکونسن نے جب اسٹیم خلیوں سے خون بنانے والے خلیے تیار کر لینے کا دعویٰ کیا تو طبی دنیا میں ہنگامہ ہوگیا، اسی کے ساتھ خون کی کمی اور خرابی سے متعلق جملہ بیماریوں پر قابو پا لینے کا راستہ صاف ہوگیا۔ تھیلیسیمیا، ہیموفلیا، لیوکیمیا اور خون سے متعلق مریضوں کو امید کی کرن دکھائی دینے لگی ہے۔ یہ بات بھلے ہی ابھی تجربہ گاہ کی چہار دیواری تک محدود ہے، مگر محقق اور سائنس داں ڈاکٹر ڈان کیف مین کا کہنا ہے کہ جلد ہی یہ خون انسانی رگوں میں گردش کرنے لگے گا۔

آسٹریلیائی ماہرین نے اس ضمن میں جو تحقیق کی ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ ان کے مطابق نظام اعصاب میں آنے والی خرابی بھی اسٹیم خلیوں سے دور کی جا سکے گی۔ میلبورن کے والٹر اینڈ ایلز اہال انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل ریسرچ کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ انھوں نے تجربہ گاہ میں نہ صرف اعصابی خلیے تیار کیے ہیں بلکہ ان کی نشو ونما خاص خوراک پر ہوئی ہے۔ اس تحقیق کے اہم نمائندے ڈاکٹر پیری واٹ لیٹ نے اپنی تحقیقی ٹیم کو نظام اعصاب سے متعلق تحقیق پر لگا دیا اور خود بھی کافی محنت کی، بالآخر انھیں اعصاب سے جوان خلیے الگ کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی، بعد ازاں اگلا قدم انھیں فعال رکھنے کا تھا اور اس کے لیے مقوی غذا کھلانے کے علاوہ ہارمون کے جوس پلائے گئے۔ ڈاکٹر پیری اور ان کے رفقا نے اس طرح سے اعصابی ٹشو بنانے میں کامیابی حاصل کر لی، مزید برآں اعصاب سے متعلقہ رگیں بھی تخلیق کر لی گئیں۔ یہ ایک ایسی کامیابی ہے جو نروس بریک ڈاؤن کا شکار ہونے والوں کو دوبارہ زندگی عطا کر سکتی ہے۔ اب جگر تھام کر بیٹھنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اسٹیم خلیوں کی بدولت جگر پھر سے کام کرنے کے لائق ہو سکتا ہے۔ جگر میں ذرا بھی خرابی آئے تو اسٹیم خلیوں کی بدولت ان کی کارکردگی بہتر کی جا سکتی ہے۔ خود جگر کا خلیہ بننے والے اسٹیم خلیے جگر بنا لیں گے۔ دیکھتے ہی دیکھتے خلیے بننے لگیں گے اور والو تیار ہو جائے گا۔ اسرائیل کے ٹیکن مان اسرائیل انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی نے دعویٰ کیا ہے کہ ان کے محققین نے دل کے ٹشو بنانے میں کامیابی حاصل کر لی ہے اور وہ انھیں جداگانہ طور پر تیار کر رہے ہیں۔ اگرچہ یہ ابھی تجرباتی مراحل میں ہے مگر دل کی سلامتی کی پوری امید جگاتی ہے، اعضا کو بنانے اور قبول کر لینے کی جانب بھیڑ کی کلون ڈالی کی تخلیق تاریخ ساز ثابت ہوئی۔ اس کے خالق نے کیلیفورنیا کے مین لوپارڈ کے شیران کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھا کر 'راجلن وائیومڈ' کمپنی بنائی۔ ابھی محض چار سال گزرے ہیں اور انھوں نے اسٹیم خلیوں سے کام لینا شروع کر دیا ہے۔ ان کے مطابق وہ اسٹیم خلیوں کے کلون تیار کر رہے ہیں جب ان خلیوں کا ذخیرہ جمع ہو جائے گا تو ٹشو بنا لینا

1. یونیورسٹی آف وسکونسن نے جب اسٹیم خلیوں سے خون تیار کر لینے کا دعویٰ کیا تو میڈیکل کی دنیا میں ہنگامہ ہو گیا اور خون کی کمی سے متعلق جملہ بیماریوں پر قابو پا لینے کا راستہ صاف ہو گیا۔
2. اسرائیل میں اسٹیم خلیوں کی مدد سے دل کے ٹشو بنائے جا رہے ہیں۔
3. اسٹیم خلیوں سے خون تیار کرنا بھی ممکن ہوگا۔
4. اسٹیم خلیوں کی مدد سے کینسر پر بھی قابو پایا جا سکے گا۔
5. دماغ کے بیمار خلیوں کو نئی زندگی دی جا سکے گی۔
6. اندھے پن سے نجات اور جگر تیار کرنا ممکن ہوگا۔
7. ایک تحقیقی رپورٹ کے مطابق تجربہ گاہ میں نہ صرف اعصابی خلیے تیار کیے گئے ہیں بلکہ انھیں خاص مقوی غذا کے ذریعے نشوونما دی گئی ہے۔

آسان ہوگا تب ہی اعضا بنیں گے اور کام کرسکیں گے۔ دل کے والو کی مرمت و اصلاح اسی صورت میں ممکن ہو سکے گی۔ آنکھوں کے خلیوں میں ذراسی خرابی آتے ہی اندھاپن حاوی ہونے لگتا ہے مگر اسٹیم خلیوں کو ان خلیوں کے ساتھ نشوونما پانے کے لیے بھی تیار کرلیا گیا ہے۔

جسم کا سب سے اہم حصہ دماغ اگر ٹھیک سے کام نہ کرے تو حالت بہت نازک ہوجاتی ہے۔ اب دماغ کے بیمار خلیوں کو اسٹیم خلیوں کی مدد سے نئی زندگی دی جاسکے گی۔ آسٹریلیا کی مونار یونیورسٹی کے ذریعے اس میدان میں نہایت اہم تحقیقی کارنامے انجام دیے گئے ہیں۔ اس کے لیے چوہے پر تجربہ کیا گیا۔ اس طرح دماغ کی اصلاح کے لیے پہلی بار اعصابی خلیے بنانے والے اسٹیم خلیے جدا کیے گئے اور ان کی نشوونما کی گئی۔ اب دماغ کے کئی امراض کا علاج دریافت ہوجانے کی قوی امید ہے۔ اس سلسلے میں پینسلوانیا یونیورسٹی کی کامیابی بھی بطور خاص قابل ذکر ہے، یہاں پر محقق ڈاکٹر میکیلورا نے چوہوں کے دماغ پر تحقیقی کام کیا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کے لیے انسانوں کے گردے اور نظام اعصاب سے اسٹیم خلیے لیے گئے اور انھیں چوہے کے خراب دماغ پر لگا دیا گیا۔ ایک تحقیق کے مطابق اگر چوہے کے دماغ سے خوف پیدا کرنے والے خلیے نکال دیے جائیں تو وہ شیر کی طرح غرّائے گا۔

اب تمام اعضا کو درست کرنے اور ان کی خرابیوں کو ٹھیک کرنے کے ساتھ ساتھ اسٹیم خلیے امراض پر بھی قابو پانے میں کامیاب ثابت ہو رہے ہیں، کینسر پر بھی اب قابو پایا جا رہا ہے۔ کسی عضو میں اچانک بغاوت کرتے خلیے اب عام خلیوں سے ہٹ کر ترقی کرنے لگتے ہیں تو ان کی وجہ سے ٹیومر بن جاتا ہے۔ برطانیہ کے امپیریل کینسر ریسرچ فنڈ سے وابستہ محققین نے ان کی حرکت کی شناخت کی اور بطور تجربہ گردے کے کینسر کو بنیاد بنایا گیا۔ اس کے لیے بون میرو کے بوڑھے خلیوں کو اسٹیم خلیوں کی شکل میں استعمال کیا گیا۔ ان کے ذریعے پہلے تو نقصان کی تلافی کی گئی اور اس کے بعد ان میں موجود کینسر کا علاج کیا گیا۔ اس طرح کئی امراض کی شناخت کی گئی اور اسٹیم خلیوں کی مدد سے ان پر قابو پانے کے لیے تحقیقی تجربے کیے جا رہے ہیں۔ بعض میں کامیابی مل چکی ہے، تو بعض تجربوں کے مراحل سے گزر رہے ہیں۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ کراماتی اسٹیم خلیے اپنے جلوے دکھا رہے ہیں۔

(بشکریہ روزنامہ ''ہندوستان'' نئی دہلی، 27/نومبر 2005)

□□□

دیوان حسرت عظیم آبادی

مرتبہ: ڈاکٹر اسا سعیدی

حسرت عظیم آبادی اپنے دور کے اہم شاعر تھے۔ ان کے کلام کا ایک انتخاب حسرت موہانی نے بھی شائع کیا تھا۔ یہ ان کا مکمل دیوان ہے جس پر فاضل مرتبہ نے اپنے مقدمے میں ان کی شاعرانہ خصوصیات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

صفحات: 484، قیمت -/100 روپے

دکن میں اردو

مصنف: نصیر الدین ہاشمی

یہ کتاب دکنیات کے سلسلے میں ایک اہم مقام رکھتی ہے اور متعدد یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل ہے۔ کتاب کے بعض بیانات سے بعد کے محققین نے جو اختلاف کیا ہے پیش لفظ میں مصنف کی جانب سے اس کی نشاندہی بھی کردی گئی ہے۔

صفحات: 945، قیمت -/202 روپے

خسرو شناسی

مرتبین: ظ انصاری، ابوالفیض سحر

امیر خسرو کے لیے ایک شاعر نے کہا ہے:

خسرو اک البیلا شاعر جس کے روپ ہزار
کہیں وہ صوفی، کہیں مورخ، کہیں وہ موسیقار

اس کتاب میں حضرت امیر خسرو کی ہمہ جہت شخصیت کی ہر جہت کا جائزہ ان قلمکاروں نے لیا ہے جو اپنے عہد کی اس عظیم شخصیت سے خاص شغف رکھتے ہیں۔

صفحات: 368، قیمت: -/80 روپے

دکن میں مرثیہ اور عزاداری

مصنف: ڈاکٹر رشید موسوی

دکن میں مرثیہ نگاری اور عزاداری کی روایت بہت قدیم ہے۔ دیگر اصناف سخن کی طرح قدیم ترین مرثیے بھی دکنی شاعروں ہی سے یادگار ہیں۔ مصنف نے اس کتاب میں حیدرآباد کے علاوہ میسور، مدراس اور ممبئی میں لکھے جانے والے مرثیوں کا احاطہ بھی کیا ہے جس سے کتاب کی جامعیت بڑھ گئی ہے۔

صفحات: 315، قیمت: -/17 روپے

نوٹ: طلبہ اور اساتذہ کے لیے 40% کی خصوصی رعایت۔ تاجرانِ کتب کو حسب ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

ویسٹ بلاک-1، ونگ-6، آر. کے. پورم، نئی دہلی-110066

कौमी काउन्सिल बराए फरोग़–ए–उर्दू ज़बान

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

National Council for Promotion of Urdu Language

M/O. HRD, Dept. of Secondary & Higher Education, Govt. of India, West Block-1, R.K. Puram, N.Delhi-66.

فنکشنل عربی میں قومی اردو کونسل کا دو سالہ فاصلاتی ڈپلوما

رجسٹریشن 28 / فروری 2006 تک

- روز مرہ گفتگو میں استعمال ہونے والی عربی زبان اور عربی پڑھنے والے طالب علموں کو معاصر تقاضوں اور باوقار روزگار کے موقعوں سے جوڑنے کی ایک بڑی کوشش

ڈپلوما ان فنکشنل عربک (Diploma in Functional Arabic, 2006 - 2008)

اہلیت: عربی کی ابتدائی تعلیم مع قواعد۔ اس کے علاوہ عربی لکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت بھی لازمی ہے۔ عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔

فیس: طالب علم -/200 روپیہ نقد یا اس کا ڈرافٹ کونسل کے مندرجہ ذیل کسی بھی عربی اسٹڈی سینٹر میں جمع کر کے رجسٹریشن/ داخلہ فارم حاصل کر سکتے ہیں۔

کورس کی میعاد: دو سال۔ طالب علم ہر چھ ماہ کے بعد اختبارات کونسل کے اسٹڈی سینٹر میں جمع کریں گے۔ **دو سال** کے اختتام پر ایک پرچے پر مشتمل فائنل امتحان کونسل کے منظور شدہ عربی اسٹڈی سینٹر میں کونسل کی طرف سے لیا جائے گا۔ مجموعی کامیابی کے بعد کونسل کی طرف سے کامیاب طالب علم کو "Diploma in Functional Arabic" کا سرٹیفکیٹ دیا جائے گا۔

کنٹیکٹ کلاس: قومی اردو کونسل کے اسٹڈی سینٹر میں ہر ہفتے کم سے کم ایک کلاس عربی بول چال میں مہارت پیدا کرنے کی غرض سے ہوگی جس میں طالب علم کی حاضری لازمی ہے۔

نوٹ: اسٹڈی سینٹر کے انچارج داخلہ لینے والے طالب علموں کا مجموعی ڈرافٹ Director, NCPUL, New Delhi کے نام تمام رجسٹریشن/ داخلہ فارموں کے ساتھ قومی اردو کونسل، نئی دہلی کو بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ ارسال کریں۔ رجسٹریشن کے بعد طالب علم اپنی کتابیں اسٹڈی سینٹر سے حاصل کریں گے۔

کونسل کے عربی اسٹڈی سینٹروں کے نام اور پتے:

ANDHRA PRADESH:. Hyderabad: National Council for Promotion of Urdu Language, (South Reagion Branch) 22-7-110, 3rd Floor, Sajid Yar Jung Complex (SYJ) Block No. 1 - 5, Pathar Gatti, Hyderabad - 500002 Ph. 040 - 24415194; Society for Arabic Academy 8 - 1 - 398 / D / 1 / 19 I. A. S. Colony Toli Chowki, Hyderabad, Ph. 55756869; Hanafia Arabic InstituteH. No. 17-4-300 Mata Ki Khidki Outside Dabirpura Hyderabad - 23; Jamiat-ul-Banaath Hyderabad16-2-874/A/2, Jeevan-Yar-Jung Colony Sayeedabad, Hyderabad, Ph. 24550191, 24553534; Jamia Makarim-Ul-Akhlaq(Centre of Distance Education)Moral Edn. & Welf. SocietyQuadri Bagh, Amberpet Hyderabad-500013 Ph. 27403392, 55153938; Idara - e - Adbiyat - e - Urdu Aiwan - e - Urdu, Panjagutta Road Somaji Gudar, Hyderabad - 500082, Ph. 040 - 23310469 Fax 040 - 23374448; Samadani Computerised Calligraphy Training Centre19-1-436/A / 89, Osman Bagh, Near Kamatipura Police Station, Bahadurpura, Hyderabad, Ph. 24463426; Idara Ashraful UloomKhaja Bagh, Naar Padmavati College Syeedabad Colony, Hyderabad - 59, Ph. 040 - 24070681, 24079067; Mahad Uloomil - Hadees2 - 81, Wadi Hadees, Jal PallyHyderabad - 500005, Ph. 040 - 25501588; Mesco Arabic Language & Education Foundation Secretariat At: 22 - 1 - 1037 / 1

Mesco Diagnostic CentreDarul-Shifa, Hyderabad - 500024,Ph. 24576890, 24411907; **Kurnool:**.Arrahaman Education Society, Door No. 9 / 239, Lal Masjid Road,Dist. Kurnool - 518001; Darul Uloom Niswania, Kurnool, H. No. 32 / 180, Gadda Street, P. O. Kurnool, Pin. 518001 Ph. 240487, Cell. 9440551656; Jamia Mohammedia Ayesha Niswan Kurnool, H. No. 5 / 47, New One Town Kurnool - 518001 Ph. 08518 - 240547, Cell. 9440386782; **Secunderabad:** Jaysha Education Society (Regd), Plot - 88, Road - 3, West Marredpally, Dist. Secunderabad - 500026, Ph. 27803228; **Tirupati:**Noble Social And Educational Society 2-2-377A, K. V. Layout, Behind L. I. C. OfficeDist. Tirupati - 517501; **ASSAM:**. **Barpeta:** Assam Falah Society, C/o. HOMA, Howly, P. O. Howly, Distt. Barpeta. - 781316; **Bongaigaon:** Abhayapuri College Centre; Abhayapuri College, P. O. Abhayapuri, Distt. Bongaigaon.Pin.783384; **Darang:** Islamic Study Centre; Mangaldai College P. O. Mangaldai, Distt. Darang, Pin. 784125; **Dhubri**: Sonahat Madrassa Centre; Sonahat Sr. Madrassa P. O. Dafarpur, Distt. Dhubri - 783334; **Goalpara:** Arabic Study Centre Katarihara P.O. Katarihara Dist. Goalpara: **Guwahati:** Institute of Oriental Studies, C /o. Shamshad Ali Bhawan, House No. 153Opp to. Global Hospital Sijubari - Dargah Road, P. O. Hathigaon Chanali, Guwahati. 781038,Ph. 0361 - 2224867, 2383050(Off); **Kamroop:** Model School Centre (Under I.O.S.)Al-Ameen Islamic Model School,P. O. Tukrapara Distt. Kamroop Pin. 781137; **Karimganj:** Nabin Chandra College, P. O. Badarpur, Distt. Karimganj - 788806, Ph. 03845 - 268153; Dawarus Sunnah - Zamia MadrassaP. O. Dasgram.Distt. Karimganj; **Nagaon:** Kadomoni Centre, Kadomoni Title, Madrasa, P. O. Kadomoni, Distt. Nagaon, Pin. 782122. **Sonitpur:** Arabic Study CentreS. B. Arabic College, P. O. Chariali, Dist. Sonitpur, Pin. 784176; **BIHAR:**. **Aurangabad:** Madrasa Islamia P. O. Daud Nagar, Old Town, Dist. Aurangabad - 824113; **Darbhanga:** Darul Uloom Ahmadia Salafia, Laheria Sarai, Dist. Darbhanga, Pin. 846001 Ph. 0091 - 6272 - 240787; Darul Uloom - Ul Mashraqqia Hamidia, Quilaghat, Dist. Darbhanga - 846004; **East Champaran:** Madrasa Anjuman Islamia, Motihari, Dist. East Champaran; Madrasa Islamia Adapur, Dist. East Champaran - 845001; **Gaya:** Banat Foundation Jamiatul Banat, Khandail, Post. Cherki, Distt. Gaya, Pin. 824237 Ph. 0631 - 273455; **Jehanabad:** Kainat Foundation, Kako, Dist. Jehanabad, Pin. 804408, Ph. 06114 - 255314; **Kishanganj:** Computerised Calligraphy Training Centre, At. Anjuman Islamia Millat Girls High School, Pani Bagh, P. O. & Distt. Kishanganj, Pin. 855107 Ph. 06456 - 233160(O), 222502 (R): CRESCENT Public School, Sir Syed Nagar, Dist. Kishanganj - 855107, Ph. 06456 - 22153, 33212; **Munger:** Jamia Rahmani Khanquah, Dist. Munger - 811201 Ph.06344 - 222207; **Muzaffarpur:** Darul Uloom (Ahle Sunnat) Alimia Anwarul Uloom, Damodarpur, Dist. Muzaffarpur, Ph. 0621 - 2260124; **Patna:** Imarat - e - Sharia Educational & Welfare Trust Phulwari Sharif Patna-801505, Ph. 0612 - 2257012, 2255581; **Purnia:** madrasa Rahmania Gehwan, P. O. Ahilgawan, Via - Jalalgarh, Distt. Purnia. Pin. 854327; **Siwan:** Madrasa Islamia Yateem Khana Rizvia, Shaikh Mohalla, Distt. Siwan; **Vaishali:** Madrasa Islamia Anjuman Falahul Muslemin, Near Town Thana, Hajipur, Dist. Vaishali, Pin. 844101; **West Champaran:** Yateem Khana - Badaria - Bettiah, Distt. West Champaran, Ph. 06254 - 232472; **DELHI:**. **Delhi:** Madrsa Ibrahimia Jamiatul Quran, Masjid Khalilullah, Batla House, Jamia Nagar, Okhla-25, Mobile: 9891104786; Jamia Arabia Quddusia, N - 99, Batla House, Okhla New Delhi - 25; National Arabic School, C - 278 / 5, Near IInd High Tension, Shaheenbagh, Okhla,New Delhi - 25 Ph. 55394007; All India Talimi Wa Milli Foundation, B - 1, Raza Chowk, Opp. Street No. 18, Zakir Nagar, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi - 25, Ph. 011 - 55675966; Madarsa Talimul Quran Haji Langa, Sector - 3 R.K. Puram, New Delhi, Ph. 011 - 26178298; Madarsa Zinatul Quraan, B - 291 Welcome, Seelampur, Shahdara, Delhi - 53 Ph. 011 - 22828596, 22825578; Madrasa Kifayatul Uloom Hussainia, Gali No. 3, Near Transformer, Rajiv Gandhi Nagar, New Mustafabad, Delhi - 94Ph. 22864432; Jamia-tus-Suffa, C - 272, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, New Delhi - 25;

<u>GUJARAT</u>:. **Ahmedabad:** Shams School,Near Industrial Post Office, Rakhial, Dist. Ahmedabad - 380028, Ph. 2749955, 2746096; **Bharuch:** Darul Uloom Mazher-e-Saadat, At & P.O. - Hansot, Distt. - Bharuch, Pin. 393030, Ph. 0091-2646-62050 / 6203; Jamia Hamidia Anjuman Himayatul - Millat Panoli, Distt. Bharuch, Ph. 02646 - 74151(Off), 74123(Resi); Jamiah Uloomul Quran, At. & P.O. Jambusar - 392150, Distt. Bharuch; **Jamnagar:** Madrasa Mohammadiya. V. M. Road, Near Sadhewadi, Dist. Jamnagar, Pin. 361001, Ph. 0288 - 2558105, 2672853; **Surat:**. Majlis-e-Dawatul Haq - Surat, At.. Sadat Nagar, Behind Bus Stop, At & P.O. Unn, Via. Udhna - Surat, Dist. Surat Pin. 394210, Ph. 0261 - 751660 - 750372; **Vadodra:** Elahi Educational Trust, Madrasa -e - Faruke Azam, Pani Gate, Vadodra - 390019; <u>JHARKHAND</u>:. **Chatra:** Madrasa Rashidul Uloom, Lion Mohalla, Rahmat Nagar, Dist. Chatra, - 825401, Ph. 06541 -222261 (Off); **Jamtara:**. Darul Uloom Wahidia, Mahora, P. O. Sanbad, Dist. Jamtara, Pin. 815351, Ph. 6175283; <u>J & K:.</u> **Budgam**:Shams Memorial Islamic Educational Institute, Shamsabad, Block Khansahib Budgam, Pin. 191111 Ph. 01951 - 277269 (PP) Mob. 9419034410; Sheikhul Alam Institute of Info- Educational & Technical Charare - Sharief - 191112 Chaudra Dist. Budgam Ph. 01951 - 243308 (Off); 243309 (Resi); M. A. M. Educational Institute Bagat Kanipora Shamsabad Block Khansahib Budgam, Pin. 191111 Shams Memorial Islamic Educational Institute, Shamsabad, Block Khansahib Budgam, **Kupwara:**. HI FI Computer Technology InstituteCollege Road Kupwara - 193222, Ph. 01955 - 252833 (Off), 246246 (Resi); **Poonch:**. Darul Uloom Jamia Mahmoodia Qasim Nagar, Mendor, Dist. Poonch - 185211, Ph. 01965 - 226171, Madrasa Talimul Qur'an, Hazrat Ubai Ibni Ka'ab At & P.O. Chhungan (B) Teh: Mendhar, Dist. Poonch Pin. 185211; **Srinagar:**. Fast Track Solution 3-Khidmat Complex The Bund Regal Complex Srinagar-190001, Ph. 0194 - 2482721; International Computer InstituteBapari Angan, Bohri, Kadal, Srinagar - 190002, Ph. 0194 - 2481550; Jamia Uloomil Islamia, Noor Bagh,Srinagar, Pin. 190001; Madrasa Jamia Islmia Noorul Huda (Nabani) Chhungan, Teh: Mendhar, Dist. Poonch, Pin. 185211, <u>KARNATAKA</u>:. **Bangalore:** Al - Jamiathun Nooria Belwadhalli, Madiwala, Bangalore - 560068; **Bellary:** Mohammadia English Medium High School, Near. Ist Railway Gate, Cowl Bazar, Bellary - 583102, Ph. 243203, 240980; **Bider:** Allama Iqbal Educational Society, Bider, H. No. 4-1-68, Noorkhan Taleem, Dist.Bider, Ph. 230900, Mob. 08482311560; **Bijapur:** Rahmaniya Arabic Cente, Madina Masjid, Luhar Galli - INDI, Dist. Bijapur - 586209; **Chitradurga:** Jamiya Sultania, Hidayathpur, Dist. Chitradurga, Pin. 577501, Ph. 242313; **Gulbarga:**Haleema Educational & Charitable Trust (Regd), S.F.S 13, Mig IInd, K. H. B. Colony, Vakkalgera, Near Bilalabad, Dist. Gulbarga - 585104 Ph. 425299; Al - Hasanath Education & Welfare Society, Rangampet - 585220 Tq. Shorapur, Distt. Gulbarga, Ph. 08443 - 256823; **Kanyana:** Himayathul Islam Madrassa, Karopady, P. O. Karopady, Bantwal Taluk, (Via) Kanyana D.K., Karnataka, Pin. 574280; **Mysore:** Anjuman - e - Ithahad - e - Islam, Mysore 2880, Sawday Road, Mandi Mohalla, Mysore - 570021(Karnataka), Mob. 9880436846; <u>KERALA:</u> **Aluva:** Madrasa Noorul Irfan Arabic College, Jalalabad, Kunnatheri, P. O. Thaikkattukara, Aluva - 673606, Ph. 0484 - 627825; **Calicut:** Kerala Urdu Prachara Samithi, Mukkam Orphange Road, Post. Mukkam, Calicut - Dist. - 673602, Ph. 0495 - 2297051(Off), 2298437 (Resi), Mob. 9447118437; Rahmania Arabic College Kadameri, Post. Kadameri, Via. Villiapally, Calicut - Dist - 673542; Jouharul Huda Arabic College, Panniyankara, Panniyankara, Post - Kallai, Calicut Dist. - 673003; Oriental Urdu College Chennamangallur, Post. Chennamangallur, Mukkam Calicut Dist - 673602; Kuttiadi Muslim Orphanage, Post - Kuttiadi, Calicut - Dist - 673508; Al - Ihsan Arabic College, High School Road, Koduvally, Calicut, 673572; **Kasaragod:** Jamia Sa-Adiya Arabiya, Sa-adabad, Deli, P.O - Kalanad, Dist. Kasaragod - 671317; Al Mujammaul Islami, Trikaripur, P. O. Trikaripur, Kasargod (Dt.), Pin. 671310, Ph. 04997 - 210705, 210692, 212788; **Kollam:** Jaleeliya Arabic College, Koottikkada, P. O.,Kollam - 691020; Subulu Ssunnah Sahithya Samajam, Jama Masjid, Thattamala, P. O., Dist. Kollam

Pin. 691020; **Kozhikod:** Markazu Ssaquafathi Ssunniya Karanthur. Dist. Kozhikode; Sirajul Huda Educational Complex, P.B. No. 04 P. O. Kuttiadi - 673508 Kozhikode; Madeenathul Nnoor, College of Islamic Studies, Markaz Garden - Poonoor, P. O. Unnickulam, Kozhikode, Distt. Pin. 673574; Maunathul Islam Arabic College, P.O. Ponani South, Distt. Malappuram-679586; **Malappuram:** Rasheedia Arabic Colleg Edavannappara Post. Cheruvayoor Malappuram - Dist - 673645; Kavannur Charitable Trust C/o. Popular Store Post. Kavannur, Malappuram - Dist -673644; Kamsic Arabic College Kalampadi,Post. Malappuram Malappuram - Dist - 676505; Anvarul Islam Arabic College Thirrurkkad, Post. Thirurkkad, Malappuram - Dist- 679351; Madina Ssaquafathil Islamiyya, Swalath Nagar, Melmuri, P. O. Malappuram, Pin. 676514 Ph. 0483 - 2738343 2731145, 2737076; Majmau Dha - A Vathil Islamiyya Aerocode (Regd).Dist. Malappuram, Pin. 673639, Ph. 0483 - 2850058; Jamia Hasaniyya Kallekkad, P. O. Kodunthirapulli, Palakkad - 678004; Darul Huda Islamic Academy Chemmad, Hidayath Nagar, Chemmad Post. Thirurangadi, Malappuram - Dist - 676306; Izzathul Islam Complex Izzath Nagar, Kuzhimanna P. O, Malappuram Dt. Pin 673641; Nibras Secondary School Moonniyur Thangal's Road A.C.Bazar Moonniyur -67631, Malappuram Dt. **Manjeri**:Jamia Hikamiyya Muhammadabad Pappinippara (PO), Manjeri - 676122 (Kerala); **Manjeshwar:** Malharu Nooril Islami Tha- AleemiAl - Bukhari Compound Hosangadi, Manjeshwar - 671323; **MADHYA PRADESH:**. **Bhopal:**Maulana Barkatullah Bhopali Educational & Social service Society‹12, Moti Market, Sultania Road, Bhopal, Pin. 462001; Kranti Kala Sangam, H.No. 1, Near Kilole Park, Opp. Petrol Pump, 4 Bunglow Road, Bhopal, Ph. 0755 - 2738738; **Neemuch:** Shikshodaya M. School Neemuch,13/68, Moolchand Marg, Dist. Neemuch - 458441, Ph. 07423 - 20427; **Sehore:** SAIF Education Society1, Mirza Market, Ashta, Distt. Sehore, Ph. 07560 - 243288 (O), 245544 (School), Mob. 09893064787; **MAHARASHTRA: Akola:**Jamia Talimul Banat (Human Development Education & Welfare Society) Akbar Plots, Akot File Dist. Akola - 444003, Ph. 0224 - 2427012; **Aurangabad:**. Darul Qiraat Kaleemiyah Kakan Wadi, Kali Masjid Station Road, Dist. Aurangabad Pin - 431005; **Beed:**Salam Educational & Other Welfare Society, Anwary House, Azizpura, Dist. Beed - 431122, Mob. 09822284303; Zakir Hussain Technical School, P.O.Box. 41294 - Bashir Gung, Rajuri Ves - BEED - 431122; **Mumbai:** Jamea Rahmania Tahfizul Quran Salafi Gali 3, Gandhi Nagar Char Kop, Kandivli (West) Mumbai - 400067, Ph. 022 - 28056158, 28082004; Jamia Islamia Ishaatul Uloom, A / P. Akkalkuwa - 425415, Distt. Nandurbar, Ph. 02567 - 252256; **Nashik:** Youth Education & Welfare Society (YEWS) National High School For Boys & Junior College, Maulana Azad Road, Sarda Circle, Nashik - 422001 Ph. 2594973; **Pune:** The Deccan Muslim Institute, K. B. Hidayatullah Road, 2390 - B, New Modikhana, Dist. Pune, Pin. 411001; **Thane:** Madrasa - e - Miftahul Uloom,122, Bhusar Mohalla Hindustani Masjid Bhiwandi - 421302, Distt. Thane, 230339; **ORISSA: Cuttack:** Maulana Abul Kalam Azad Multi - Purpose College Sayeed Saminary Complex, Nimo Sahi Cuttack - 75300, Ph. 2418387; **PUNJAB:**. **Sangrur:**Century Public School, Malerkotla - 148023, Dist. Sangrur, Ph. 01675 -263804; **RAJASTHAN:**. **Jaipur:**Madrasa-e-Gabriel,144, Deepak Mark Near Bachha Park, Adarsh Nagar, Dist. Jaipur, Pin. 302004, Ph. 0141-2616183, 2078006, 2632864; Jamea Tul Hidaya, 1617, Khejre Ka Rasta, Near Indira Bazar, Post Box No.2, Dist. Jaipur - 302001, Ph. 0141 - 2632458; 2632483; **Jhunjhunu:** Qaimkhani Girls College, Vill. & P. O. NUA, Pin. 333041, Dist. Jhunjhunu; **Kota:** Darul Uloom Raza-e-Mustafa, Vigyan Nagar, Dist. Kota, Pin. 324005, Ph. 2425618, 2433786; **Nagaur:** Darul Uloom Faizane Ashraf, Vill & P.O. Basni, Dist. Nagaur, Pin. 341021; **Tonk:** Maulana Abul Kalam Azad Arabic Persian Research Institute, Dist. Tonk; **TAMILNADU:**.**Tiruchirapalli:** Computersed Calligraphy Training Centre, Jamal Mohammad College,Tiruchirappalli - 620020; Ph. 0431 - 2331235, 2331675 Extn. 234; **U.P:**. **Agra:** Sir Sayed Public School, Kabir Kunj (Behind Prabhu Talkies) Roadways's Colony, Loha MandiAgra - 282002 Ph. 311842;

Malka Begum Public School, H. No.58/278-A, Nagla Mehrab Khan,Sarai Khoaja - Agra, Pin. 28200, Ph. 0562 - 2303215. (Mob) 9358502285;**Aligarh:** Muslim Social Uplift Society, Sultan Jahan Manzil Shamshad Market, Dist.Aligarh. **Allahabad:**Madarsa Arabia Islamia Wasiatul Uloom, 23/25, Bakhshi Bazar, Dist. Allahabad, Pin. 211003, Ph. 0532 - 2656183, 2551976; Madrasa Subhania 95, Maulana Kafi Road,Garhi Sarai, Allahabad - 211003, **Ambedkar Nagar:** Makhdoom Ashraf Educational, Social & Welfare Society, Bashkhari Sharif, Ambedkar Nagar, Ph. 05274- 276069. 9415089643, Madarsa Ahle-Sunnat Ziyaul- Uloom, Iltifatganj, Dist. Ambedkar Nagar, Pin. 224145, Ph 05273 - 284527; Jamia Sufia, Vill. Dargah Rasoolpur,Post. Kichhauchha Sharif, Distt. Ambedkar Nagar, Pin. 224155, Ph. 05274 - 276328, 277194;**Azamgarh:** Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Asharfia Misbahul Uloom Mubarakpur, Azamgarh, Pin: 276404, Ph. 05462 - 250092, 250148, 250149; JamiatulFalah, P. O. Bilariya Ganj, Distt. Azamgarh, Pin - 27612; **Bahraich:**Muslim Kinder Garten School, Shakhayya Pura Dist.Bahraich; **Barabanki:** Rabta Sewa Sansthan, Peerbatawan (Phulwari),Barabanki-225001, Ph. 05248 - 22294, Mob.9415774724, 933638528; Iqra Oriental School(Iqra Global Educational Society), Head Office. P/539, Peerbatawan, Near Eidgaah, Barabanki - 225001, **Bareilly:**Rohilkhand Gram Vikas Utthan Samiti, 773, Shahabad Dist. Bareilly, Ph. 0581 - 2541125; **Basti:**Haji Mohd. Raza Memorial Children School, Vill. Raunahia, P.O.Raunahi Kalan, Distt. Basti; Darul Uloom Alimia, Jamda Shahi,Dist. Basti, Pin. 272002, Ph. 05542 - 278653; **Bhadohi:**Darul Uloom Habibia Rizvia, Gopi Ganj, Bhadohi; **Bijnor:**Jamia Arabia Qasimul - Uloom, Mohalla - Shekhan Nehtaur, Distt. Bijnor, Pin. 246733; Bijnor Muslim Fund, Bijnor, Qazipara Street, Bijnor. Pin. 246701, Ph 01342 -262767; **Bulandshahr:**Excellent Educational & Social Society, Near Azad Welding Works, Raje Babu Road, Dist. Bulandshahr - 203001, Ph. 0091-5732-27570, Fax. 009 -5732 - 52445; **Faizabad:** Darul Uloom Baharshah,505, Kandhari Bazar, Dist.Faizabad, Pin. 224001, Ph. 05278 - 25093,

Faiz - e - Aam Muslim School, Sheikhpur Jafar, P.O. Raunahi,Distt. Faizabad, Pin. 224182, Ph. 05278 - 255314; Darsgah - e - Islami Higher Secondary School, Haidergunj Street, ghalpura, Faizabad - 22400; **Farrukhabad:** Milli Darsgah Aligarh Convent School Kathak Pura, Izzat Khan, Dist. Farrukhabad, Pin.209625, Ph. 05629 -222449; **Ghaziabad:**Jamia Arabia Aizazul-ul-Uloom, P.O. WAIT, Distt. Ghaziabad, Pin 245207; **Gorakhpur:** ICC Computer Education, Islamia College of Commerce, Buxipur, Gorakhpur - 273001, Ph. 0551 - 2330786; **Hapur:** Al-Ameen Institute of Information Technology, Dr. Khan's Clinic, IInd Floor, Main Bulandhshahar Road, Dist. Hapur, Pin. 24510, Ph. 012 -2308027, 3091307; **Hardoi:** Sandila Girls Inter College, At. Sandila, Distt. Hardoi, Pin. 241204, Ph. 05854 - 270978 (Resi). Mob 9415016479; **Jhansi:**Seerat Educational Society, 209, Near I. T. I. Opp. Railways Crossing Naya - Gaun Lahar - Gird Jhansi, Ph. 0517 -2362771; **J. P. Nagar:** Jamia Islamia Ma-Aariful Qur'an, Dawoodia Qasba. Ojhari -244242, Distt. J. P. Nagar Amroha, Ph. 05923 -240174, 240154; **Kanpur:**Madrasa Arabia Isha-atul Uloom, 81 / 136, Coolie Bazar, Dist.Kanpur,Pin. 208001 Ph. 0512 - 2357377; Jamea-Tut-Taiyebat, 89/ 345 A(I), Dalel Purwa, Kanpur; **Lucknow:** Maktab-e Heera, Near Nadwatul Uloom, Tangore Marg, Lucknow; Darul Uloom Warsia, Vishal Khand -4, Gomti Nagar, Lucknow, Ph. 0522 -2392609; Jamia Shabab - il - Islam, 504 / 3 -B, Braulia, Tagore Marg, Lucknow, Pin -226020, Ph. 0522 -2740553; Al-Firdaus Rahmani School Rahmat Nagar, Ring Road, (DUBAGGA) P. O. Kakori, Lucknow, Ph. 2246175; Eram Education Society, C - Block Indira Nagar, Lucknow, Ph. 2310712, 2343283, Academy of Mass Communication, 21, Bilehra House, R. K. Tandon Road, Near Kotwali Qaiserbagh, Lucknow - 226001; **Mau:**Darul Uloom RahimiahRaghauli, Ghosi, Distt. Mau Ph. 05474 - 229264; Nisar Higher Secondary Education, Hunsapura, Imlibagh, Kopagunj, Dist. Mau Pin. 275305, Ph. 0547 - 2506744 (O), 2506727 (R);Madarsa Arabia Faizul Uloom, P.O. Mohammadabad, Gohna, Distt. Mau, Pin. 276403; Momin Ansar

Girls Inter College, Vill. Atrari, P.O. Khairabad, Dist. Mau -276403; **Meerut:** *MAM* Institute of Information Technology, (Gulzar - e Hussainia Educational Society) Ajrara, Distt. Meerut, Ph. 95 -121 - 288023; Mansabiah Arabic College, Railway Road, Meerut, Dist. Meerut; **Moradabad:** samaj Sewa Samiti,Gulshaheed Old Ice Factory, Dist. Moradabad, Ph. 0591 - 2494126 / 9897712231; Jannat Nishan Computer Training College, Peerghaib Khokran, Dist. Moradebad, Pin. 244001, Ph. 0591 -2315287; Jamia Ahsanul Banat Near Gokul Das College, Taweia Street, Dist. Moradabad, Pin. 244001, Ph. 0591 - 2470099; Muslim Educational Society, Shahbad Road, Bilari (Moradabad), Pin. 20241; Ali Miya Nadwi Educational Welfare Society, Pandit Nagla, P.O. Menathair, Dist. Moradabad ;Peetal Basti Dastkar Association (Regd.),Mughal Pura Ist,Haji Altaf Mansoori Marg, Moradabad - 244001, Ph. 0591 - 3106559; **Noida:** M.E.T. Public School, B- 86, Jam-e-Masjid,Sector -8 NOIDA, Ph. 95120 - 2424238, 32005437; **Pratapgarh:** Indian Educational Society, Sadar Bazar, Dist. Pratapgarh, Ph. 222309; **Raibareilly:** Siddiq - e - Akbar Educational & Welfare Foundation, 457, Ali Nagar, Dist.Rai Bareilly, Pin. 229001,Ph. 0535 - 2212941; Computer Point Ali Mian Market. Dist. Rai Bareilly; **Rampur:**Jawaharlal Seva Sadan Samiti Mauja Bajraya Kadu, Dist. Rampur -244901; Madrasa Jame-ul-Uloom Furquania, Mestongunj, Dist. Rampur -244901,Ph. 0595 - 2325941; **Saharanpur:** Qasmi Educational SocietyDeoband 68 - Dare Jadeed, Deoband, Distt. Saharanpur,Pin. 247554; **Shahjahanpur:**Shaheed Ashfaqullah KhanInfotech Center Ahmadpur chungi, Dist. Shahjahanpur, Ph. 05842 - 236047, M. 311625; **Siddhartha Nagar:**Safa Shariat College, Wadi-e-Safa, Dumarlya Ganj, Dist. Siddhartha Nagar, Pin. 272189; Darul Uloom Makhdumiyan Arabia, Vill. & P.O. - Wasa Dargah, Distt. - Siddharthnagar, Pin - 272105, Ph. 05541 -254795; Jamia Misbahul Uloom, Chaukonia, Bharat Bhari, Dist. Siddharth Nagar, Pin. 272191, Ph. 05541 -254602, 254620; Tauheed Educational & Welfare SocietyTulsiyapur, (Chawraha), P. O. Aundahi Kalan, Distt. Siddharthnagar, Pin. 272201; **Sultanpur:**Jamitaul Huda Islamia (C/o - Huda Educational Society) Jamo Road, Jagdishpur - 227809, Distt. Sultanpur, Ph. 05361 -265016, **Varanasi:** Al - Jamiatul Farooqia Information Technology Centre, B - 18 / 205, Reori Talab, Dist. Varanasi - 221001, Ph. 0542 - 2392786, 2393325; UTTRANCHAL:. **Nainital:** Lingua Franca School of Languages, Near Lohani, Aata Chakki, Talli Bomori, Dist. Nainital, Ph. 9412037367, 282936; **Roorkee:**Cambridge Academy Roorkee, Imli Road, Roorkee, 247667, Ph. 01332 - 267385, Mob. 9837891406

تفصیل کے لیے رابطہ قائم کریں :

National Council for Promotion of Urdu Language

Distance Education Cell

West Block-8, Wing No. 7, R. K. Puram, New Delhi - 110066

Ph: 26109746, 26169416, Fax: 26108159, E-mail: urducoun@ndf.vsnl.net.in

عبدالودود انصاری

معذور انسان اور کامیاب شخصیت

اللہ تعالٰی نے انسان کو نہایت ہی خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔ اس کے جسم کا ہر عضو اس کی خوب صورتی اور حسن میں اضافہ کرتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ کسی مصلحت کی بنا پر انسان کو پیدائشی طور پر یا پیدائش کے بعد کسی عضو کی خاصیت سے محروم کر دیتا ہے تو دنیا اسے معذور کا نام دے دیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ معذور وہ ہے جو اپنے آپ کو معذور اور مجبور سمجھتا ہے اور یہ سوچتا ہے کہ ہم سے کچھ نہیں ہو سکتا، ورنہ دنیا میں بے شمار مثالیں ایسی ہیں کہ معذور انسانوں نے اپنی معذوری کا دلیرانہ مقابلہ کیا، حالات سے نبرد آزما ہوئے اور اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اپنے وقت کی نہایت ہی کامیاب اور مثالی شخصیت بن کر ابھرے اور دنیا ان کی تعظیم و تکریم کرنے پر مجبور ہوئی۔ رشک آتا ہے اور حیرت ہوتی ہے ایسے لوگوں کے بڑے بڑے کارناموں پر جن کی توقع بھی ان سے نہیں کی جا سکتی تھی مگر ان لوگوں نے کر دکھائے۔ ایسے ہی چند معذور شخصیتوں سے اس مضمون میں متعارف کرایا گیا ہے۔

(1) ڈاکٹر طٰہٰ حسین: آپ کی پیدائش 14 نومبر 1889 کو مصر میں ہوئی۔ دو سال کی عمر میں شدید بیمار ہوئے اور بیماری کے سبب آپ کی بصارت جاتی رہی۔ آپ نے قاہرہ اور پیرس یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔ قاہرہ یونیورسٹی میں عربی ادب کے پروفیسر منتخب ہوئے۔ کم و بیش 20 سال تک درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ نے ناول، تنقید اور سماجی و سیاسی عنوانات پر کم و بیش 40 کتابیں تصنیف کیں۔ آپ کی خودنوشت سوانح عمری ''الایام'' بیرونی ممالک میں بے حد مقبول ہوئی۔ آپ اپنی قابلیت اور صلاحیت کی بنا پر 1950 میں مصر کے وزیر تعلیم بھی مقرر ہوئے۔ آپ نے 28 اکتوبر 1973 کو وفات پائی۔

(2) ہیلسن آدمس کیلر (Helcen Adams Keller): آپ کی پیدائش 27 جون 1880 کو امریکہ میں ہوئی۔ آپ بہت بڑی مصنفہ اور ماہر تعلیم گزری ہیں۔ آپ اندھی، بہری اور گونگی تھیں۔ آپ نے بریل (Braill) نظام کے تحت تعلیم حاصل کی۔ آپ کی ایک کتاب Mylife (1902) کو کافی شہرت ملی۔ آپ کی زندگی پر ڈرامے بھی اسٹیج کیے گئے اور فلم بھی بنائی گئی۔ ہیلسن یکم جون 1968 کو دنیا سے رخصت ہوئیں۔

(3) لدونگ بیتھوین (Ludwing Beethoven): آپ نے 17 دسمبر 1770 کو ایک نغمہ نگار خاندان میں آنکھیں کھولیں۔ آپ 25 سال کی عمر میں یعنی 1795 کے قریب اپنی قوت سماعت کھونے لگے اور 1819 میں آپ پوری طرح سے بہرے ہوگئے۔ اس کے باوجود آپ کا شمار دنیا کے نامور اور لاثانی نغمہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ آپ بہت سارے راگوں کے موجد تھے اس لیے آپ کو نغمہ کی دنیا میں نئی راہ نکالنے والا (Innovator) کہا جاتا ہے۔ آپ کی وفات 26 مارچ 1827 کو ہوئی۔

(4) فریڈرک ڈیلیس (Fredrick Delius) یا تھیوڈر البرٹ (Theodore Albert): آپ کی پیدائش 29 جنوری 1862 کو انگلینڈ میں ہوئی۔ آپ ایک جرمن خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد آپ پر فالج کا حملہ ہوا اور مفلوج ہوگئے۔ آنکھوں کی بینائی بھی ختم ہوگئی۔ ستم بالائے ستم آتشک (syphilis) جیسے موذی مرض کا بھی شکار ہوگئے۔ آپ کا شمار بھی بڑے نغمہ نگاروں میں ہوتا ہے آپ کی تاریخ وفات 10 جون 1934 ہے۔

(5) جان ملٹن (John Milton): آپ کی پیدائش 9 دسمبر 1608 کو لندن میں ہوئی۔ آپ نے کیمبرج یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔ آپ انگریزی زبان کے نہایت ہی مشہور و معروف شاعر گزرے ہیں۔ آپ نے لاطینی (Latin) اور اطالوی (Italian) زبانوں میں بھی شاعری کی۔ آپ 1651 میں بینائی سے محروم ہوگئے۔ 1652 میں شریک حیات بھی داغ مفارقت دے گئیں۔ اپنی معذوری اور اہلیہ کی موت کے غم کے باوجود انھوں نے اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ انگریزی شاعری کی دنیا میں ولیم شیکسپیئر کے بعد دوسرا مقام آپ کو ہی حاصل ہے۔ آپ نے اپنی تحریروں کے ذریعے پریس کی آزادی کی کھل کر حمایت کی۔ ویسے تو آپ کی بے شمار نظمیں شائع ہوئیں مگر ایک رزمیہ نظم فردوس گم گشتہ (1667) (Pradise Lost) بے حد مقبول

● اس مضمون میں ان عظیم شخصیتوں او رمفکرین کا تعارف پیش کیا گیا ہے، جن میں سے کچھ تو پیدائشی معذور تھے اور کچھ پیدائش کے بعد کسی مہلک بیماری یا حادثے کے سبب معذور ہوگئے۔ لیکن انھوں نے علم و فن اور ادب اور سیاست کی دنیا میں کارہائے نمایاں انجام دیے جو ہمیں روشن مستقبل کے لیے ہمت و حوصلہ سے کام لینے کی ترغیب دیتے ہیں۔

ہوئی۔ آپ نے 8 نومبر 1674 کو وفات پائی۔

(6) تھامس الوا ایڈیسن (Thomas Alva Edition): آپ کی پیدائش 11 فروری 1847 کو امریکہ میں ہوئی۔ آپ نے رسمی تعلیم بہت کم پائی۔ 10 سال کی قلیل عمر میں اپنے گھر ہی میں سائنسی تجربہ گاہ قائم کی۔ 12 سال کی عمر میں ٹرین میں اخبار، نانی اور مٹھائی فروخت کر کے زندگی کی کفالت کی۔ آپ اوائل عمر میں ہی جزوی بہرے پن کا شکار ہوگئے۔ 37 سال کی عمر میں پہلی شریک حیات کی وفات ہوگئی۔ آپ نے بے شمار چیزیں ایجاد کیں۔ کہا جاتا ہے کہ 1093 ایسی ایجادات ہیں جن میں بلاواسطہ یا بالواسطہ آپ کی خدمات شامل رہیں۔ آپ کی ایجادوں میں بلب کی ایجاد سب سے افضل درجہ رکھتی ہے۔ آپ 80 سال کی عمر میں بھی نہایت ہی چاق و چوبند اور تروتازہ رہ کر نئی ایجادات کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ آپ 18 اکتوبر 1937 کو دنیا سے چل بسے۔

(7) فرینکلن ڈیلانوروز ولٹ (Franklin Delano Roosevelt): آپ کی پیدائش 30 جنوری 1882 کو امریکہ میں ہوئی۔ آپ امریکہ کے 32 ویں صدر تھے۔ شروع سے ہی سیاست سے گہری دلچسپی تھی۔ 1922 میں ان پر پولیو کا حملہ ہوا اور چلنے پھرنے سے معذور ہوگئے اس کے باوجود اپنا سیاسی سفر جاری رکھا۔ ایک مرتبہ بے روزگاری کے موضوع پر منعقدہ سیمینار کے موقع پر انھوں نے کہا تھا:

:The only thing we have to fear is fear itself"

(ہم لوگوں کو صرف اپنے اندر پیدا ہونے والے ڈر سے ہی ڈر ہے۔)

پہلی صدارت کے بعد 1936، 1940 اور 1944 میں صدر کے لیے انتخاب میں شامل ہوئے اور ہر مرتبہ اپنے مدِ مقابل کو شکست دی۔ اس طرح انھوں نے دوسری، تیسری اور چوتھی بار امریکہ کی صدارت کی کرسی پر بیٹھ کر دنیا کو دکھا دیا کہ کسی انسان کی معذوری اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں، صرف عمل پیہم اور جدوجہد جاری رکھنی شرط ہے۔ آپ نے 12 اپریل 1945 میں وفات پائی۔

(8) اسٹیفن ولیم ہاکنس (Stephen William Hawkings): آپ کی پیدائش 8 جنوری 1942 کو انگلینڈ میں ہوئی۔ آپ اصولی طبعیات (Theoritical Physcis) کے ماہر ہیں۔ آپ نے آکسفورڈ یونیورسٹی اور کیمبرج یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔ آپ نے نظریۂ اضافیت (Theory of relativity) اور بلیک ہول (Black hole) وغیرہ موضوعات پر گراں قدر اضافے کیے۔ آپ مکمل مفلوج ہیں۔ وھیل چیئر پر رہتے ہیں۔ آپ کے دو چار منٹ کے لکچر کا معاوضہ لاکھوں روپے ہوتا ہے۔ آپ کی کتاب A Brief History of Time (1988) کافی مشہور ہے۔

(9) فرانسسکو لانڈینی (لانڈینو) Francesco Landini (Landino): آپ کی پیدائش 1335 میں اٹلی میں ہوئی۔ آپ بہت بڑے نغمہ نگار (Composer)، شاعر اور ارگنی نواز (Organist) گزرے ہیں۔ بچپن میں چیچک کے مرض میں مبتلا ہوئے اور آپ کی بصارت چلی گئی۔ اس کے باوجود آپ نے موسیقی اور آرگن (Organ) کی تعلیم حاصل کی اور ان دونوں فنون میں کمال حاصل کرلیا۔ آپ کی وفات 2 ستمبر 1397 کو ہوئی۔

(10) جارج ڈموریر (George du Maurier) لوئس پامیلا بسن (Louis Palmella Bussan): آپ کی پیدائش 6 مارچ 1834 کو پیرس میں ہوئی۔ آپ بہت بڑے ناول نگار اور ہزلیہ مصور (Caricaturist) تھے۔ جب ایک آنکھ کی بینائی چلی گئی تو آپ تصویر بنانا چھوڑ کر نقشہ نویسی (Draftmanship) کے فن سے منسلک ہوگئے۔ آپ نے کئی ناول لکھے۔ آپ کے ناول Tribty (1864) کو کافی شہرت ملی۔ آپ کا انتقال 1896 کو لندن میں ہوا۔

(11) فریڈا کاہلو (Farida Kahlo): آپ کی پیدائش 6 جولائی 1907 کو میکسیکو میں ہوئی۔ آپ بہت بڑی مصور (Painter) تھیں۔ بچپن میں ہی پولیو کا شکار ہوگئیں۔ 18 سال کی عمر میں بس حادثے میں ایسی بری طرح زخمی ہوئیں کہ تیرہ آپریشن کیے گئے۔ اس کے باوجود مصوری کا شوق ختم نہیں ہوا۔ آپ کسی بھی تصویر کو اتارنے (Self Portaits) میں بڑی ماہر تھیں۔ آپ 13 جولائی 1954 کو وفات پا گئیں۔

(12) اڈولف ہٹلر (Adolf Hitler): ہٹلر کی پیدائش 20 اپریل 1899 کو آسٹریا میں ہوئی۔ آپ جرمنی کے فرماں روا (Dictator) تھے۔ پہلی جنگ عظیم میں بطور سپاہی شریک ہوئے۔ جنگ میں بری طرح زخمی ہوئے اور دشمن کے ذریعے پھینکے گئے گیس سے آپ کا جسم کافی متاثر ہوگیا۔ اس کے باوجود اپنے عزائم کو بلند رکھا اور سیاسی سفر کی رفتار میں کمی نہیں آنے دی۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آپ جرمنی کے چانسلر کے عہدے کے لیے مدعو کیے گئے۔ آپ کی تاریخ وفات 30 اپریل 1945 ہے۔

(13) ولیم ارنیسٹ ہنلی (William Ernest Henley): آپ کی پیدائش 23 اگست 1849 کو انگلینڈ میں ہوئی۔ آپ بہت بڑے شاعر، نقاد

اور صحافی تھے۔ آپ تپ دق کے مرض (.T.B) میں مبتلا ہوئے۔ مرض کا حملہ اس قدر شدید تھا کہ آپ کی ایک ٹانگ کاٹ دی گئی اور دوسری ٹانگ آپریشن کرکے کسی طرح بچائی گئی اس کے باوجود لکھنا پڑھنا نہیں چھوڑا۔ آپ نے کئی کتابیں لکھیں۔ ان میں سے ایک مشہور نظم کی کتاب Invictus (1875) ہے۔ آپ کئی رسالوں اور اخباروں کے مدیر بھی رہے جن میں ایک ہفتہ وار اخبار Scot Observer بعد میں اس کا نام National Observer پڑا کافی مشہور ہے۔ 11 جولائی 1903 کو آپ کا انتقال ہوا۔

(14) میری بیکر ایڈی (Mary Baker Eddy) یا میری مورس بیکر (Mary Moorse Baker): آپ کی پیدائش 16 جولائی 1821 کو امریکہ میں ہوئی۔ آپ ایک مذہبی خاتون تھیں اور بڑی فعال شخصیت کی حامل تھیں۔ آپ کو مسیحی سائنس (Christian Science) کا خالق کہا جاتا ہے۔ زندگی کا بیشتر حصہ شدید بیماری میں گزرا اور صحت بری طرح متاثر ہوگئی۔ آپ نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ آپ کی ایک مشہور کتاب کا نام Science and Health with Key to Scripture (1875) ہے جسے کافی شہرت ملی۔ آپ 3 دسمبر 1910 کو اس دنیا سے کوچ کر گئیں۔

(15) ارنیسٹ ملر ہمنگو ے (Ernest Miller Hemingway): آپ کی تاریخ پیدائش 21 جولائی 1899 ہے۔ آپ امریکہ کے نامور مصنف تھے۔ ہائی اسکول کی تعلیم کے فوراً بعد صحافت شروع کردی۔ پہلی جنگ عظیم میں بری طرح زخمی ہونے کے باوجود پڑھنے لکھنے سے منہ نہیں موڑا۔ آپ نے کئی کتابیں لکھیں۔ ایک مشہور کتاب کا نام Our Times (1925) ہے۔ آپ کا انتقال 2 جولائی 1961 کو ہوا۔

(16) ولیم پریسکوٹ (William Prescott): آپ 4 مئی 1796 کو امریکہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے بہت بڑے مورخ گزرے ہیں۔ آپ کی صحت ہمیشہ خراب رہتی تھی۔ آنکھوں میں بینائی بھی برائے نام تھی۔ آپ نے تاریخ کے موضوع پر کئی کتابیں لکھیں جن میں دو کتابیں History of the Conquest of Mexico (1843) اور History of the conquest of Peru (1847) کافی مقبول ہوئیں۔ آپ نے 28 جنوری 1859 کو داعی اجل کو لبیک کہا۔

(17) الکزنڈر پوپ (Alexander Pope): آپ کی پیدائش 21 مئی 1688 کو انگلینڈ میں ہوئی۔ آپ بہت بڑے شاعر اور طنز نگار گزرے ہیں۔ آپ نے اسکول سے بہت کم تعلیم حاصل کی۔ آپ نے کتابوں کا مطالعہ کرکے اپنے علم میں اضافہ کیا۔ آپ کی ریڑھ کی ہڈی عیب دار تھی جس کی وجہ سے جسم کی اچھی طرح نشو ونما نہیں ہو پائی اور بہت سارے کام کرنے سے معذور ہوگئے۔ آپ کی ایک کتاب An Essay on Criticism (1711) بہت مشہور ہوئی۔ آپ 30 مئی 1744 کو اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔

(18) جاگن روڈریگو (Joaguin Rodrigo): آپ 22 نومبر 1901 کو اسپین میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک مشہور نغمہ نگار (Composer) تھے۔ تین سال کی عمر میں نابینا ہوگئے۔ آپ نے بچپن ہی سے موسیقی سیکھنی شروع کردی۔ گٹار (Guitar) بجانے میں بڑے ماہر تھے۔ آپ کی وفات 6 جولائی 1999 کو ہوئی۔

(19) ولما روڈولف (Wilma Rudolph): آپ 23 جون 1940 کو امریکہ میں پیدا ہوئیں۔ آپ ایک سرپٹ دوڑنے والی (Sprinter) خاتون تھیں۔ بچپن میں ایک بیماری کے سبب پیر بری طرح متاثر ہوگیا۔ ڈاکٹروں نے ان کے پیر کے لیے Orthopaedic Shoe بنایا جن کو 11 سال تک پہنتی رہیں۔ اس کے باوجود اپنا کھیل جاری رکھا۔ آپ باسکٹ بال کی بھی اچھی کھلاڑی تھیں۔ آپ امریکہ کی پہلی خاتون ہیں جنھوں نے ایک ہی اولمپک میں ہونے والے Track and Field کے کھیل میں تین طلائی تمغے حاصل کیے۔ آپ کی وفات 12 نومبر 1994 کو ہوئی۔

(20) رابرٹ لوئس اسٹیونسن (بال فور) (Robert Louis (Balfour) Stevenson): آپ کی پیدائش 13 نومبر 1850 کو اسکاٹ لینڈ میں ہوئی۔ آپ بہت بڑے مضمون نگار، ناول نویس اور شاعر گزرے ہیں۔ آپ تپ دق (ٹی. بی.) جیسے مہلک مرض کے شکار تھے۔ اکثر آب و ہوا تبدیل کرتے رہتے تھے اور ساتھ لکھنے پڑھنے کی رفتار بھی تیز رکھتے تھے۔ آپ نے کئی ناول لکھے۔ ایک مشہور ناول کا نام Treasure Island (1883) ہے۔ آپ کی تاریخ وفات 3 دسمبر 1894 ہے۔

(21) ہنری (میری ریمنڈ) (Henri-(Marie-Raymond) یا ٹالوز لوٹرک (Toulouse-Lautrec (Monfa): آپ کی پیدائش 24 نومبر 1864 کو فرانس میں ہوئی۔ آپ بہت بڑے مصور اور گرافک آرٹسٹ گزرے ہیں۔ ایک حادثے میں دونوں پیر ٹوٹ گئے اور چلنے پھرنے سے بالکل معذور ہوگئے۔ آرٹ کو اپنا مشغلہ بنایا۔ پتھروں میں نقش نگاری (Lithography) کرنے میں بڑے ماہر تھے۔ آپ نے 9 ستمبر 1901

کو وفات پائی۔

اب آیئے اپنے ملک ہندوستان کے چند معذور افراد کا ذکر کریں جنھوں نے اپنی معذوری کا دلیرانہ مقابلہ کرکے اپنے فن کو کمال تک پہنچایا۔

(1) ونود بہاری مکھرجی: آپ کی پیدائش 1904 میں ہوئی۔ آپ بنگال کے بہت بڑے فنکار گزرے ہیں۔ آپ 1956 میں نابینا ہو گئے تھے۔ اس کے باوجود آپ نے مصوری میں کافی نام کمایا۔ آپ نے شانتی نکیتن کے کلا بھون میں تدریس کے فرائض نہایت ہی حسن وخوبی سے انجام دیے۔ آپ کی بنگالی زبان میں تصنیف کردہ ایک کتاب کا نام ''آدھونک شلپ شکھا'' ہے۔ ستیہ جیت رے نے آپ کی زندگی پر ایک فلم "Inner Eye" بنائی۔ آپ کا انتقال 1980 میں ہوا۔

(2) اسلم امین: آپ میرٹھ کے 26 سالہ جوان ہیں۔ 5 سال کی کم عمری میں ایک ٹرین حادثے کا شکار ہوئے اور اپنے دونوں پیر گنوا بیٹھے لیکن ہمت نہیں ہاری۔ اسکول میں داخلہ لیا۔ معذوری کے باوجود اتنی محنت کی کہ انھیں دسویں کلاس میں بہترین طالب علم کے اعزاز سے نوازا گیا۔ ابھی آپ دہلی کی ایک کمپنی میں سافٹ ویئر انجینئر ہیں۔ پچھلے سال ایتھنس اولمپک میں آپ ان خوش نصیبوں میں شامل ہوئے جن کا انتخاب مشعل بردار کے طور پر ہوا۔ آپ نے اپنی زندگی میں کامیابی کے راز کا انکشاف اس طرح کیا:

''میری زندگی ہمیشہ جدوجہد سے عبارت رہی۔ حتیٰ کہ روزمرہ کا معمولی کام مثلاً نہانا اور سونا بھی میرے لیے مشکل رہا۔ اس کے باوجود میں ہمیشہ مثبت انداز نظر کا قائل رہا۔ میں جانتا ہوں کہ جو ہوتا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ مجھے میرے پیر واپس مل نہیں سکتے ہیں لہٰذا قسمت کو کوسنے کی بجائے میں نے فیصلہ کرلیا کہ کامیابی کے حصول کے لیے جو بھی کرسکتا ہوں کروں گا۔''

(3) سربجیت سنگھ (Sarabjit Singh): آپ انڈین ریلوے میں سینئر ایڈمنسٹریٹو آفیسر کے عہدے پر مامور تھے کہ آپ پر 1986 میں فالج کا حملہ ہوا اور مفلوج ہو گئے۔ آپ نے نوکری سے سبکدوشی کی بجائے مبارزے کا سامنا کرنے کا عزم کرلیا۔ صلاحیت اور محنت کی وجہ سے سینئر اسپیشل سکریٹری کے عہدے تک پہنچ گئے اور آخر میں انڈین ریلوے میں جنرل منیجر کے عہدے پر فائض ہو کر سبکدوش ہوئے۔ انھوں نے اپنی ترقی کے راز کو اس طرح منکشف کیا ہے:

''میرے چند سینئروں کو میری قابلیت پر شک تھا۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ میں معذوری کے باعث اپنی ذمے داری کو نبھا نہ سکوں گا لیکن میں نے ان سبھوں کے خیالات کو غلط ثابت کر دکھایا۔''

(4) مسعود الرحمٰن: آپ کلکتہ کے رہنے والے ہیں۔ دونوں پیر سے معذور ہیں۔ اس جیالے نے صرف 16 گھنٹے 23 منٹ میں انگلش چینل پار کرکے ایک نیا ریکارڈ بنایا۔

یہ چند مثالیں ایسے معذور انسانوں کی تھیں جن کی بینائی چھن گئی مگر روشن مستقبل صاف نظر آتا رہا، پیر سے معذور ہو گئے مگر آگے بڑھتے رہے اور بہرے ہو گئے مگر زمانے کی آواز صاف سنتے رہے۔

کاویٹ رابرٹ (Cavett Robert) نے صحیح کہا ہے:

"While I can run, I will run, While I can walk, I will walk; When I can only crawl, I will crawl. But by the grace of God, I will always be moving forward."

(جب میں دوڑ سکتا ہوں تو دوڑوں گا، جب میں چل سکتا ہوں تو چلوں گا، جب میں رینگ سکتا ہوں تو میں رینگوں گا تاہم خدا کے فضل وکرم سے میں ہمیشہ آگے کی جانب ہی بڑھتا جاؤں گا۔)

(5) سدھا چندرن: ہندوستان کی اس مایہ ناز خاتون نے چار برس کی عمر سے ہی رقص سیکھنا شروع کردیا۔ آٹھ برس کی عمر میں پہلی بار عوامی اسٹیج پر اپنے فن کا مظاہرہ کرکے داد وتحسین حاصل کی اور بارہ برس کی عمر میں اپنے فن میں بے مثال ہو گئی۔ 1981 میں ایک حادثے کے باعث سدھا نے اپنا داہنا پیر کھو دیا اور بیساکھی کے سہارے چلنا شروع کیا۔ جے پور کے ڈاکٹروں نے اسے مصنوعی پیر فراہم کیا۔ سدھا نے معذور ہونے کے باوجود اپنا عزم جوان رکھا اور حتمی فیصلہ کرلیا کہ ہر حال میں رقص کو جاری رکھنا ہے اور دنیا کے سامنے 24 جنوری 1984 کو اپنے معذور اور مصنوعی پیر سے ناچ کر اپنے عزم کو سچ کر دکھایا۔ سدھا کی زندگی پر ڈرامے بھی اسٹیج کیے گئے اور ایک فلم بھی بنی۔ یہی نہیں بلکہ انھیں فلم میں رقص کرنے کا موقع بھی ملا۔ کسی نے دریافت کیا تو سدھا نے اپنی کامیابی کا راز اس طرح بتایا:

"Do not live courting death every moment. Live happily till the end .This is the Secret of my life"

(کسی بھی لمحے اپنے آپ کو موت کے حوالے مت کرو۔ زندگی کی آخری سانس تک شاد رہو۔ یہ میری زندگی کا راز ہے۔)

□□□

Urdu Medium Govt. Teachers Training Institute,
P.O. Nalikul-712407 (W.B.)

عبدالعلیم قدوائی

ہندوستانی معیشت ترقی کی راہ پر

ہندوستانی عوام کے لیے یہ فخر کی بات ہے کہ ہماری ملکی معیشت، خوشحالی اور استحکام کی طرف مسلسل پیش رفت کررہی ہے۔ چنانچہ سال رواں کے ابتدائی چھ مہینے میں معاشی ترقی کی شرح 8فیصد سے کچھ زائد رہی ہے اور مصنوعات کے زمرے میں 11فی صد کی ترقی ہوئی ہے۔ یہ اعداد ہندوستان جیسے عظیم ملک میں جہاں متعدد متضاد عوامل کارفرما رہتے ہیں، بڑے خوش آئند ہیں۔ اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ معاشی ترقی جمہوریہ چین میں ہورہی ہے جو ہندوستان سے معاشی دوڑ میں بہت آگے ہے۔ لیکن اگر ہمارے ملک کی معیشت اسی طرح مسلسل ترقی کرتی رہی تو مستقبل قریب میں چین پر سبقت حاصل کرسکتی ہے۔ ہمارے لیے یہ امر بھی اطمینان بخش ہے کہ مصنوعات کے زمرے میں نمایاں پیش رفت ہورہی ہے جو اس سے قبل زراعت اور خدمات کے دائروں تک محدود تھیں۔ بہت سے لگ جن میں ماہرین معاشیات بھی شامل ہیں کا کہنا ہے کہ زراعت کا دائرہ پیداواری عوامل مثلاً زمین، پانی، سرمایہ کی کمی اور خدمات کی بڑے پیانے پر اور بروقت فراہمی کے غیریقینی حالات کی وجہ سے کسی ملک کی مستقل معاشی خوشحالی کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ اس سے ضروری ہے کہ مصنوعات کے زمرے کو زیادہ سے زیادہ مضبوط اور معتبر بنایا جائے۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی اکثریت کی کامیابی کا راز یہی رہا ہے کہ انھوں نے عام اشیائے صرف کو بڑے پیانے پر کم سے کم لاگت سے تیار کیا اور عالمی بازار میں ان کو فروخت کرکے اپنی معاشی حالت سدھاری۔ یہ صورت حال برطانیہ، جاپان اور اب چین میں دیکھی جارہی ہے۔ عام اشیائے صرف میں سب سے پہلے کپڑے کی صنعت و تجارت کی طرف توجہ کی گئی، کچھ عرصے کے بعد ہلکی انجینئرنگ کی اشیا الیکٹرونک مصنوعات، آٹوموبائل اور اب کمپیوٹر کا زور ہے۔ ایک حد تک ہماری معیشت میں بھی یہ رجحان نظر آرہا ہے مگر اس کے ساتھ ہی معاشی اصلاحات کی پالیسی اپنانے کے بعد ہمارے ملک میں خدمات کے دائرے میں توسیع ہونے لگی جس کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس سے مصنوعات کے زمرے پر برا اثر پڑے گا اور کیا معاشی ترقی کا ایک نیا ماڈل ہمارے ملک میں تیار کیا جائے گا، جس سے زراعت کے روایتی دائرے کی اہمیت کم ہوجائے گی۔ اس ضمن میں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ گذشتہ سو سال میں معیار زندگی میں خاصی بہتری آئی ہے اور تکنیکی ترقی کی وجہ سے مصنوعات کا زمرہ بڑا وسیع اور طاقتور ہوگیا ہے۔ ایک طرف تو پیداوار قیمت اور تعداد کے لحاظ سے بہت بڑھ گئی ہے نیز عقل انسانی کے عروج کے ساتھ اشیا کی تعداد و تنوع میں بھی زبردست اضافہ ہوا ہے۔

ملکوں کی معاشی تاریخ کے مطالعے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ زیادہ تر ملکوں نے صرف زراعت کے ذریعے ترقی کرنے کے راستے کو چھوڑ کر مصنوعات اور خدمات پر بھروسا کیا ہے۔ اس کلیہ سے مستثنیٰ آسٹریلیا، کناڈا اور نیوزی لینڈ اور ایسے چند ممالک نظر آتے ہیں جہاں زمین آبادی اور اس کی ضرورتوں کے مقابلے میں افراط سے ہے اور زراعتی پیداوار بھی بہت ہوتی ہے۔ معیار زندگی میں روزافزوں اضافے نے اس طرح ترقی یافتہ ملکوں کو زراعت کی بجائے مصنوعات اور خدمات کو زیادہ اہمیت دینے پر مجبور کیا۔

یہاں ایک سوال یہ ضرور پیدا ہوتا ہے کہ جن ترقی یافتہ ملکوں میں زراعت کا بڑا اونچا معیار تھا، انھوں نے زراعتی پیداوار کو عالمی بازاروں میں فروخت کرکے اپنی ضروریات کی مصنوعات اور خدمات حاصل کرنے کا دستور کیوں چھوڑا۔ نظری طور پر اس دلیل میں کچھ وزن ضرور ہے۔ عالمی بازاروں میں ان ملکوں کو کوئی خاص نقصان نہ اٹھانا پڑتا۔ مگر عملی طور پر اس طریقے میں دو خاص قباحتیں نظر آئیں۔ ایک تو یہ کہ زمین کی قلت اور دوسرے پیداواری عوامل کی کمی سے زراعتی پیداوار پر زیادہ اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ پھر ان اشیا کی مانگ معیار زندگی میں اضافہ اور فیشن اور نت نئی ضرورتوں کی وجہ سے کم ہوتی جارہی ہے اور شاید اس میں کچھ دخل بشری نفسیات کا بھی ہے جو فارغ البالی کی حالت میں تعیش اور فیشن کی اشیا کو کھانے پینے کی اشیا پر ترجیح دیتی ہے۔

ملکی و انفرادی آمدنی میں مسلسل اضافے کا منفی اثر زراعتی اشیا کی قیمتوں اور مانگ کی کمی کی شکل میں برابر ظاہر ہورہا ہے جس کی تصدیق تجارتی اعداد و شمار سے بہ آسانی کی جاسکتی ہے۔

اسی سے جڑا ہوا دوسرا سوال خدمات کا ہے جو انسانی ضرورتوں اور منظم سماجی زندگی کے ارتقا کے ساتھ بڑھتی جارہی ہیں۔ عہد قدیم میں بھی خدمات دستیاب تھیں مگر ان کی نوعیت اور تعداد محدود تھی اور وقت کے ساتھ بڑھتی گئیں۔ صنعت، حرفت، تجارت اور انتظامی ضرورتوں سے موجودہ زمانے میں اب ان کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا ہے۔ کلرک، اکاؤنٹنٹ، بینکر، تھوک و خوردہ فروش تاجر، ہوٹل، لانڈری، گیریج، ورکشاپ نہ معلوم کتنے پیشے حرفے، کام کی جگہیں ہر جگہ موجود اور قائم ہیں اور روز بہ روز بڑھتے جارہے ہیں۔ بلکہ اب تو اس دائرے میں بڑی مہارت اور تجربے کی ضرورت ہے۔ ایک بڑا فرق اس

زمانے میں یہ دیکھنے میں آرہا ہے کہ پہلے خدمات کسی مخصوص جگہ یا مقام پر کسی مخصوص شخص یا اشخاص کے ذریعے دستیاب ہوا کرتی تھیں مگر اب یہ خدمات بہم پہنچانے والے بلا کسی دقت کے دور دراز مقامات پر بڑی آسانی سے آتے جاتے رہتے ہیں اور ان کے اداروں کی شاخیں غیر ممالک خصوصاً مشرق وسطیٰ، افریقہ وغیرہ میں قائم ہیں اس طرح کی برآمدی تجارت خوب پھل پھول رہی ہے اور اس کا دائرہ بھی خوب وسیع ہوگیا ہے۔ چنانچہ تجارتی مرکزوں کے علاوہ گھروں، اداروں، درس گاہوں، اسپتالوں اور تفریحی مقامات میں ہر قسم کی خدمات آسانی سے فراہم ہو جاتی ہیں اور مزید خوشی کی بات ہے کہ اس زمرے سے ہمارے ملک کو بیش قیمت زر مبادلہ بھی ہر سال خوب ملتا ہے۔ اس دائرے کی توسیع کے ساتھ ہی ہندوستان کے بڑے شہروں میں غیر ممالک میں موزوں افراد کی تقرری اور ان کو بھیجنے کا کاروبار بڑا نفع بخش ثابت ہو رہا ہے جس سے ایجنٹ، اشتہار دینے والے، ڈاکٹر، اور سماجی کارکن خوب روپے کما رہے ہیں۔ اس کام میں سرفہرست ہمارے ملک کی ریاست کیرالا ہے جہاں سے نرسوں، خادماؤں، یومیہ اجرت پر کام کرنے والے مزدور، سپروائزر، وغیرہ خاصی بڑی تعداد میں ملک سے باہر اچھی تنخواہوں پر جا رہے ہیں۔ کیرالا کے بعد گجرات، مہاراشٹر اور کرناٹک کا نمبر آتا ہے۔ تکنیکی تعلیم حاصل کیے ہوئے نوجوانوں کے لیے بھی یہ میدان بہت سازگار ہے۔ انجینئرنگ ڈگری اور ڈپلوما اور تکنیکی تجربہ رکھنے والے ماہر کاریگروں کی مانگ روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کی بے تحاشا ترقی نے خدمات کے دائرے کو بہت وسیع تر کر دیا ہے۔ کمپیوٹر، موبائل، ہوائی سفر، سائنسی ترقیوں نے زماں و مکاں کے حدود و قیود کو بڑی حد تک کم کر دیا ہے۔

بہر حال ہمارے ملک کو معاشی ترقی کا ایک نیا اور درخشاں ماڈل مل گیا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ رائے عامہ کو اس کے حق میں ہموار کیا جائے اور عام لوگوں کو مشورہ دیا جائے کہ کیرالا کی تقلید میں اپنی صلاحیتوں کو برآمدی ضروریات کے لیے زیادہ سے زیادہ استعمال کریں۔ اس تعلیم کو عام کرنے اور پھیلانے میں ہمارے ذرائع ابلاغ خصوصاً اخبارات ٹی وی۔ اور ریڈیو بڑا کام کر سکتے ہیں۔ خدمات ہمارے لیے زیادہ سے زیادہ خوشحالی اور مسرت لا سکتی ہیں بشرطیکہ ان کو بطریق احسن خوش اخلاقی، تہذیبی اور لگن سے انجام دیا جائے۔

(بشکریہ ''ڈیلی ٹیلیگراف'' کلکتہ، 3 نومبر 2005)

□□□

حالی

مصنفہ: صالحہ عابد حسین

ایک شاعر، ادیب، نقاد، سوانح نگار کے ساتھ ساتھ مولانا الطاف حسین حالی ایک سماجی مصلح بھی تھے۔ انھوں نے نہ صرف مسلمانوں کی اصلاح کے لیے شاعری کا سہارا لیا بلکہ شعر و ادب کی کمزوریوں کی بھی نشان دہی کی اور اچھے اور معیاری ادب کی تخلیق کی ترغیب دی۔ صالحہ عابد حسین نے حالی کی شخصیت اور زندگی کے تمام گوشے اس کتاب میں اجاگر کیے ہیں۔

صفحات: 68، قیمت -/15 روپے

محمد حسین آزاد

مصنف: نند کشور وکرم

محمد حسین آزاد ہمارے ان اکابرین میں سے ہیں جنھوں نے اردو کی ادبی تاریخ کا رخ موڑنے میں اہم رول ادا کیا۔ انجمن پنجاب کے ذریعے انھوں نے جدید نظم کو فروغ دینے کے ساتھ آب حیات، دربار اکبری، نیرنگ خیال اور سخندان فارس جیسی اہم کتابیں بھی لکھیں۔ نند کشور وکرم نے اس کتاب میں آزاد کا بھرپور تعارف کرایا ہے۔

صفحات: 79، قیمت: -/18 روپے

اقبال کی کہانی

مصنف: جگن ناتھ آزاد

اقبال وہ عظیم شاعر اور فلسفی ہے جسے عالمی ادب کے منظرنامے میں اہم مقام حاصل ہے۔ شاعر اور فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ شگفتہ مزاج انسان بھی تھے۔ ان کی علمی اور ادبی بحثوں سے بڑے باریک نکتے، اسرار اور لطیفوں کے چمن زار کھلتے تھے۔ اقبال کو اپنے ملک وقوم کے بچوں کے مستقبل سے والہانہ لگاؤ ہی تھا جس کے سبب انھوں نے بچوں کے لیے مضامین لکھے اور خوب صورت نظمیں کہیں جنھیں پڑھ کر بچے اچھے شہری بن سکتے ہیں۔ ماہر اقبالیات جگن ناتھ آزاد نے اس کتاب میں اقبال کا جامع تعارف کرایا ہے۔

صفحات: 83، قیمت: -/11 روپے

جوش ملیح آبادی: شخصیت اور فن

مصنف: ظفر محمود

جوش ملیح آبادی اردو شعر و ادب کا ایک اہم نام ہے۔ انھوں نے نہ صرف شاعری کو خوب صورت زبان عطا کی بلکہ نثر میں بھی گل کاری کی ہے۔ ان کے شعر و ادب کے مطالعے سے خود اعتمادی، جوش اور اپنے ملک و تہذیب کی بقا کے لیے سینہ سپر ہونے کا پیغام ملتا ہے۔ نہ صرف ان کا فن بلکہ خود شاعر کی زندگی کے حالات اس پیغام کی بہترین ترجمانی کرتے ہیں۔ ظفر محمود نے ''جوش ملیح آبادی: شخصیت اور فن'' میں شاعر کی زندگی اور فن کے انھی گوشوں کو اجاگر کیا ہے جن سے نئی نسل کی ذہنی و علمی تربیت ہوتی ہے۔

صفحات: 105، قیمت -/38 روپے

نوٹ: طلبہ اور اساتذہ کے لیے 40% کی خصوصی رعایت۔ تاجرانِ کتب کو حسب ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

ویسٹ بلاک-1، ونگ-6، آر. کے. پورم، نئی دہلی-110066

تحریر: مدن گوپال
ترجمہ: فاخر شبیر عباسی

1857 کا انقلاب

ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا اولین عہد محض کاروبار سے متعلق تھا۔ بعد میں جب کمپنی کے یورپی حریفوں کے ساتھ اس کے اختلافات ہوئے تب اس نے اپنی تجارتی اجارہ داری قائم کی اور سیاسی اثر و رسوخ حاصل کیے۔ 1757 میں ہونے والی پلاسی کی لڑائی میں کمپنی کی کامیابی نے اسے کسی طرح کی فوجی طاقت تو نہیں عطا کی، لیکن اس نے کمپنی کو 24 پرگنا ضلعے کا زمیندار بنا دیا۔ جیسے جیسے وقت گذرتا گیا صوبے کے مغل گورنر (نواب) کی اہمیت کمپنی کے مقابلے میں ثانوی رہ گئی۔ نواب کا اختیار کم ہوتا گیا۔ رفتہ رفتہ وہ کلکتہ میں موجود کمپنی کے حکام پر مکمل طور سے منحصر ہو گیا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ نوابوں کو بھی انگریزوں کی مرضی کے مطابق یکے بعد دیگرے تبدیل کیا جانے لگا۔ جب مغل بادشاہ نے اپنا حق جتانے کے لیے اس میں مداخلت کرنے کی کوشش کی تو بادشاہ کی فوجوں کو 1764 میں بکسر کی لڑائی میں شکست سے دوچار ہونا پڑا اور بادشاہ کو نہ صرف بنگال، بلکہ بہار اور اُڑیسہ کی بھی دیوانی، یا محصولات کی عملداری کے حقوق انگریزوں کو سونپنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اب کمپنی نے غیر امتیازی طور پر ان تمام علاقوں کو لوٹنا شروع کیا۔ دس برسوں کے اندر ہی کسانوں کی حالت قابل رحم ہو گئی۔ بنگال سے حاصل ہونے والے محصولات سے نہ صرف یہ کہ مزید فتوحات کے وسائل کو استحکام حاصل ہوا بلکہ اس نے دوسری جگہوں پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی منفعت بخش تجارت میں سرمایہ کاری کے لیے وافر مقدار میں سرمایہ بھی فراہم کیا۔ اس سے نہ صرف یہ کہ کمپنی کو فروغ حاصل ہوا بلکہ انگریزوں نے لاکھوں محنت کش کسانوں اور دستکاروں سے آباد ایک وسیع علاقے پر اختیار بھی حاصل کر لیا۔ فرانسیسی، پرتگالی اور ولندیزی (Dutch) اثرات کے بتدریج اخراج کے ساتھ ہی کمپنی نے ہر طرف اپنے پاؤں جمانے اور مغربی، مشرقی، جنوبی و شمالی ہندوستان میں دوسروں کو شکست دینے کے لیے مقامی سرداروں کے ساتھ معاہدہ کرنا شروع کر دیا۔ اس میں کچھ تعجب کی بات نہیں کہ مغل بادشاہ، مقامی شہزادوں، زمینداروں، سوداگروں، شہری اور فوجی افسروں، دستکاروں، مولویوں، سنتوں اور دیگر علما وغیرہ کے تئیں ایسٹ انڈیا کمپنی کے افسران کے رویے میں ایک فطری تبدیلی آگئی تھی۔

مغل بادشاہ کے تئیں انگریزوں کا رویہ جی حضوری سے تکبر میں تبدیل ہو گیا تھا۔ دہلی کے دربار میں انگریز ریزیڈنٹ نے بادشاہ کی موجودگی میں کھڑے ہونا یا نذر پیش کرنا ترک کر دیا۔ ایک وقت وہ بھی آیا جب دیوان عام اور دیوان خاص کو بادشاہ کے لیے بند کر دیا گیا، یہاں تک کہ اسے لال قلعے میں اپنی رہائش ترک کرنے اور بادشاہ کے خطاب سے دستبردار ہو جانے کا بھی مشورہ دیا گیا۔

مہاراجا رنجیت سنگھ کے بیٹے دلیپ سنگھ کی تخت سے علاحدگی اور عیسائیت اختیار کرنے، ناگپور کے راجا اور دوسرے حکمرانوں کے ساتھ کیے گئے معاہدے کی خلاف ورزی کی پاداش میں اودھ کے راجا کی معزولی، ڈلہوزی کی دیسی ریاستوں کو انگریزی حکومت کا حصہ بنانے کی سازش اور متعدد حکمرانوں کے خلاف آمرانہ کارروائیوں نے کم و بیش دو سو امرا و سلاطین کو تکلیف پہنچائی۔ ان تمام باتوں کے سبب حکمراں سرداروں کے ذہنوں میں بے سکونی، آزردگی، بے اعتباری اور خوف پیدا ہو گیا تھا۔ دربار لاہور کی املاک کو نیلام کر دیا گیا۔ کوہ نور کو برطانیہ کے تاج کی زینت بنانے کے لیے انگلینڈ بھیج دیا گیا اور جب لارڈ ڈلہوزی امرتسر کے گولڈن ٹمپل میں گیا تو اس کے متبرک احاطوں میں اپنے جوتوں سمیت داخل ہوا۔

واضح طور پر اب کل اختیار برطانوی افسران کے افسر اعلیٰ کے بھی سربراہ کے ہاتھوں میں جا چکا تھا۔ امرا کے وظائف میں تخفیف کرنے جیسے فیصلوں کی وضاحت کوئی دوسرا نہیں کر سکتا تھا۔ مہاراجا رنجیت سنگھ کی بیوی کا سالانہ وظیفہ 15,000 روپے سے گھٹا کر محض 100 روپے سالانہ کر دیا گیا۔ پیشوا باجی راؤ ثانی کی متبنیٰ اولاد نانا صاحب نیز جھانسی کی رانی لکشمی بائی کا وظیفہ بند کر دیا گیا۔ کرناٹک اور تنجور گھرانوں کے وظیفے برائے نام رہ گئے۔ اقتدار کو پامال کر دیا گیا۔ کمپنی کے افسران نے ان قدیم خاندانوں کی جاگیر اور انعامات پر قبضہ کر لیا جنھوں نے ہندوستانی حکمرانوں کے لیے بیش بہا خدمات انجام دی تھیں۔

یہ تو حکمرانوں کا حال تھا۔ اب رئیس زادوں اور اشراف کا حال بھی دیکھیے۔ ان دو طبقوں نے بھی ماضی کے مقابلے میں بہت زیادہ پریشانیاں جھیلیں۔ انگریز افسران کی نئی نسل کی پالیسی کے مطابق ایک امیر زادے اور کسان کے درمیان کوئی امتیاز نہیں تھا۔ اس نئے رخ کے تحت، وہ لوگ جو وسیع و عریض زمینوں کے مالک تھے انھیں بے دخل کر کے جھونپڑوں کا مزارع بنا دیا گیا جن کے پاس کھانا بنانے کے چند برتنوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس طرح

بے دخل کیے جانے والے معمولی زمینداروں میں ہر ذات اور فرقے جیسے مسلمان، راجپوت، برہمن، گوجر، جاٹ وغیرہ کے لوگ شامل تھے۔ ان سبھی کو زبردست صدمہ پہنچا۔ یہی حال ان سپاہیوں کا بھی تھا جو معمولی زمیندار گھرانوں سے تھے اور جنھوں نے باعزت طریقے سے زندگی بسر کرنے کے لیے فوجی پیشے کا انتخاب کیا تھا۔

برطانیہ میں صنعتی انقلاب کی ترقی اور اس کے نتیجے میں آنے والی خوش حالی، مذہبی تحریکات کے پھیلاؤ اور سماجی طور طریقوں اور اخلاقی معیار میں رونما ہونے والی بہتری نے انگریزوں کے اندر ایک قسم کی برتری کا احساس پیدا کر دیا تھا۔ جس قدر انھیں اپنی طاقت کا احساس ہوتا گیا اسی قدر وہ الگ تھلگ اور ناقابل حصول ہوتے گئے۔

جس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی فوجی طرز زندگی کا آغاز کیا تھا، اس وقت ہندوستانی سپاہی افسر کے عہدے تک پہنچ سکتے تھے اور یورپی و ہندوستانی فوجوں کی کمان سنبھال سکتے تھے۔ بنگال کی فتح کے بعد صرف انگریز افسران کی تقرری پر زور دیا گیا۔ اس طرح ہندوستانی سپاہیوں کی ترقی کے مواقع بے حد کم ہو گئے۔ اور ہندوستانی سپاہیوں کے کمیشن افسر کی پوزیشن تک پہنچنے کے امکانات نہیں کے برابر ہو گئے تھے۔ یہ اونچی ذات کے ان سپاہیوں کے لیے انگریزوں کے سامنے اپنی کمتر حیثیت کا ایک ذلت آمیز اعادہ تھا جو ماضی میں مغلوں اور ہندوستانی سرداروں کی افواج میں نمایاں عہدوں (کمانڈو وغیرہ) پر فائز رہ چکے تھے۔

اس پر ستم ظریفی یہ ہے کہ انگریزوں نے ہندوستانی سپاہیوں کی مدد سے ہی ہندوستان کو فتح کیا۔ مزید یہ کہ، ہندوستانی فوجوں کو افغانستان اور برما فتح کرنے کے لیے بھی بھیجا گیا۔ یہاں تک کہ انھیں کریمیا (Crimea) بھی بھیجا گیا۔ 1856 میں 45,000 یورپی سپاہیوں کے مقابلے میں ہندوستانی سپاہیوں کی تعداد 2,56,000 تھی۔

یا پھر ہندوستانی سوداگروں کی مثال لیجیے۔ نیل اور کپڑے وغیرہ کی تجارت میں کمپنی کی اجارہ داری نے ان کی منفعت بخش تجارت میں نقب لگا دی تھی۔ ان پر مزید بوجھ ڈالنے کے لیے کمپنی ان سے اسٹامپ فیس، چنگی اور محصول کی شکل میں پیسے وصول کرتی تھی۔

غیر ملکی درآمد شدہ اشیا کی بنا پر بنکر، سوتی کپڑے بنانے والے، بڑھئی، لوہار وغیرہ بے روزگار ہو گئے۔ دراصل وہ بھکاری بن گئے تھے۔ مذہبی رہنما جیسے مولوی اور برہمن بھی خائف تھے۔ اس طرح اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ طبقے تک لوگ تنگ دستی اور اذیت کی زندگی گزار رہے تھے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعے متعارف کرائے گئے تعلیمی نظام پر عیسائی مشنریوں کے بڑے گہرے اثرات تھے۔ ہندوستان کی نوجوان نسل پنڈتوں اور مولویوں کے وضع کردہ آدرشوں اور عقائد کے تئیں حقارت محسوس کرنے لگی تھی۔ چربی دار کارتوسوں کا معاملہ، جسے اگرچہ انگریز مورخین نے سرے سے خارج کر دیا ہے، کام آیا۔ اگر یہ معاملہ نہ بھی ہوتا تو کوئی دوسرا تلاش کر لیا جاتا۔ غصہ، مایوسی اور ناامیدی اتنی شدید تھی کہ اسے باہر آنا ہی تھا۔

ایک ممتاز مورخ کے الفاظ ہیں: ''ہندوستانیوں کا وقار مجروح ہو گیا تھا۔ شاہی خاندانوں کو ذلیل و خوار کیا گیا۔ امرا کا اثر و رسوخ چھن گیا تھا۔ لوگ غیر ملکی طاقت کے سامنے اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے۔ اقتدار کے قدیم مراکز کو پامال کر دیا گیا تھا اور قدیم طور طریقوں پر گہن لگ گیا تھا۔ مذہب، زبان اور تہذیب سے ناآشنا دوسری نسل کے نئے لوگ دھرتی کے بیٹوں پر غالب آ گئے تھے۔ اور ان کے اوپر حقارت کا بوجھ لاد دیا گیا تھا۔ تو کیا اس میں تعجب کی بات ہے کہ شہری اور فوجی دونوں طبقے برانگیختہ ہو کر غیر ملکی حکمراں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے؟ ملک بغاوت کے لیے تیار تھا۔''

1857 میں سب سے اہم چیز یہ سمجھی گئی کہ غیر ملکی غلامی کا طوق اتار کر پھینک دیا جائے جو کہ ساری خرابی کی جڑ تھی۔ یہ تحریک صرف سپاہیوں تک ہی محدود نہیں تھی۔ اس کی شاخیں محل اور سارے شہر تک پھیلی ہوئی تھیں۔ نانا صاحب کے رابطہ کار اور بہادر شاہ کے نمائندے، مولوی فضل حق خیر آبادی نے بغاوت کا ماحول تیار کر دیا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ہندوستانی ٹکڑیوں کو آنے والے ناگزیر دھماکے کی خبر تھی۔ یہ افواہ بھی چاروں طرف عام ہو چکی تھی کہ فوج کے لیے اٹھ کھڑے ہونے اور حملہ کرنے کے لیے ایک خاص دن متعین کیا گیا ہے۔ یہ 31 مئی 1857 کو ہونا تھا جو سال کے سب سے گرم دنوں میں سے ایک ہوتا ہے اور اس طرح ہندوستانی سپاہیوں کے لیے کارروائی کرنے کا سب سے مناسب دن تھا۔ بدقسمتی سے، بیرک پور میں قبل از وقت ایک دھماکہ ہو گیا۔ چند دنوں کے بعد، میرٹھ میں تین ٹکڑیوں نے اپنے افسران کو مار گرایا، جیل کو توڑ کر اپنے کامریڈوں کو آزاد کیا اور دہلی کی طرف کوچ کیا۔ بہادر شاہ کو سخت تعجب ہوا جب میرٹھ کی فوجیں دہلی میں داخل ہوئیں۔

کسی طرح یہ بغاوت پورے شمالی ہندوستان میں پھیل گئی۔ نانا صاحب مدد حاصل کرنے کی غرض سے دہلی اور لکھنؤ کے درمیان ادھر سے اُدھر حرکت کر رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر ایک قسم کی مفاہمت ہو گئی تھی کہ بہادر شاہ کو ہندوستان کا بادشاہ تسلیم کیا جانا چاہیے اور دیوان (وزیر اعظم) کا عہدہ ہندوؤں کے لیے مختص کیا جانا چاہیے۔

بندیل کھنڈ کے مغل وائسرائے، خان بہادر خاں نے، جو انگریزوں کی

طاقت سے بخوبی واقف تھے، ان کی اعلیٰ فوجوں کو دلبرداشتہ کرنے کے لیے تفصیلی احکامات بھیجے تھے۔ ان کا حکم یہ تھا کہ: ''ان ملحدوں (انگریز) کے فوجی دستوں سے باقاعدہ جنگ مت کرو، کیونکہ وہ نظم وضبط اور بندوبست میں تم سے افضل ہیں اور ان کے پاس بڑی بندوقیں ہیں، بلکہ ان کے نقل وحمل پر نظر رکھو، ندیوں کے سبھی گھاٹوں کی نگرانی کرو، ان کے ذرائع ابلاغ میں مداخلت کرو، ان کی رسد کی فراہمی کو روک دو، ان کی ڈاک اور پوسٹ کا سلسلہ منقطع کردو اور ان کے خیموں پر مستقل گھات لگائے رکھو، انھیں سکون مت لینے دو۔'' سبھی لوگ متحد ہو گئے۔ ہندو اور مسلمان شدت پسند کھڑے تھے۔ اکثر معاملات میں ذاتی وفاداریاں محرکات تھیں، نہ کہ مادر وطن کے لیے بے لوث خدمت کا جذبہ لیکن تحریک کا ولولہ غیر معمولی تھا۔ غیر ملکیوں کے خلاف یہ فوجی رنجش، قومی منافرت اور مذہبی شانہ بہ شانہ کا ایک ملا جلا ردعمل تھا۔ یہاں تک کہ 27/جولائی 1857 کو ہاؤس آف کامنس میں Disraeli نے اپنی تقریر میں یہ بیان دیا کہ'' یہ تحریک محض ایک ''فوجی سرکشی'' نہیں تھی بلکہ ایک قومی بغاوت تھی۔''

باغی نہایت جری اور جرأت مندانہ قربانیوں کے اہل تھے، اور ان کی وفاداریاں تحریک کے لیے تھیں۔ لیکن ان میں نظم وضبط کی کمی تھی۔ نیز ان میں تربیت کی بھی کمی تھی اور ان کے پاس متحدہ اور منصوبہ بند کارروائی کے لیے کوئی اسکیم نہیں تھی۔ اپنی مقصد برآوری کے لیے ان کے پاس کوئی مناسب فوجی منصوبہ نہیں تھا۔ اس مہم کی نزاکت رہنماؤں کی سمجھ سے پرے تھی۔ یہاں تک کہ گولہ بارود اور فنڈ کی سپلائی بھی ناکافی تھی۔ دراصل، مختلف جگہوں پر متعدد باغی بکھرے ہوئے تھے۔ بغیر کسی منظم اسکیم کے، جس کا کہ وہ حصہ بن سکتے تھے۔ باغیوں میں ایک عظیم رہنما کی سخت کمی تھی جو اس تحریک میں ان کی صحیح رہنمائی کرسکتا۔ ذہانت کے اعتبار سے باغیوں کا انگریز سے کوئی میل نہیں تھا جو جنگی علوم، ٹیکنالوجی اور منصوبہ بندی میں ان سے برتر تھے۔ دوسری طرف، انگریزوں نے نہایت اعلیٰ مرکزیت اور منظم مشینری کی طرح کام کیا جو وقت ضرورت اپنے فوجی اور مادی وسائل پر انحصار کرسکتے تھے۔

بہر حال 1857 کی بغاوت اپنے کھوئے ہوئے وقار کو پھر سے حاصل کرنے کی ایک ناکام کوشش تھی۔ اب نئی طاقتوں کے سرگرم ہونے کے لیے راستہ بالکل ہموار ہوگیا تھا۔ اس بغاوت نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارتی اجارہ داری کو ختم کردیا۔ ہندوستان کی حکومت اب کمپنی کے افسران کے ہاتھوں میں نہیں رہ گئی بلکہ برطانیہ کے ہاتھوں میں چلی گئی۔

□□□

نیو ہندستانی... انگلش ڈکشنری

یہ ایس. ڈبلیو فیلن کی مرتب کردہ مشہور ڈکشنری ہے جس میں اردو اور ہندی الفاظ کے معنی انگریزی میں بیان کیے گئے ہیں۔ یہ پہلی بار 1879 میں چھپی تھی۔ اس کی افادیت، اور اہمیت کے پیش نظر تب سے اب تک اس کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں اور آج بھی علمی حلقوں میں اس کی مانگ کم نہیں ہوئی ہے۔ صاحب فرہنگِ آصفیہ سید احمد دہلوی اس ڈکشنری کی ترتیب کے دوران فیلن کے معاونِ کار رہے تھے۔ قومی اردو کونسل نے اس مشہور ڈکشنری کو خاص اہتمام سے شائع کیا ہے۔

صفحات: 1216، قیمت: -/418 روپے

جامع انگریزی اردو لغت

مرتب: کلیم الدین احمد

محققین، مترجمین، دفتری اہل کاروں، اساتذہ، قانون دانوں، اہل علم وقلم، صحافیوں، طلبہ اور عام لوگوں کی روزمرّہ ضروریات کے لیے یکساں افادیت کی حامل یہ انگریزی اردو لغت ڈھائی لاکھ سے زائد الفاظ واصطلاحات ومعانی کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ لغت دنیا کے کسی بھی موضوع پر انگریزی الفاظ کے اردو مترادفات فراہم کرنے میں آپ کی مدد کرے گی۔ مترادفات، محاورات اور تشریحات سے مزین اپنی نوعیت کی یہ پہلی مستند، وقیع اور ضخیم لغت ویبسٹر کو بنیاد بنا کر تیار کی گئی ہے۔

قیمت: مکمل سیٹ -/3400 روپے

نوٹ: طلبہ اور اساتذہ کے لیے 40% کی خصوصی رعایت۔ تاجرانِ کتب کو حسب ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

ویسٹ بلاک-1، ونگ-6، آر. کے. پورم، نئی دہلی-110066

محمود الرحمٰن

شان الحق حقی کی اُردو خدمات

یہ 1960ء کی بات ہے۔ سندھ کے قدیم شہر سکھر میں پاک و ہند مشاعرے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ مہران سنٹر کی نئی تعمیر شدہ عمارت میں اس کے انعقاد کا نہایت اعلیٰ انتظام ہوا تھا۔ ان تمام کارروائیوں کے روح رواں، اردو کے ممتاز شاعر جناب پروفیسر آفاق صدیقی تھے۔ اردو کے جو شعرا ہند و پاکستان سے شریک ہوئے تھے ان میں علامہ انور صابری، جوش ملیح آبادی، مولانا ماہر القادری، سردر بارہ بنکوی، شور علیگ، ظہیر کاشمیری اور طفیل احمد جمالی خاصے نمایاں تھے۔ برادرم آفاق صدیقی نے چند ایک شعرا کو میرے بہنوئی سید محبوب حسن کے گھر ٹھہرایا تھا جو ریلوے انجینئر تھے اور میں انھی کے ساتھ قیام پذیر تھا۔ میری ڈیوٹی یہ بھی تھی کہ ان مہمان شعرا کو تانگے میں بٹھا کر مہران سنٹر پہنچاؤں۔

جو شعرا میرے یہاں مقیم تھے، ان میں ایک صاحب طفیل احمد جمالی نام کے تھے۔ انھیں اسی روز شدید بخار آگیا۔ دیگر شعرا تو میرے بہنوئی کے ساتھ مہران سنٹر چلے گئے، البتہ جمالی صاحب کچھ دیر ٹھہر گئے۔ جب دوا کھانے کے بعد انھیں آرام آیا تو میں نے بلند پہاڑی پر واقع محبوب صاحب کے بنگلے سے انھیں اس طرح نیچے اتارا کہ ایک ہاتھ سے جمالی صاحب کو تھامے ہوئے تھا اور ایک ہاتھ سے ان کے کپکپاتے ہوئے جسم پر لپٹے ہوئے کمبل کو اور اسی ہیئت اور حلیے میں میں نے انھیں مشاعرہ گاہ تک پہنچایا۔ ڈائس پر ایک کونے میں موصوف کمبل اوڑھ کر بیٹھ گئے۔

صدارت کی مسند پر شاد عظیم آبادی کے شاگرد اور بزرگ شاعر جناب حمید عظیم آبادی تشریف فرما تھے۔ ان کے جلو میں قدامت پسند گروپ کے جملہ غزل گو شعرا براجمان تھے۔ معاً اسٹیج سکریٹری نے طفیل احمد جمالی کا نام پکارا۔ میں نے ان کے بدن سے لپٹے ہوئے کمبل کو الگ کیا اور پکڑ کر مائیک تک لایا۔ انھوں نے مخصوص ترنم سے غزل سنانی شروع کی۔ جب یہ شعر پڑھا تو ظہیر کاشمیری اچھل اچھل کر داد دے رہے تھے، مگر حمید عظیم آبادی کے پیچھے بیٹھا ہوا قدامت پسند اور کلاسیکی تغزل کا شیدائی گروپ آہستہ آہستہ اعتراض کر رہا تھا کہ یہ کوئی شعر ہے؟ .... اور وہ شعر یہ تھا:

اپنی پلکوں پر چمن کے سارے آنسو لے لیے
گل کو خنداں، بلبلوں کو نغمہ خواں رہنے دیا

میں چونکہ معترضین کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا، اس لیے ان کے اعتراضات سے کبیدہ خاطر ہو گیا تھا۔ جس شعر کی داد اردو کے ممتاز شاعر ظہیر کاشمیری دے رہے تھے، اسے قدیم گروپ والے لغو اور مہمل قرار دیے چلے جا رہے تھے۔ یہ کھٹک میرے دل میں برسوں رہی۔ جب طفیل احمد جمالی کا انتقال ہو گیا تو اس وقت کے اردو لغت بورڈ کراچی کے سکریٹری نے جو ادارے کے مقتدر رسالے ''اردو نامہ'' کے مدیر اعلیٰ بھی تھے، مرحوم کے صحافتی کارنامے پر پورا ایک شذرہ لکھا اور ساتھ ہی ان کی شاعری کا تذکرہ کرتے ہوئے مندرجہ بالا شعر درج ذیل فقرے کے ساتھ دہرایا:

''ظالم کیا شعر کہہ گیا ہے''

اس تنقید نے نہ صرف مجھے تسلی دی بلکہ یہ باور بھی کرا دیا کہ مدیر ''اردو نامہ'' شاعر کے ذہن کے پاتال میں اتر کر اس کے شعور و لاشعور کی پہنائیوں کو گرفت میں لے لیتے ہیں۔

اردو لغت بورڈ کے سکریٹری کا یہ تاثر ابھی قائم تھا کہ ایک روز نیشنل بینک کے سربراہ جناب ممتاز حسن نے مجھے کسی کام سے اپنے گھر بلایا۔ جب میں ان کی رہائش گاہ پہنچا تو صوفے پر ان کے ساتھ ایک شخص کو بیٹھا ہوا دیکھا۔ گوری رنگت، نحیف و نزار جسم، ستواں ناک، خوب صورت سیاہ بال، ہلکی ہلکی طرحدار مونچھ اور متانت آمیز سراپا!۔ دونوں اردو کے حوالے سے کسی معاملے کے سلجھانے میں غرق تھے۔ بار بار اردو لغت کا ذکر ہو رہا تھا۔ جب ان کی گفتگو ختم ہوئی تو وہ صاحب جانے کے لیے اٹھے، مگر ممتاز صاحب نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''چاند صاحب! انھیں اپنی گاڑی میں لیتے جائیے۔ یہ ڈرگ روڈ سے سندھی مسلم سوسائٹی تک پیدل آئے ہوں گے اور اس وقت میرا ڈرائیور بھی نہیں ہے کہ انھیں واپس بھیجوا سکوں۔''

یہ کہہ کر ممتاز صاحب نے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ میں نے ترجمہ شدہ چند کاغذات ان کے حوالے کر دیے۔ موصوف نے اچٹتی ہوئی نظر ڈالی اور مسل اپنے پاس رکھ لی۔ پھر کھڑے ہو گئے اور مجھے اور ان شان و شکوہ والے آدمی کو دروازے تک چھوڑنے آئے۔ جب گاڑی کمپاؤنڈ سے باہر آگئی تو معاً بریک مار کر صاحب کار نے اسے روک لیا۔ پھر کوٹ کی ایک جیب میں کچھ ٹٹولا اور کالے رنگ کا لمبا سا پائپ نکالا۔ دوسری جیب سے تمباکو کا پیکٹ برآمد کیا۔ پھر لباس کے کسی کونے کھدرے سے ماچس کی ڈبیہ ڈھونڈ نکالی۔ اس عمل تلاش کے بعد پائپ میں تمباکو بھرا، ماچس کی تیلی جلائی اور دھواں اڑانے لگے۔ مجھے نہ جانے کیا خیال آیا کہ یہ پوچھ بیٹھا!

"آپ ممتاز صاحب کے پاس کتنی دیر سے بیٹھے تھے؟"

"تقریباً دو ڈھائی گھنٹے سے!" چاند صاحب نے جواب دیا۔ "اتنی دیر بیٹھے رہے اور ایک بار بھی پائپ استعمال نہ کیا۔ تعجب ہے۔" میں نے انھیں ٹھوکا دیا۔ "بھئی! ادب مانع تھا۔ میں ممتاز صاحب کی قدر صرف اس لیے نہیں کرتا کہ وہ بہت سینئر افسر ہیں، بلکہ اس لیے بھی کہ ان کے والد محمد حسن مرحوم علامہ اقبال کے کلاس فیلو تھے اور دوستی ہمیشہ ہی قائم رہی۔ نیز خود ممتاز صاحب اردو کے اس عظیم شاعر اور مصنف کی محفلوں میں بیٹھے ہیں۔" یہ کہہ کر چاند صاحب رکے۔ پھر کہنے لگے: "میں کس طرح ان کی مجلس میں بے ادبی کر سکتا تھا۔"

اس واقعہ کو عرصہ گزر گیا۔ میں نے اسلام آباد میں بود و باش اختیار کر لی۔

ایک روز میرے عزیز اور محترم دوست عبیداللہ بیگ نے "اصطلاحات ماحولیات" مرتب کرنے کا کام میرے سپرد کیا۔ اسے IUCN والے شائع کرنا چاہتے تھے۔ اس کی ایک میٹنگ آئی یو سی این کے کلفٹن کراچی میں واقع دفتر میں منعقد ہوئی تھی۔ اسلام آباد سے مقتدرہ قومی زبان کے سابق چیئرمین جناب ڈاکٹر جمیل جالبی اور میں شرکت کے لیے وہاں پہنچے۔ میز پر اردو اور انگریزی کی موٹی موٹی ڈکشنریاں ہر رکن کے سامنے رکھ دی گئی تھیں اور مجوزہ اصطلاحات کی مسل بھی موجود تھی۔ جیسے ہی اجلاس کا آغاز ہوا، ایک صاحب مسکراتے ہوئے آئے اور ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ میں نے جو غور سے دیکھا ..... تو یہ وہی چاند صاحب تھے جو ممتاز حسن کی کوٹھی میں نظر آئے تھے۔ اور اب یہاں بھی جلوہ آرا تھے۔ جب اصطلاحات پر بحث کا آغاز ہوا تو سارے ہی اراکین لغت کی ورق گردانی کرنے کے بعد ہی اپنی رائے کا اظہار کرتے ..... مگر چاند صاحب! ..... وہ تو موٹی ڈکشنریوں کو پرے کھسکائے پائپ پینے میں مگن تھے، مگر سن سب کی رہے تھے اور پھر اصطلاحات کے منبع و ماخذ کے متعلق جو رائے دیتے، اسے حرف آخر سمجھا جاتا۔

درج بالا سطور میں جمالی مرحوم کے مذکورہ شعر کی داد دینے والے، علامہ اقبال کے حوالے سے ممتاز حسن کا ادب و احترام کرنے والے اور ڈکشنریوں کے بغیر ماحولیاتی اصطلاحات پر جچی تلی رائے پیش کرنے والے ..... ایک ہی شخص تھے جو عرف عام میں چاند صاحب کہلاتے تھے، مگر ادبی و سرکاری حلقوں میں شان الحق حقی کے نام نامی سے پہچانے جاتے تھے۔

شان الحق حقی مرحوم ایک مذہبی، علمی و ادبی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے مورث اعلیٰ جو ترکستان سے ہجرت کر کے علاء الدین خلجی کے عہد میں ہندوستان آئے تھے، خواجہ عطا محمد تھے۔ انھوں نے دہلی میں بود و باش اختیار کی اور اپنے علم و دانش کی بدولت دارالخلافہ کے مدبروں میں شمار کیے جاتے تھے۔ شہرۂ آفاق مورخ ضیاء الدین برنی نے خواجہ عطا محمد کا ذکر اپنی تاریخی کتاب میں نہایت تحسین آمیز انداز میں کیا ہے۔ حقی صاحب کے جد امجد شیخ عبدالحق محدث دہلوی برصغیر ہی نہیں دنیائے اسلام میں کوئی غیر معروف شخص نہ تھے۔ وہ غیر منقسم ہندوستان کے اولین اور معروف ترین محدث تھے۔ نیز اعلیٰ درجے کے شاعر اور مستند مورخ بھی تھے۔ شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی اور رکن دربار شاہی فیضی سے بھی ان کے روابط تھے۔ حضرت شیخ محدث دہلوی کئی کتابوں کے مصنف تھے، جن میں "اخبار الاخیار" اور "تاریخ مدینہ" خاصی مشہور و معروف ہیں۔ آپ فارسی میں شعر کہتے اور حقی تخلص استعمال کرتے۔ (جناب شان الحق نے انھی جدی بزرگ کے تخلص کو بہ کمال و تمام اپنایا۔)

حقی مرحوم کے والد کا نام مولوی احتشام الدین تھا۔ وہ بھی اعلیٰ درجے کے شاعر، مترجم اور مصنف تھے۔ ناداں ان کا تخلص تھا۔ علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی اور مدتوں وہاں نواب محسن الملک کے نائب کے طور پر کام کرتے رہے۔ اسی دوران علی گڑھ مسلم گلز کالج کے بانی شیخ عبداللہ نے تعلیم نسواں کو فروغ دینے کے لیے "خاتون" نام کا ایک رسالہ علی گڑھ سے جاری کیا۔ یہ جریدہ اردو صحافت میں ایک امتیازی مقام کا حامل تھا۔ حقی صاحب کے والد جناب ناداں نے مسلسل 8-7 سال تک رسالۂ خاتون میں اپنی اردو نظمیں شائع کرائیں اور اس طرح ملکی سطح پر خواتین میں حصول تعلیم کا جذبہ پیدا کیا۔ ناداں دہلوی نے "دیوان حافظ" اور "رباعیات عمر خیام" کا اردو میں ترجمہ کر کے بہت بڑی خدمت انجام دی تھی۔ نیز "مطالعۂ حافظ" کے عنوان سے موصوف نے اردو زبان میں جو کتاب لکھی تھی، وہ قابل تعریف ہے۔

ایسے علم دوست، ادب نواز اور فکر و فن کے ماحول میں شان الحق حقی نے 15 ستمبر 1917 کو آنکھیں کھولیں۔ ابتدائی تعلیم پشاور میں حاصل کی۔ انٹرنس کا امتحان دہلی کالج سے پاس کیا۔ پھر علی گڑھ آ کر بی۔اے۔ کی پڑھائی مکمل کی۔ انگریزی ادب میں ایم۔اے۔ کی ڈگری سینٹ اسٹیفن کالج، دہلی سے حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد سرکاری محکمے میں مترجم مقرر ہوئے۔ بعد ازاں ایڈورٹائزنگ کمپنی سے وابستہ ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی آ گئے۔ یہاں مختلف اداروں میں خدمات انجام دینے کے بعد نظامت فلمز و مطبوعات میں افسر مقرر ہوئے۔ "ماہ نو" کی ادارت بھی کی۔ بعد ازاں کراچی ٹی۔وی۔ میں جنرل منیجر سیلز کے عہدے پر متعین ہوئے۔ وہاں سے ریٹائرمنٹ کے بعد ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں ڈائرکٹر کے عہدے پر مامور ہوئے۔ چونکہ حقی صاحب کے بچے مستقل طور پر کناڈا چلے گئے تھے، لہٰذا آپ بھی بچوں کے مسلسل اصرار کے تحت نقل مکانی کر گئے۔ ان کی اہلیہ اور مشہور ماہر تعلیم سلمیٰ حقی کا انتقال وہیں ہوا۔

حقی صاحب نے گرچہ بی۔اے۔ میں انگریزی زبان و ادب کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور اسی بنا پر انگریزی میں ایم۔اے۔ کی اعلیٰ ڈگری ایسے کالج سے حاصل کی جہاں نامور اساتذہ درس و تدریس میں مصروف رہے، لیکن

''اردو'' ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ انھوں نے اپنے والد ناداں دہلوی کی گود میں ہلکی پھلکی وہ نظمیں بھی سنیں جو موصوف رسالہ ''خاتون'' علی گڑھ کے لیے لکھتے رہے تھے۔ پھر گھر میں ہمہ وقت شعر و شاعری کا چرچا، علم و ادب کی گفتگو، خاندان کے ذی مرتبت بزرگوں کا چرچا..... گویا ان کی اسی ادبی نہج پر پرورش ہوتی رہی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ حقی صاحب فنانی الاردو ہو کر اپنے ہم وطن میر و موسن و میرزا کی طرح اس زبان کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ اور اس خدمت کی کئی جہتیں اور کئی رخ تھے جو قابل قدر بھی ہیں اور قابل اتباع بھی!

پندرہ سال کی عمر سے انھوں نے اردو میں مضامین نظم و نثر لکھنے کی ابتدا کی تھی۔ یہ مختلف ادبی رسائل میں چھپتے رہے اور داد تحسین پاتے رہے۔ وہ کالج اور یونیورسٹی کے ادبی نوعیت کے مباحثے میں بھی کامیاب ہو کر انعامات حاصل کرتے رہے۔ اور اسی نوخیزی کے زمانے میں بہادر شاہ ظفر کے کلام کا انتخاب کیا تھا اور مقدمہ بھی تحریر کیا تھا۔ ان کی اس پہلی تالیف کو انجمن ترقی اردو، دہلی نے ''انتخاب ظفر'' کے نام سے شائع کیا تھا۔ زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ حقی کی شاعری آگے بڑھتی رہی اور انھوں نے جو کلام اہل ادب کی خدمت میں پیش کیے وہ اپنی انفرادیت کے خود غماز تھے۔ مثلاً یہ اشعار:

تم سے الفت کے تقاضے نہ نبھائے جاتے
ورنہ ہم کو بھی تمنا تھی کہ چاہے جاتے

بے اثر کب رہی داستان وفا
جب چھڑی سننے والوں کو نیند آ گئی

ہم نے یہ درس پایا لے دے کے زندگی سے
افسانہ آدمی کا سچا ہے آدمی سے

ذوق نظر کے دم سے گوارا ہے رنج زیست
خود کو بھی دیکھتے ہیں تماشا سمجھ کے ہم

شان صاحب نے اپنی چونکا دینے والی شاعری کے تین مجموعے بہ عنوان ''تار پیراہن''، ''حرف دل رس'' اور ''دل کی زبان'' دنیائے اردو کو دیے۔ ممتاز ادیب علامہ نیاز فتح پوری نے حقی کی سخن سنجی کو یوں خراج تحسین پیش کیا ہے:

''وہ بہت سوچ سمجھ کے شعر کہتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اس عہد کے خوش فکر و خوش گو شاعروں میں حقی سب سے زیادہ صحیح اور بے عیب شعر کہنے والے ہیں۔''

شان الحق حقی اردو کے کہنہ مشق نقاد بھی تھے۔ انھوں نے ادب کے مختلف پہلوؤں پر جو تنقیدی مضامین سپرد قلم کیے وہ خاصے مبسوط اور فکر انگیز ہیں۔ مثلاً ان کے یہ مضامین زبان و ادب کی نئی جہت کا پتہ دیتے ہیں: اردو الفاظ میں چھوت چھات، زبان وسیلۂ آشتی، زبان اور تعلیم زبان، اردو شاعری میں غم ملت اور غم قوم اور کرخنداری اردو۔ علاوہ ازیں انھوں نے کامل سترہ سال تک اردو لغت بورڈ کے جریدے ''اردو نامہ'' کے لیے جو اداریے لکھے وہ حد درجہ عالمانہ اور محققانہ تھے۔ ان سے لسانیات کے مختلف گوشوں پر روشنی پڑتی ہے اور نئے نئے پہلو سامنے آتے ہیں۔ اسی طرح ''آجکل'' دہلی کے نائب مدیر ہونے کے ناطے اور ''ماہ نو'' کراچی کے مدیر اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے موصوف نے جو تنقیدی و تحقیقی مضامین تحریر کیے وہ ان کی عالمانہ بصیرت کے مظہر ہیں۔ حقی صاحب نے اپنی اردو تحریروں کے ذریعے قارئین کو پاکستان ثقافت، علاقائی ادب اور لوک ورثے سے متعارف کرانے کی سعی بلیغ بھی کی ہے۔ اس طرح قومی زبان اردو پاکستان کی دیگر زبانوں سے ہم آہنگ ہوئی ہے۔ یہ موصوف کا نہایت مثبت اقدام تھا۔

وہ ایک مشاق اور کامیاب مترجم بھی تھے۔ انھوں نے شکسپیر کے ڈرامے ''قلوپطرہ'' کا اردو میں منظوم ترجمہ کر کے اپنی قومی زبان کے دامن کو خاصا وسیع کر دیا ہے۔ اس حسن کارکردگی میں مزید اضافہ ہندوستانی مصنف چانکیہ کی شہرۂ آفاق اور کلاسیکی تصنیف ''ارتھ شاستر'' کے اردو ترجمے سے ہوا۔ حقی صاحب کے اس کام کی پذیرائی کا اندازہ اس امر سے لگائیے کہ ہندوستان کی کونسل فار پروموشن آف اردو نے اس کا ہندوستانی ایڈیشن نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے۔

ترجمہ نگاری ہی کے ضمن میں بھگوت گیتا کا منظوم ترجمہ بھی خاصے کی چیز ہے۔ انجمن ترقی اردو، دہلی نے اسے شائع کیا تھا۔ ادارے کے سکریٹری، ڈاکٹر خلیق انجم نے اپنے دیباچے میں لکھا ہے کہ ''حقی صاحب سے بہتر کسی اور نے گیتا کا اردو میں ترجمہ نہیں کیا۔'' یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔ بچوں کے اردو ادب کو بھی حقی صاحب نے اپنی نظم و نثر سے مالا مال کر دیا۔ ان کی دلچسپ نظمیں ننھے دلوں کو موہ لیتی ہیں۔

لیکن شان صاحب کی، اردو کے حوالے سے، نہایت اہم خدمت ''اردو لغت بورڈ'' کی معتمدی ہے جو کامل سترہ سال تک جاری رہی۔ ایک سرکاری ادارے کے ملازم ہوتے ہوئے، انھوں نے بلا معاوضہ اور نام و نمود کے شوق کے بغیر جس طرح خدمت لغت سازی کی ہے اس کی مثال دنیا کی کسی بھی زبان میں نہیں ملتی۔ موصوف نے اپنی ہر رخصت، چھٹی اور ہر چین آرام اس خدمت کے لیے تج دیا۔ اسناد کے ہزاروں کارڈ بنائے، سینکڑوں کتابیں تلاش اسناد کے لیے پڑھیں اور الف سے ی تک کا سارا مواد جمع کر دیا۔ پھر زندگی کے اختتامی دور میں موصوف نے آکسفورڈ انگلش/اردو ڈکشنری تنہا مرتب کر کے ایک بے مثال کارنامہ انجام دے دیا۔ افسوس کہ اردو کا ایک مخلص کارکن 11/اکتوبر 2005ء کو وطن سے دور ٹورنٹو میں راہیِ ملکِ عدم ہوا۔

(بشکریہ ''اخبار اردو'' اسلام آباد، پاکستان، دسمبر 2005ء)

□□□

تحریر: جی۔اے۔کلکرنی
ترجمہ: سلام بن رزاق

(مراٹھی کہانی)

قاصد

شہر کی جانب آنے والی شاہراہ پر ایک رتھ برق رفتاری سے چلا آرہا تھا۔ رتھ پر سمراٹ کا مخصوص نیلا پرچم لہرا رہا تھا۔ جس پر بڑے سے راج ہنس کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ دوار پال نے دور سے رتھ کو آتے ہوئے دیکھا اور جلدی سے دروازے کا بڑا سا ارگل ہٹا دیا۔ ارگل کے ہٹاتے ہی شہر پناہ کے اس عظیم الشان دروازے کے دونوں پھاٹک لوہے کے بھاری پنکھوں کی مانند دھیرے دھیرے پیچھے کی جانب کھلتے چلے گئے۔ شہر پناہ میں داخل ہوتے ہوئے بھی رتھ کی تیز رفتاری میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ گھوڑے ہوا سے باتیں کر رہے تھے اور سنگی پختہ سڑک پر سفید گھوڑوں کے ٹاپوں سے چنگاریاں سی چھوٹ رہی تھیں۔ سڑک پر چلنے والے لوگ پہلے تو چونکے پھر پلٹ کر رتھ کو دیکھا اور خوف سے دائیں بائیں سمٹ گئے۔ جوں ہی رتھ آگے بڑھا لوگوں کا ہجوم رتھ کے پیچھے دوڑنے لگا۔ ٹھیک شہر کے وسط میں بڑے چوک پر جب رتھ پہنچا سارتھی نے یک بیک پوری قوت سے لگام کھینچ لی۔ لگام کھینچتے ہی پارے کی مانند بے قرار کشادہ آنکھوں والے سفید گھوڑے ہنہناتے ہوئے اپنے پچھلے پیروں پر کھڑے ہو گئے۔ اُن کی گھنی ایالوں والی گردنیں سمندر کی بے چین موجوں کی مانند لمحہ بھر کو اوپر اُٹھ گئیں۔ برق آسا گھوڑے رک تو گئے مگر ان کی صبا رفتاری کا جوش ہنوز تمام نہیں ہوا تھا۔ پسینے سے شرابور اُن کے جسم ابھی تک کانپ رہے تھے۔

چوک کے اطراف ہجوم بڑھتا جا رہا تھا۔ ہر شخص رتھ سے قاصد کے اترنے کا بے چینی سے انتظار کرنے لگا۔ چوک کی ایک جانب راج کمار کا سات پھاٹکوں والا عظیم الشان محل تھا۔ داخلے کے بڑے دروازے پر دونوں جانب سنہرے النکاروں سے سجے چوڑے مستکوں پر سواستک کے نشان والے کوہ تن ہاتھی مستی میں ڈول رہے تھے۔ اُن کے گلوں میں بندھی گھنٹیاں ایک خاص لَے کے ساتھ ٹن ٹن بج رہی تھیں۔ چاروں طرف ایسا زبردست سناٹا تھا کہ اس سناٹے میں ان گھنٹیوں کی آواز کے سوا کوئی دوسری آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ راج کمار کے محل کے سامنے راج پروہت کا مٹھ تھا جس کا دروازہ اتنا بلند تھا کہ آٹھ آدمی ایک دوسرے کے کاندھے پر سوار ہو کر اُس سے آسانی کے ساتھ گزر سکتے تھے۔ سفید سنگ مرمر کی سیڑھیوں کا طویل سلسلہ اوپر تک چلا گیا تھا جہاں منقش ستونوں کے پاس دو بھکشو کیسری رنگ کے لباس میں مورتیوں کی مانند ساکت کھڑے تھے۔ اُن کی پشت پر مٹھ کا بڑا گول چبوترا خاموشی میں غرق تھا۔ جس کی چھت کے نیچے ایک بھکشو پتے کی مانند آہستہ آہستہ ایک طرف کو جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ شاہی قاصد اپنے معمول کے برخلاف بڑی ہڑبڑی میں رتھ سے اترا۔ تبھی اُس کے خادموں نے زور زور سے قرنا پھونکنا شروع کر دیا۔ اُس آواز سے جیسے خفتہ محل اچانک بیدار ہو گیا اور چاروں طرف سے انسانی شور سنائی دینے لگا۔ اس شور میں ہاتھیوں کی گھنٹیوں کی مدھر آواز دب کر رہ گئی۔ محل کے وسیع و عریض آنگن میں سرخ پوش سپاہی دو رویہ قطاروں میں چاق و چوبند گردن جھکائے کھڑے ہو گئے۔ راج کمار سنہرے رنگ کے زرق برق لباس میں انتہائی باوقار اور پُر تمکنت انداز میں سیڑھیاں اترنے لگا اور محل کے بڑے دروازے کے پاس آ کر رک گیا۔ مٹھ میں بھی کیسری رنگ کی چادریں لپیٹے بھکشو اکٹھا ہونے لگے۔ جنھیں دیکھ کر لگتا تھا زرد رنگ کے پھولوں کی بکھری ہوئی پنکھڑیاں سمٹ کر پھولوں کی ایک مالا میں تبدیل ہو رہی ہیں۔ راج پروہت دبیز ریشمی چادر اوڑھے آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترنے لگے۔ اُن کی ایک جانب ایک بھکشو جس کے سینے پر مقدس یگیہ کے شعلوں کا نشان تھا اپنے ہاتھ میں ایک عصاء لیے چل رہا تھا جس کا اوپری سرا کنول کے پھول سے مشابہ تھا۔ یہ عصا راج پروہت کے وسیع اختیارات کی نشاندہی کرتا تھا۔ دوسرا بھکشو ان کے سر پر ریشمی کیسری رنگ کی چھتری کھولے ان سے دو قدم پیچھے ادب سے چل رہا تھا۔ شاہی قاصد کو یہ دیکھ کر اندر سے فخر کا احساس ہوا کہ وہ اس ہجوم میں ہر خاص و عام کی نگاہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اُس کے مُعمر چہرے پر مسرت کی جھلک صاف دکھائی دے رہی تھی۔ وہ ایک شانِ استغناء کے ساتھ ذرا سا آگے بڑھا اور اس نے راج کمار اور راج پروہت کے سامنے رسماً تھوڑا سا جھک کر انھیں پرنام کیا۔ پھر ادب سے بولا" راجن! آج میں سمراٹ دھرم بھوشن کے خصوصی ایلچی کی حیثیت سے یہاں حاضر ہوا ہوں۔ سمراٹ شکار میں مصروف تھے کہ کنول جھیل کے کنارے سیلیشور مندر کے پاس انھیں ایک عجیب و غریب بشارت ہوئی اور انھوں نے بہ عجلت اس خادم کو روانگی کا حکم دیا ساتھ ہی مجھے خصوصی ہدایت دی گئی ہے کہ سمراٹ کا پیغام بہ نفسِ نفیس رعایا کے روبرو پیش کروں۔ سمراٹ شکار سے دستبردار ہو کر غور و فکر کی خاطر کسی نامعلوم گوشے میں روپوش ہو گئے ہیں۔ سمراٹ اس قدر عجلت میں تھے کہ انھوں نے شاہی پروانہ لکھنے اور اس پر اپنی مہر ثبت کرنے کی رسمی کارروائی میں وقت ضائع کرنے کی بجائے مجھے زبانی پیغام دے کر روانہ کر دیا اور یہ خادم متواتر دو روز سے سفر کرتا ہوا بغیر خواب وخور کے حاضرِ خدمت ہوا ہے۔ سمراٹ کا حکم ہے کہ پیغام براہ راست رعایا

کے روبرو پیش کیا جائے۔ ہر باعزت شہری کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ ممکن ہو تو اس پیغام کو عملی جامہ پہنانے میں حکومت کی اعانت کرے۔ ملک وقوم کی سلامتی کا دارومدار اسی بات پر ہے کہ اس شاہی فرمان پر فوری طور پر عمل کیا جائے سمراٹ کا حکم ہے کہ...... چاروں طرف ایک اذیت ناک خاموشی چھا گئی غیر ارادی طور پر راج کمار ایک قدم آگے بڑھا۔ مقدس پروہت نے ایک دوسرے میں پھنسی اپنی اُنگلیوں کو آزاد کیا اور دوبارہ ایک دوسرے میں پھنسا دیں۔ ہاتھیوں کے گلے کی گھنٹیوں کی آواز دوبارہ گونجنے لگی۔ دو سپاہیوں نے اُن پر ہاتھ رکھ کر اُنھیں شانت کر دیا۔

''سمراٹ کا حکم ہے کہ...... حکم ہے کہ......'' قاصد نے دوبارہ کچھ کہنے کی کوشش کی مگر یک بیک اُس کا گلا رُندھ گیا اور الفاظ جیسے اُس کے حلق میں پھنس کر رہ گئے۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے دُھند چھا گئی اور وہ بے حس و حرکت سامنے خلا میں گھورتا کھڑا رہ گیا۔ کچھ پل اِسی طرح گزر گئے۔ رعایا میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی اور راج کمار کی پیشانی پر اضطراب کی ایک مہین سی سلوٹ اُبھر آئی۔ ریشمی لباس کے اندر پروہت کے ہاتھوں کی اُنگلیاں غیر ارادی طور پر اضطرابی کیفیت کے ساتھ اُوپر نیچے حرکت کرنے لگیں۔ قاصد کے ہونٹ بے مقصد لرز رہے تھے۔ اُس کے معمر چہرے پر اندرونی کرب اور بے چارگی کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ راج کمار کے قریب کھڑے منتری نے دبے لہجے میں قاصد کو ہشکارا...... یکا یک راج کمار قاصد کے قریب آیا اور مسکراتا ہوا بولا۔

''شری پاد! لگتا ہے لگا تار سفر نے آپ کو کافی تھکا دیا ہے۔ پھر فرض کی ادائیگی کی بھاری ذمے داری نے بھی آپ کے اعصاب کو متاثر کیا ہوگا۔ لیکن آپ تردّد نہ کریں۔ میں سمجھ گیا ہوں شاہی پیغام کیا ہو سکتا ہے؟ مہاراج مدّت مدید سے ولی عہد کے مسئلے کو لے کر کافی فکر مند تھے۔ غالبًا اُنھوں نے اس عظیم ذمے داری کے لیے مجھے منتخب کیا ہوگا۔''

معًا راج پروہت عصابردار خادم کے ساتھ دو جگشوؤں کی معیت میں آگے بڑھے۔ اُن کے چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے اور ہونٹ سختی سے بھنچے ہوئے تھے۔ اس لیے اُن کا چہرہ معمول سے زیادہ تنا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

''راجن!'' وہ راج کمار سے مخاطب ہوئے ''ممکن ہے آپ کا اندازہ درست ہو۔ مگر ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ مہاراج ایک خداترس انسان ہیں۔ وہ ملک میں ایک ایسی حکومت چاہتے تھے جو مذہبی اصولوں پر قائم ہو۔ ایک ہفتہ قبل ہی مجھے اُن سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اُس وقت وہ اِسی فکر میں مبتلا تھے۔ میں نے اُنھیں یقین دلایا تھا کہ اگر ایسا موقع آ گیا تو میں دھرم شاسن کی ذمے داری قبول کرنے کو تیار ہوں۔ تب اُن کے چہرے پر نہ صرف قلبی اطمینان کی جھلک دکھائی دی بلکہ اُن کی آنکھوں سے احسان مندی بھی ظاہر ہو رہی تھی۔ لگتا ہے سمراٹ کو دھرم شاسن کی بشارت ہو گئی ہے۔ مجھے یقینِ کامل ہے کہ قاصد کے ذریعے انھوں نے یہی پیغام بھیجا ہوگا۔''

راج کمار نے نہایت ادب سے راج پروہت کی دلیل کو رد کرتے ہوئے کہا۔

''راج گرو اِس میں شبہ کی شمہ برابر گنجائش نہیں کہ دھرم شاسن ایک مقدس اور اہم فریضہ ہے۔ مگر یہ فریضہ اُسی وقت قابلِ عمل ہو سکتا ہے جب ریاست کا ولی عہد بھی منتخب ہو جائے۔ ایک مضبوط حکومت کے بغیر آپ دھرم شاسن کا تصور کیسے کر سکتے ہیں؟''

پروہت کی چوڑی پیشانی پر خفگی کی ایک ہلکی سی شکن اُبھری اور ڈوب گئی۔ ہونٹ کچھ زیادہ ہی سختی سے ایک دوسرے پر جم گئے مگر دوسرے ہی لمحے اُنھوں نے اپنے اندرونی اُبال پر قابو پا لیا اور نہایت عیاری سے لہجے کو ملائم بناتے ہوئے بولے۔

''کس میں جرأت ہے کہ آپ کی بات کو رد کرے۔ مگر سمراٹ ابھی برسر اقتدار ہیں۔ ایشور اُنھیں سلامت رکھے۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ وراثت کا تصفیہ ہم اُن کی مرضی پر چھوڑ دیں۔''

قاصد پتھر کی مورت کی طرح بے حرکت کھڑا تھا۔ دفعتاً اُس کے ہونٹ ہلے۔ وہ بھرّائے ہوئے لہجے میں کہنے لگا۔

''خادم معافی چاہتا ہے۔ میری یادداشت یک لخت منجمد ہو گئی ہے۔ مگر میں یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اُن کا پیغام ولی عہد سے متعلق قطعی نہیں تھا۔ اس صورت میں فرمان نامہ شاہی مہر کے ساتھ جاری ہوتا اور سفید سفارتی پرچم پر تلوار کا نشان ہوتا۔''

قاصد کے اِن الفاظ کے ساتھ ہی راج کمار کے چہرے پر مردنی چھا گئی اور پروہت کے ہونٹ مزید بھنچ گئے۔ قاصد آگے کہہ رہا تھا۔

''اور سمراٹ کا پیغام، دھرم شاسن سے متعلق بھی نہیں ہے۔ سب جانتے ہیں کہ دھرم شاسن کا پیغام لانے والے سفیر کے پرچم پر 'کمنڈل' کا نشان ہوتا ہے۔ یہ دونوں سفیر سمراٹ کے ہمرکاب تھے۔ اس کے باوجود سمراٹ نے اس پیغام کے لیے میرا انتخاب کیا تھا۔''

''راج دوت! ممکن ہے اس طویل سفر نے آپ کو ہلکان کر دیا ہو۔ تھکن دور ہو جانے پر آپ کی یادداشت روشن ہو جائے گی۔ لٰہذا ہماری مودبانہ التماس ہے کہ آپ ہماری میزبانی قبول فرمائیں اور راج محل میں چل کر قدرے ستالیں۔ ہم آپ کے شکرگزار ہوں گے۔''

منتری نے راج کمار کی طرف نگاہ کرتے ہوئے تجویز رکھی۔ راج کمار منتری کی اس حاضر دماغی پر دل ہی دل میں عش عش کرنے لگا۔ پھر اُس نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر دو سپاہیوں کو اشارہ کیا اور بولا۔

''منتری جی کی یہ تجویز انتہائی معقول ہے۔ اس پر فوراً عمل کیا جائے۔''
مجبوراً مقدس پروہت کو بھی بولنا پڑا۔

''ہم بھی انتہائی انکساری کے ساتھ اس تجویز کی تائید کرتے ہیں۔'' پھر وہ ایک چوڑے سپاٹ چہرے والے بھکشو کی طرف مڑے اور بولے ''بھدرا نند! ہم پر بھی کچھ ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں۔ تم راج کمار کے شاہی مہمان خانے میں قاصد کے ساتھ جاؤ۔ شب و روز ان کی خدمت میں رہ کر شاہی خدمت گاروں کی مدد کروں۔''

بھدرانند پروہت کے پہلو سے یوں نکلا جیسے اُن کا سایہ اُن سے جدا ہو رہا ہو۔ وہ نپے تلے قدم اُٹھاتا ایلچی کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ راج کمار کا چہرہ پروہت کی اس چال پر غصے اور شکست سے سُرخ ہو گیا اور اس سے قبل کہ اُس کی زبان سے کوئی ایسی ویسی بات نکلے منتری نے ہلکے سے اُس کا ہاتھ دبا دیا۔ راج کمار کو مجبوراً پھر ضبط کرنا پڑا۔ قاصد اب بھی سکتے کے عالم میں کھڑا تھا۔ ایک خدمت گار نے آگے بڑھ کر اُس کا ہاتھ تھام لیا اور اُسے لیے ہوئے محل کی طرف بڑھا۔ بھدرانند پرچھائیں کی طرح اُن کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

محل میں ایلچی کو ایک نرم آرام دہ گدی پر بٹھایا گیا۔ بھدرانند سامنے ایک گوشے میں اپنی چادر بچھا کر اس طرح بیٹھ گیا جیسے محل کی دیواروں پر کندہ مورتیوں میں سے ایک مورتی ہو۔ قاصد کے حمام کے لیے معطر گرم پانی تیار کیا گیا۔ غسل کے بعد ایک حسین دوشیزہ نے اُس کے لیے ایک ملائم بستر تیار کیا اور دست بستہ اُس کی خدمت میں کھڑی ہو گئی۔ پھر قاصد کے سامنے انواع واقسام کے پرتکلف کھانے چنے گئے۔ راج کمار کے تحت احکامات تھے کہ قاصد کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہ رہنے پائے۔ مگر ایسا لگ رہا تھا کسی نامعلوم صدمے سے ایلچی کی ساری حسیات مردہ ہو گئی ہیں۔ شام ہوئی۔ تاریکی پھیلی۔ جواہرات سے مزین چراغ روشن ہوئے۔ پھر اُن چراغوں کی روشنی صبح کے اُجالوں میں تحلیل ہو گئی۔ مگر قاصد کی آنکھ تک نہ جھپکی۔ بھدرانند بھی برابر جاگ رہا تھا۔ اُدھر راج کمار رات بھر اپنی خواب گاہ میں اضطراب کے عالم میں ٹہلتا رہا۔ وقفے وقفے سے خدمت گار قاصد کی کیفیت معلوم کرتے اور راج کمار کو پل پل کی خبر دیتے رہے۔ جب صبح تک ایلچی کی حالت میں کوئی واقع نہیں ہوئی تو راج کمار کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ بالآخر صبح کی پہلی کرن کے ساتھ ہی راج کمار اپنے منتری اور خدمت گاروں کے ساتھ قاصد کے سامنے آوارد ہوا۔

''اگر چند لمحوں کے اندر تجھے وہ شاہی پیغام یاد نہیں آیا تو میں خود اپنے ہاتھوں سے تیری گردن مار دوں گا۔'' راج کمار غصے سے کانپتا ہوا بولا۔ ان الفاظ کے ساتھ اُدھر بھدرانند سنبھل کر بیٹھ گیا۔ منتری موقعے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے راج کمار سے مخاطب ہوا۔

''راجن! برسر عام اپنے غضب کا اظہار کرنا شاہوں کو زیب نہیں دیتا۔ ناچیز کی درخواست ہے کہ ولی عہد سلطنت اپنے روایتی تحمل کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔''

''لیکن منتری یہ ہمارا محل ہے اور یہاں کی ہر شئے پر ہمارا اختیار ہے۔''

''آپ بجا فرماتے ہیں۔ محل آپ کا ہے مگر موقعے کی نزاکت کا لحاظ بھی واجب ہے۔'' منتری نے بھدرانند کی طرف دیکھتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''غالباً وہ قول تو آپ کو یاد ہی ہوگا کہ غیر کے وجود سے خواب گاہ، طوائف گھر میں بدل جاتی ہے اور اجنبی لمس زندہ کو مردہ کر دیتا ہے۔ میرا حقیر مشورہ ہے کہ اب قاصد سے صحیح بات اُگلوانے کے لیے ہمیں کوئی دوسری ترکیب اختیار کرنی پڑے گی۔ جو مسئلہ صبر سے حل نہ ہوتا ہو وہ بعض اوقات جبر سے حل ہو جاتا ہے۔ آپ مجھے اپنی ترکیب استعمال کرنے کی اجازت دیجئے۔''

راج کمار نے اثبات میں گردن ہلا دی اور منتری نے فوراً ایک خدمت گار کو اشارہ کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں سپاہی ایک طویل قامت قوی الجثہ شخص کے ساتھ محل میں داخل ہوا۔ وہ شخص سر سے پاؤں تک سیاہ لباس میں ملبوس تھا اور اس کے ہاتھ میں تین مختلف قسم کے چمکدار اوزار تھے۔ سیاہ پوش کی آمد سے اس وسیع و عریض کمرے میں ایک مہیب سایہ سا پھیل گیا۔ بھدرانند بھی ایک جھٹکے سے اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔

''راج دوت! شاہی پیغام یقیناً ولی عہد کے بارے میں ہے۔ مگر اتفاق سے اس وقت آپ کی یادداشت آپ کا ساتھ نہیں دے رہی ہے۔''

منتری کا لہجہ سرد اور سفاک تھا۔ ''آپ کی کھوئی ہوئی یادداشت کی بازیابی کے لیے بندہ آپ کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ اسی مقصد کے تحت اس شخص کو یہاں طلب کیا گیا ہے۔ یہ اپنے ہنر میں یکتا ہے۔ یہ انسان کے جسم سے اُس کی کھال ایسے اُتارتا ہے جیسے موز سے چھلکا اتارا جاتا ہے۔ ہم نے اسے حکم دیا ہے کہ یہ آپ کو اپنے ہنر کا ادنیٰ سا نمونہ دکھائے۔''

چاروں طرف خوف کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ لیکن قاصد اس طرح بے حس و حرکت بیٹھا رہا جیسے ان سارے معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ منتری نے لحہ بھر توقف کیا کہ شاید قاصد کی جانب سے کوئی ردعمل ہو پھر سیاہ پوش کی طرف مڑا اور اُسے کچھ اشارہ کیا۔ سیاہ پوش آہستہ آہستہ چلتا ہوا قاصد کے قریب پہنچا اور ایک جھٹکے کے ساتھ اس کی پشت پر سے اس کا پیرہن چاک کر دیا۔ قاصد کی پشت بے لباس ہو گئی۔ پھر اس نے ایک تیز اوزار سے اُس کی پیٹھ پر ایک مہین سی خونی لکیر کھینچی۔ راج دوت نے سسکاری سی لی۔ پھر دوسرے ہی لمحے سیاہ پوش نے چٹکی سے پکڑ کر اس کی پیٹھ سے ہتھیلی کے برابر کھال کھینچ لی۔ قاصد پہلے تو ناقابل برداشت درد سے زخمی سانپ کی مانند بل کھانے لگا۔ پھر فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔ راج کمار کے چہرے پر مایوسی کی

جھلک کے ساتھ برہمی کے آثار بھی تھے۔ تبھی قاصد تڑپ کر دوبارہ اٹھ بیٹھا اور کراہتا ہوا بولا۔

''مجھے یوں تڑپا تڑپا کر مارنے کی بجائے میری گردن اُڑا دو۔ میں آپ کا احسان مند ہوؤں گا۔ یہ سچ ہے کہ مجھے سمراٹ کا پیغام بھول گیا ہے مگر میں قسم کھاتا ہوں کہ وہ پیغام ولی عہد سے متعلق قطعی نہیں تھا۔''

راج کمار غصے سے بپھر گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر پوری قوت سے قاصد کے ایک ٹھوکر لگائی۔ قاصد دوہرا ہو کر ایک طرف کو لڑھک گیا۔

''اسے محل کے باہر کتوں کے آگے پھنکوا دو۔'' راج کمار نے طیش میں آ کر حکم دیا اور منتری کے ساتھ محل میں ایک طرف کو چلا گیا۔

سیاہ پوش نے قاصد کو کسی غلیظ کپڑے کی طرح گردن سے پکڑ کر اٹھایا اور باہر سڑک پر ڈال دیا۔ اُس کے دھاردار ہتھیاروں پر قاصد کے خون کے نشانات تھے اُس نے قاصد کے کپڑوں سے انھیں صاف کیا اور ایک سمت کو چل دیا۔ بھدرانند قاصد کے قریب آیا۔ وہ بے حس و حرکت پڑا تھا مگر ابھی اس کا سانس چل رہا تھا۔ اُس نے دو بھکشوؤں کو بلایا۔ انھوں نے قاصد کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا لیا اور بڑی مشکل سے زینے چڑھتے ہوئے راج پروہت کے سامنے حاضر ہوئے۔ بھدرانند نے شروع سے آخر تک ساری روداد سنا دی اور گویا ہوا۔

''ہو سکتا ہے۔ مٹھ کی شانت اور پاکیزہ فضا میں اس کی یادداشت واپس لوٹ آئے۔ مگر میرا طریقۂ کار جداگانہ ہے۔ محل کا عیش و آرام اُس سے جو بات اگلوا نہیں سکا بھوک اور فاقہ اس سے اُگلوا سکتے ہیں۔''

راج پروہت کی اجازت پاتے ہی بھدرانند نے قاصد کو بھکشوؤں کی ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں قید کر دیا اور نرم سپاٹ لہجے میں بولا۔

''میں سمجھتا ہوں آپ کے حق میں یہ بہتر ہوتا کہ آپ سمراٹ کے پیغام کو یاد کریں اور بتائیں کہ وہ ہمارے راج کے متعلق ہی تھا۔ جب تک آپ کو پیغام یاد نہیں آتا آپ خورد و نوش سے محروم رہیں گے۔ اگر آپ کی یادداشت بازیاب ہوگئی تو آپ کی خدمت میں ایسے ایسے کھانے پیش کیے جائیں گے کہ شاہی دسترخوان بھی اس کے سامنے ہیچ نظر آئے گا۔ ذرا اُدھر نظر کیجیے۔ اُس سنگی کبوتر کے پروں پر دھوپ موجود ہے۔ نیچے کنول کا پھول ہے۔ اگر آپ اپنی جان کی سلامتی چاہتے ہیں تو اس سے قبل کہ دھوپ کنول کی پتیوں کو چھونے لگے سمراٹ کا پیغام یاد کر لیجیے۔''

بھکشوؤں کی اُس تنگ و تاریک کوٹھری میں قاصد اُسی طرح بے حس و حرکت پڑا رہا۔ اب اس کی آنکھوں میں ایسا خالی پن تھا کہ اُن میں اُس کی پیٹھ کے دہکتے زخم کا احساس تک فنا ہو گیا تھا۔ دھوپ سنگی کبوتر کے پروں پر سے رینگتی ہاتھی کے مجسمے کو چومتی ہزار پنکھڑیوں والے کنول کے پھول پر اتر آئی۔

کنول کے نیچے جھیل کا پانی لمحے بھر کو جھلملایا۔ کنارے کے درختوں کے پتے پل بھر کو سنہری ہو گئے اور دوسرے ہی لمحے دھندلا گئے۔ یہ سب ہوا مگر قاصد کے چہرے کی بے تعلقی جوں کی توں قائم رہی۔ اُس کے ہونٹوں سے ایک لفظ تک ادا نہیں ہوا۔ بھدرانند کے غیر جذباتی چہرے پر بھی اب اضطراب اور غیظ کے آثار دکھائی دینے لگے۔ وہ بولا۔

''اب اسے نیچے تہہ خانے میں ایذا رسانی والے کمرے میں لے چلو۔''

بھکشوؤں نے جب قاصد کو اُس تنگ کوٹھری سے باہر نکالا تب اُس کا جسم بے حد لاغر ہو چکا تھا۔ چہرے کی ہڈیاں اُبھر آئی تھیں۔ وہ اُسے مٹھ کے نچلے وسیع تہہ خانے میں لے آئے اور تہہ خانے کے وسط میں ایک چبوترے پر اُسے لٹا دیا۔ پھر دونوں بھکشوؤں نے اُسی چبوترے میں لگی زنجیروں سے اس کے ہاتھ پاؤں کس کر باندھ دیے۔ قاصد نے دھیمے سے سانس لے کر آنکھیں کھول دیں اور دھیرے دھیرے چاروں طرف نظریں گھمائیں۔ دیواروں پر جگہ جگہ تیل میں بھیگی مشعلیں جل رہی تھیں جن کی کپکپاتی روشنی میں ایذا رسانی کے عجیب و غریب اوزاروں کی پرچھائیاں کالی چڑیلوں کی مانند رقص کر رہی تھیں۔ چبوترے کے عین اوپر تانبے کا ایک سُرخ ہنڈولا آویزاں تھا۔ ہنڈولے کے گرد ایک دائرہ نما آہنی چکری میں آگ کی ننھی ننھی زبانیں لپلپا رہی تھیں۔ یہ منظر دیکھتے ہی قاصد اپنی پشت کے زخم کی تکلیف بھی بھول گیا اور ڈوبتے لہجے میں بولا۔

''دھرم گرو! میں نہیں جانتا کہ آپ میرے ساتھ اب کیا سلوک کرنے والے ہیں لیکن میری درخواست ہے کہ میرے لیے ایسی سزا تجویز کریں کہ فی الفور میری موت واقع ہو جائے۔ اب مزید اذیت جھیلنے کی میرے جسم میں سکت نہیں ہے۔''

بھدرانند خاموش رہا۔ تھوڑی دیر میں وہ بھکشو واپس آ گیا جسے کچھ دیر قبل بھدرانند نے کسی کو بلانے بھیجا تھا۔ بھکشو کے پیچھے پیچھے سیاہ لباس میں ملبوس وہی سیاہ پوش چبوترے کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

''دیکھو! راج دوت کو سب سے پہلے اُس 'روغنی چراغ' کے تجربے سے آشنا کراؤ۔ کبھی کبھی سفاکی سے پہنچائی جانے والی شدید ضرب سے زیادہ ہلکی نرم چوٹ زیادہ کارگر ہوتی ہے۔ اُس روغنی ہنڈولے کو اُس وقت تک روشن رکھا جائے جب تک راج دوت کی یادداشت واپس نہیں آ جاتی۔''

اُس کے اشارے پر سیاہ پوش زینہ چڑھ کر اوپر پہنچا اور اُس نے آہنی چکری میں روشن لوؤں کو تیز کر دیا۔ آگ کی لپلپاتی زبانیں بلند ہوئیں اور تانبے کے ہنڈولے کو چاٹنے لگیں۔ نیچے ایذا رسانی کے اس وسیع کمرے میں کیسری چادریں اوڑھے بھکشو اکٹھا ہونے لگے اور اپنی اپنی سانسیں روک کے اس منظر کو دیکھنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں تانبے کا ہنڈولا تپ کر لہو رنگ ہو گیا۔ تب

سیاہ پوش نے اُس ہنڈولے کے چیندے میں بنے باریک سوراخ پر لگے ننھے سے ڈھکن کو ہٹا دیا۔ کھولتے تیل کا ایک گول موٹا سا شفاف قطرہ تیزی سے نیچے ٹپکا اور قاصد کے ننگے بدن پر گرا۔ جوں ہی قطرہ جلد سے مَس ہوا اُس کے بدن پر اندر سے بُلبلے کی مانند ایک موٹا سا آبلہ نمودار ہو گیا اور ارد گرد کی جلد جھلس کر سیاہ پڑ گئی۔ ناقابلِ بیان درد سے قاصد سر سے پاؤں تک اینٹھ کر رہ گیا اور ایک دلدوز چیخ اس کے پھٹے ہوئے گلے سے برآمد ہوئی۔

''اسی طرح وقفے وقفے سے ایک ایک قطرہ ٹپکاتے رہو۔'' بھدرانند نے سرد لہجے میں سیاہ پوش کو ہدایت دی۔

''نہیں....نہیں....میری گردن ماردو۔ ایشور کے لیے مجھ پر اتنی دیا کرو۔'' قاصد گڑگڑایا۔

وقفے وقفے سے مزید دو چار قطرے قاصد کے بدن پر ٹپکے اور وہ ہر قطرے پر زخمی سانپ کی طرح بل کھا کر رہ گیا۔

''بولو! سمراٹ کا پیغام دھرم گرو کے متعلق ہی تھا نا؟'' بھدرانند نے بے حد ملائم لہجے میں پوچھا۔

''نہیں مجھے اس وقت بھی کچھ یاد نہیں آ رہا ہے۔'' قاصد نے ڈوبتی شکستہ آواز میں کہا۔ ''مگر وہ پیغام دھرم شاسن کے بارے میں نہیں تھا۔''

خود راج پروہت آہستہ آہستہ چلتے ہوئے قریب آ کر کھڑے پورا ماجرا دیکھ رہے تھے۔ اُن کی آمد کی کسی کو خبر نہیں ہوئی۔ انھوں نے مایوسی سے گردن ہلائی اور بولے۔

''بھدرانند! اس غلیظ سور کو شمشان میں پھنکوا دو ورنہ خواہ مخواہ اس کی ہتیا کا پاپ ہمارے سر آئے گا۔''

بھدرانند نے اثبات میں گردن ہلائی۔ راج پروہت واپس لوٹ گئے۔
بھدرانند نے پروہت کی ہدایت کو خاموشی سے مان تو لیا مگر اُس کا چہرہ کرخت ہو گیا تھا۔ اُسے وہ ذلیل طوائف یاد آئی جسے یہ معلوم تھا کہ راج پروہت کا ایک ناجائز بیٹا کہاں پرورش پا رہا ہے۔ اُس کی بوٹی بوٹی الگ کر دی گئی مگر اُس نے اپنی زبان نہیں کھولی تھی۔ اس کے بعد بھدرانند کی یہ دوسری بڑی ناکامی تھی۔ اُس کے مطابق ابھی ایسی ایذائیں باقی تھیں کہ اس کمینے قاصد کو زبان کھولنے پر مجبور کیا جا سکتا تھا۔ یہ سیاہ پوش بڑی صفائی سے گرم سلاخ کو حلق میں ڈالنے کا فن جانتا تھا یا پھر ایک ہاتھ کو باندھ کر اُس پر خون چوسنے والی جونکیں چھوڑی جا سکتی تھیں۔ یہ ترکیب بعض اوقات بڑی کارآمد ثابت ہوئی تھی۔ یا ضرورت پڑنے پر اُس کے جسم کے گوشت والے حصوں میں کھوکھلی میخیں ٹھونک کر ان میں سوزش پیدا کرنے والا ترش زہریلا مادہ بھرا جا سکتا تھا۔ سچ پوچھیے تو اُسے اُس وقت راج پروہت کا آنا اور ان کا اس طرح قاصد کو شمشان میں پھنکوانے کا حکم دینا اچھا نہیں لگا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ راج پروہت کی آمد کی خبر دینے کا کام جس بھکشو کے سپرد تھا وہ خوف کے مارے ایک کونے میں کھڑا کانپ رہا تھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی بھدرانند کے غصے کی انتہا نہ رہی۔ اُس نے اُسی وقت حکم دیا کہ اپنے فرض سے لاپرواہی برتنے کے جرم میں اُس بھکشو کو تین پہر سانپ گھر میں قید رکھا جائے اور ساتھ ہی کرخت آواز میں گرجا ''اور اسے شمشان میں پھینک دو۔'' اور غصے سے مڑ کر باہر نکل گیا۔

سانپ گھر کا نام سنتے ہی دوسرے بھکشو بے اختیار ہنسنے لگے۔ کسی نووارد بھکشو کو اُس کی کسی خطا پر سانپ گھر میں بند کر دیا جاتا تھا۔ سارے سانپ غیر زہریلے ہوتے تھے مگر نووارد بھکشو اس بات سے لاعلم تھا اور جب سانپ اس کے جسم پر رینگنے لگتے تو خوف اور دہشت سے اس کی مضحکہ خیز حرکتیں دیکھ دیکھ کر باقی بھکشو ہنسی سے بے حال ہو جاتے۔ پھر وہ ایک دوسرے کو بتاتے کہ اسی طرح صرف خوف اور دہشت سے دو بھکشوؤں کی موت واقع ہو گئی تھی اور ان کے مردہ جسموں کے نیچے تین سبز رنگ کے بے ضرر سانپ کچلے گئے تھے۔

بھدرانند کے جاتے ہی وہ سارے بھکشو استہزائیہ انداز میں ہنستے کلکارتے اس خوف زدہ بھکشو کے گرد جمع ہو گئے۔ دو بھکشوؤں نے بڑی بے دردی سے قاصد کو اٹھایا اور اُسے شمشان میں لے جا کر پھینک دیا۔ پھر پیچھے پلٹ کر دیکھے بغیر مٹھ میں واپس آ گئے کہ مبادا 'سانپ گھر' میں ہونے والے دلچسپ تماشے سے محروم نہ رہ جائیں۔

قاصد کا جسم تقریباً سرد ہو چکا تھا۔ شمشان کے ننگے فرش کے سخت لمس کی وجہ سے اُس کے ہونٹوں سے ہلکی کراہ نکلی۔ مگر بعد میں وہ دیر تک بے حس و حرکت پڑا رہا۔ شمشان کے چاروں طرف گھنے درخت تھے اور پورے شمشان میں لمبی لمبی گھاس اُگی ہوئی تھی۔ شمشان پر گہری خاموشی طاری تھی۔ کبھی کبھی کسی کیڑے کی کر کر یا کسی پرندے کی چہکار سے اُس گہری خاموشی کی چادر پر جیسے چھینٹے سے پڑ جاتے۔ تھوڑی دیر بعد قاصد نے آنکھیں کھولیں۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا وہ شکستہ جسم اُس کا اپنا نہیں ہے بلکہ وہ اپنے پورے وجود کے ساتھ بہت گہرے کہیں دبکا سہما سا بیٹھا ہے۔ اس کے ننگے پیروں پر کچھ کیڑے مکوڑے رینگنے لگے۔ مگر اپنے پیروں کو ہلانے تک کی اُس میں سکت باقی نہیں تھی۔ تھوڑی دیر بعد گھاس پر کسی کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ پھر کوئی اس پر جھکا اُسے گردن کے نیچے سے سہارا دے کر اٹھایا اور اس کے ہونٹوں سے ایک پیالہ لگا دیا۔ پیالے میں کسی قسم کا گرم مشروب تھا۔ اُس گرم مشروب کا ایک گھونٹ حلق سے نیچے اترتے ہی اُسے اپنے مردہ بدن میں کچھ جان سی پڑتی محسوس ہوئی۔ مگر دوسرے ہی لمحے درد کا احساس بھی شدید ہو گیا۔ اُس نے ضبط کرتے ہوئے رُک رُک کر کہا۔

''اب....تم....مجھے کون سی....اذیت دینا چاہتے ہو؟''

اُس شخص نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ نہایت احتیاط سے اُسے اٹھا کر بٹھا دیا اور اُس کے زخموں سے چُور جسم پر ایک دبیز ملائم چادر ڈال دی۔

''میں تمھیں کوئی اذیت دینا نہیں چاہتا۔'' اُس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اس شمشان کی بغل میں میری کٹیا ہے۔ میں تمھیں وہیں لے جانے کے لیے آیا ہوں۔ وہیں تم بے خوف ہو کر آرام کر سکتے ہو۔ وہاں محل اور مٹھ کا سا آرام تو میسر نہیں ہے۔ مگر وہاں روٹی کی خاطر کسی کو اذیت بھی جھیلنی نہیں پڑتی۔''

محل اور مٹھ کا نام سنتے ہی قاصد کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ وہ بولا۔

''تم کوئی بے حد رحم دل انسان معلوم ہوتے ہو۔ مگر اب کافی دیر ہو چکی ہے۔ تمھاری رحم دلی اب مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ اگر تم مجھے اپنے گھر لے بھی گئے تو تھوڑی دیر بعد دوبارہ یہیں لانا پڑے گا۔ اس لیے کیا میرا یہیں پڑا رہنا مناسب نہیں؟ اب میرا جسم جلنے ڈلنے سے بھی قاصر ہے۔ میرے جسم کو غور سے دیکھو۔ پشت پر جہاں سے کھال ادھیڑی گئی ہے اگر ہوا کا معمولی جھونکا بھی چھو جاتا ہے تو پورے جسم میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگتی ہیں۔ اور ادھر دیکھو جسم پر جو آبلے ہیں ان میں تو جیسے انگارے بھرے ہوئے ہیں۔''

''راج دوت! میں معافی چاہتا ہوں۔ مجھے تمام باتوں کا علم ہے۔'' اس لمبے تڑنگے گنوار شخص نے کہا'' شاید تم نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں وہی سیاہ پوش ہوں جس نے تمھاری پیٹھ کی کھال اُدھیڑی تھی۔ تمھارے جسم پر کھولتے تیل کے قطرے ٹپکائے تھے۔ میں ڈوم ہوں اور یہ سب میرے فرائض میں شامل ہے۔ مگر اب میں اپنا سیاہ لباس اتار چکا ہوں۔ اب میں آزاد ہوں۔ لہٰذا مجھ پر اعتماد کرو اور میرے ساتھ چلو۔'' اس کے الفاظ سے قاصد کو ایسا لگا جیسے اُس پر بجلی گری ہو۔ رگ و پے میں چھائی ہوئی بے حسی اچانک پگھلنے لگی اور دل و دماغ پر مسلط غبار چھٹنے لگا بہت اندر کہیں جو زندگی کی ایک ننھی سی رمق رہ گئی تھی وہ تیز ہونے لگی اور یکا یک اندر سے جیسے اس کا پورا وجود روشن ہو گیا۔ قاصد نے اضطرابی کیفیت میں اس کا ہاتھ تھام لیا اور بے تابی سے بولا۔

''ڈوم! سمراٹ کا پیغام اب سورج کی روشنی کی طرح میرے ذہن میں صاف ہو گیا ہے۔ اب اس پیغام کو تیرے سامنے بیان کرنا میرے لیے ناگزیر ہو گیا ہے۔ کیوں کہ اب میں اپنے چہرے پر موت کی سرد سانسیں محسوس کر رہا ہوں۔ شاید قدرت کو یہی منظور تھا کہ سمراٹ کا وہ پیغام تیرے سامنے بیان کیا جائے۔''

''یہ میرے لیے انتہائی خوش قسمتی کی بات ہے۔ تم اطمینان سے مجھے وہ پیغام سنا سکتے ہو۔'' ڈوم نے انکساری سے کہا۔

''مجھے نہیں معلوم یہ پیغام تمھارے لیے کتنا خوش کن ہو سکتا ہے۔ مگر اس پیغام کے الفاظ بہت اہم اور ہولناک ہیں۔ میری بات کو دھیان سے سنو!''

قاصد کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ ''اگر تم اس پیغام پر عمل کرنے سے قاصر رہے تو تمھیں موت کی سزا دی جا سکتی ہے۔ سمراٹ اپنے علم غیب سے ہر بات کو جان جاتا ہے۔ اگر یہ سوچ کر کہ کوئی اور اس پیغام سے واقف نہیں تم نے بے توجہی برتی یا اس پیغام میں ایک لفظ کا بھی رد و بدل کیا تو شدید اذیتیں جھیلو گے اگر اس عظیم ذمے داری کو نبھانے کا حوصلہ ہو تو پیغام سنو۔ ورنہ کسی اور کو بلا لاؤ جسے میں یہ پیغام سنا سکوں۔ مگر جو بھی کرنا ہے جلدی کرو۔ میرا آخری وقت نکلا جا رہا ہے۔''

''تم بے فکر رہو۔ میں عظیم کالیکا کی سوگند کھا کر اقرار کرتا ہوں کہ جب تک میری جان میں جان ہے میں سمراٹ کے مقدس پیغام پر لفظ بہ لفظ عمل کروں گا۔''

''تو پھر غور سے سنو! سمراٹ کا پیغام ایک 'ڈوم' کے بارے میں ہی ہے۔ اُس ڈوم کا نام 'کال مکھ' ہے۔ سمراٹ کو شیلشور مندر میں بشارت ہوئی تھی کہ 'کال مکھ' کو تین دن کے اندر اندر موت کی سزا نہ دی گئی تو پورے ملک پر زبردست آفتیں نازل ہوں گی۔ ملک پر ڈاکوؤں کا حملہ ہوگا۔ بے گناہوں کا قتل عام ہوگا اور خون کی ندیاں بہیں گی۔ یہاں تک کہ خود سمراٹ بھی موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں گے۔ سمراٹ نے فوراً مجھے یہ پیغام دے کر روانہ کیا تھا کہ 'کال مکھ' کی کھال کھینچ کر تمام رعایا کے سامنے اسے کھولتے تیل کے کڑھاؤں میں ڈال دیا جائے۔ آج سورج غروب ہونے سے قبل اس پر عمل ہونا لازمی ہے کیوں کہ بشارت کے مطابق آج تیسرا اور آخری دن ہے۔ اب یہ پیغام جوں کا توں رعایا تک پہنچانا تمہارا فرض ہے۔ یاد رکھو اگر اس میں رتی بھر کوتاہی ہوگی تو خود تمھاری کھال کھینچی جائے گی اور تم کھولتے تیل کے کڑھاؤ میں ڈبو کر مار ڈالے جاؤ گے' کال مکھ کا نام اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔''

ڈوم یکا یک پیچھے ہٹ گیا۔ جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ وہ آنکھیں پھاڑے قاصد کے لحہ لحہ سرد ہوتے جسم کی طرف دیکھ رہا تھا۔ قاصد اپنی ساری قوت کو آنکھوں میں سمیٹے پوچھ رہا تھا۔

''بولو! کال مکھ کا نام تم بھول تو نہیں جاؤ گے؟''

''نہیں...... میں اس نام کو کیسے بھول سکتا ہوں راج دوت! کیوں کہ میں ہی اس بستی کا اکیلا ڈوم ہوں اور میرا نام کال مکھ ہے۔'' ڈوم نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔ قاصد نے بے یقینی سے اُس کی طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھوں کی پتلیوں میں بہت گہرے کہیں جگنو سے چمکے۔ لمحے بھر کو چراغوں کی لویں تھرتھرائیں اور دوسرے ہی لمحے اُس کی آنکھیں ویران ہو گئیں۔ چہرہ تاریک ہو گیا۔ اُس کی کھوپڑی اور چہرے کی ہڈیاں دھیرے دھیرے اس طرح نمایاں ہونے لگیں جیسے زمین سے آہستہ آہستہ کوئی کونپل پھوٹ رہی ہو۔

□□□

سنتھالی ناچ

یہ چٹانوں کے بھنور ہیں
جن سے ظلمت چھنتی ہے
آندھیوں کے دل کی دھڑکن
دیوداروں کے تنوں میں
مست شیروں کی گرج ہے
جنگلوں میں
مورچھل، نیزے، کمانیں
لڈتوں کے منہ سے باہر تند شعلوں کی زبانیں
عورتوں کی آبنوسی چھاتیوں سے
درد بن کر زہر کی بوندیں گریں گی
ان کی رانیں تشنۂ پیکاں رہیں گی
اور وحشت سنگریزوں پر چلے گی
خون بن کر تال دے گی

منیب الرحمٰن

○

تم اپنے خواب گھر پر چھوڑ آؤ

تم اپنے خواب گھر پر چھوڑ آؤ
نہیں تو خار بن کر یہ چبھیں گے
تمھاری روح کو پیہم ڈسیں گے
مبادا یہ تمھارا منہ چڑائیں
تم ان سب آئنوں کو توڑ آؤ

تم اپنی عقل و منطق پر ہو نازاں
یہ ناخن اس جگہ کیا کام دیں گے
جہاں دل کی گرہ اُلجھی ہوئی ہو
تمھارے ہاتھ اپنی بے بسی پر
تمھیں ہر گام پر الزام دیں گے
کہاں ہیں وہ کتابیں، وہ صحائف
کہ جن میں زخم اپنے رکھ دیے تھے
اس انساں نے جو شعلوں میں جلا تھا
اس انساں نے جو سولی پر چڑھا تھا
اس انساں نے جو مر مر کر جیا تھا

تم اپنے خواب گھر پر چھوڑ آؤ
تمھاری دھوپ سایوں میں ڈھلے گی
تمھاری رات شبنم پر چلے گی
ضمیر زہر آلودہ کے چھینٹے
نہ رنگیں گے تمھاری بے حسی میں
تمھارا تن تمھارا تن بنے گا
تمھارا دل تمھارا ساتھ دے گا
تمھیں کیا چاہیے پھر زندگی میں
تم اپنے خواب گھر پر چھوڑ آؤ

منیب الرحمٰن

□□□

○اس انتخاب میں بیسویں صدی کے نصف آخر کے نمائندہ نظم گو شعرا کا منتخب کلام شامل ہے۔ اس کی ابتدا ان شعرا سے کی گئی ہے جو 1950 کے قریب موجود تھے اور نظم کے میدان میں اپنا مقام بنا چکے تھے۔ اس میں ان شعرا کا کلام بھی شامل ہے جو 1950 کے آس پاس اردو نظم کی دنیا میں امتیاز حاصل کر چکے تھے اور 1947 کے بعد پاکستان ہجرت کر گئے۔ 758 صفحات کی اس کتاب کی قیمت 384 روپئے ہے۔ قومی اردو کونسل اپنی مطبوعات پر طلبہ اور اساتذہ کو 40 فیصد کی خصوصی رعایت دیتی ہے۔

عربی تنقید کے اہم مباحث

عربی کی تنقیدی روایت میں حسن الفاظ، حسن معانی، الفاظ و معانی کے مابین ترجیح، صنائع و بدائع، مبالغہ، شاعری اور دروغ گوئی، سرقۂ شعری، شاعری اور اخلاق، معائب شعر، حسن تالیف اور شعرا کے درمیان موازنے کے مسائل بہت اہمیت کے حامل رہے ہیں۔ ان مسائل میں سے بعض پر مختلف نقادوں نے کن خیالات کا اظہار کیا ہے اور ان میں باہم کس حد تک اتفاق یا اختلاف ہے، اس کا ایک مختصر سا خاکہ مندرجہ ذیل تصورات نقد سے سامنے آسکتا ہے۔ (1)

اس سلسلے میں سب سے اہم مسئلہ شاعری میں لفظ اور معنی میں سے ایک کی دوسرے پر ترجیح اور افضلیت کا ہے۔ طرز بیان پر زور، قدرت اظہار کی اہمیت اور قادر الکلامی کو شاعری کا طرۂ امتیاز تصور کرنا، عربوں میں دور جاہلیت سے ہی عام تھا۔ عباسی دور کے شعری نظریہ سازوں نے ابتدا میں انھی تصورات کو اپنی کتب نقد میں پیش کیا۔ خصوصیت کے ساتھ جاحظ نے فضیلت لفظ پر زور دیا اور لفظ کو معنی پر مقدم قرار دیا۔ اس کا خیال تھا کہ کلام میں خوبصورتی کا سارا دارومدار لفظ پر ہوتا ہے اور معنی کا درجہ اس کے مقابلے میں ثانوی ہے۔

''شاعرانہ حسن کے اظہار کا انحصار معنی پر نہیں ہوتا بلکہ لفظ پر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ معانی تو تمام لوگوں کو معلوم ہوتے ہیں، اصل حسن الفاظ کے انتخاب، ان کی ترتیب اور ان کے قالب میں پوشیدہ ہے۔'' (2)

جاحظ، اپنی اس بات کو آگے بڑھاتا ہے اور تفصیلی بحث سے یہ ثابت کرتا ہے کہ الفاظ کیوں کر معانی سے زیادہ اہم ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ الفاظ کی چوری ممکن نہیں مگر معنی کے سرقے کو چھپانا بہت مشکل نہیں ہوتا ہے۔ ویسے الفاظ کے تقدم کے معاملے میں جاحظ معنی کو بالکل فراموش نہیں کر دیتا بلکہ جہاں معنی کو اہم سمجھتا ہے وہاں اس کا بھی اعتراف کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اگر معانی بلند ہیں وہاں الفاظ کی بھی بلندی اور بڑائی درکار ہوتی ہے اور اگر معانی کم درجے کے ہوں تو الفاظ کو بھی اس کی مناسبت سے استعمال کرنا چاہیے۔ مگر اپنے آخری تجزیے میں جاحظ یہ ثابت کرتا ہے کہ الفاظ کی عظمت ہی معنی کی عظمت کو کما حقہ پیش کر سکتی ہے اس لیے لفظ کو بہر نوع فوقیت حاصل ہے۔

جاحظ کے اس خیال پر سب سے پہلے جاحظ کے حوالے کے ساتھ پانچویں صدی ہجری میں عبدالقاہر جرجانی نے تنقید کی اور بتایا کہ شاعری کی جمالیاتی اقدار کا تعلق الفاظ کے بجائے معانی سے ہے۔

''یہ تصور ہی غلط ہے کہ معانی تو ہر شخص کو معلوم ہوتے ہیں خواہ وہ جاہل ہو، دیہاتی ہو، عربی ہو یا عجمی۔ حقیقت حال یہ ہے کہ معانی کی جدت ہی شاعری کی جمالیات کا مرجع ہے۔ ایک عبارت دوسری عبارت پر اس لیے فوقیت حاصل کر لیتی ہے کہ وہ معنی و مفہوم کے اعتبار سے زیادہ جاندار ہوتی ہے۔'' (3)

عبدالقاہر جرجانی اپنی دونوں کتابوں 'اسرار البلاغۃ' اور 'دلائل الاعجاز' میں ہر جگہ اس رویے کو ظاہر کرتے ہیں کہ شعری جمالیات کا دارومدار معانی پر ہے۔ وہ یہ ذکر بھی کرتے ہیں کہ اگر کوئی شاعری کو دیکھ کر عبارت کی سلاست اور الفاظ کی شیرینی کی داد دیتا ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں نکالنا چاہیے کہ وہ شعر کے ظاہری پہلو کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ دراصل لفظ کی خوبیوں کی داد بھی وہ اس لیے دیتا ہے کہ اس کے دل و دماغ شاعری کے حسن باطن سے محظوظ ہوتے ہیں مگر صرف حوالہ کے طور پر وہ ظاہری اوصاف کی تعریف کرتے ہیں۔ (4)

ابن اثیر عبدالقاہر جرجانی کی رائے سے اتفاق کرتا ہے اور کہتا ہے کہ:

''عرب، الفاظ کے حسن اور اس کی ترتیب پر معانی کی بہ نسبت زیادہ زور دیتے ہیں۔ معانی الفاظ کے پردے میں چھپے ہوتے ہیں۔ اس طرح الفاظ، معانی کے خادم ہیں اور مخدوم یقیناً خادم سے افضل ہوتا ہے''۔ (5)

اس مسئلے پر ابوبکر باقلانی اور ابن رشیق کی رائے ان سارے نقادوں سے زیادہ متوازن اور صحت کے قریب ہے۔ یہ دونوں، لفظ اور معنی کے رشتے کو ناقابل فصل تصور کرتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ ایک کی خوبی دوسرے کی خوبی پر دال ہے اور ایک کی خرابی دوسرے کی خرابی پر۔ ابن رشیق نے لفظ کو جسم اور معنی کو روح سے تعبیر کیا ہے، کہ ان دونوں کو ایک دوسرے کے بغیر دیکھا ہی نہیں جا سکتا (6) ابوبکر باقلانی کا خیال ہے کہ:

''معنی کو لفظ کے مطابق ہونا چاہیے، اس طرح کہ نہ تو الفاظ کلام میں معانی سے زیادہ بھر دیئے جائیں اور نہ ہی ایسے معانی استعمال کیے جائیں جو الفاظ سے مناسبت نہ رکھتے ہوں۔ اچھے اور پُرکشش کلام کی پہچان یہ ہے کہ اس میں دونوں کا متناسب استعمال ہو اور یہی معیار کا پیمانہ ہے۔'' (7)

الفاظ اور معانی میں افضلیت کی بحث سے الگ لفظ کی قدر و قیمت پر سارے قدیم عربی ناقدین متفق ہیں۔ ابن معتز کا کہنا ہے کہ ''الفاظ کو اتنا رواں اور شیریں ہونا چاہیے جیسے آب زلال، اس لیے کہ سخت الفاظ شعر کو خراب کر دیتے ہیں'' (طبقات الشعراء (8)) ابن قتیبہ کا خیال ہے کہ الفاظ کو حتی الوسع تعقید سے بچانا چاہیے۔ کلام کو اتنا سہل ہونا چاہیے کہ وہ عوام کی فہم سے قریب ہو جائے (الشعر والشعراء (9)) قدامہ یہ کہتے ہیں کہ ''الفاظ کو آسان بھی ہونا چاہیے اور فصاحت کا مظہر بھی'' (نقد الشعر (10)) ابوبکر باقلانی نے لکھا ہے کہ ''کلام کو غریب اور وحشی الفاظ سے پاک ہونا چاہیے، اس طرح کہ جب سامع سنے تو وہ اس کے دل میں اتر جائے (اعجاز القرآن (11)) عبدالقاہر جرجانی، عوام کے درمیان معروف، الفاظ کو شاعری میں استعمال کرنے کا مشورہ دیتے ہیں اور تعقید لفظی سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ (اسرار البلاغۃ (12))

عرب نقادوں نے معنی کی قدر و قیمت کو بھی الفاظ کے شانہ بشانہ رکھنے اور متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ ابن قتیبہ کا کہنا ہے کہ ''کبھی کبھی شعر کے الفاظ

بہت خوبصورت ہوتے ہیں لیکن معنی کے فقدان کی وجہ سے شعر بیکار ہوجاتا ہے۔'' (الشعر والشعراء [13]) ابن معتز بھی معانی کے معاملے میں ابن قتیبہ کے ہم خیال ہیں۔ قدامہ بن جعفر لکھتے ہیں کہ ''شاعر کا فرض اولین بہترین معانی کا انتخاب ہے، اس کے لیے لازم ہے کہ وہ برے معنی سے احتراز کرے اس لیے کہ معنی ہی شاعری کا خام مواد ہے''۔ (نقد الشعر [14]) اس معاملے میں جاحظ کی بات بڑی اہم ہے کہ ''عمدہ معانی ہمیشہ عمدہ الفاظ کے متقاضی ہوتے ہیں''۔ (کتاب الحیوان [15]) ان نقادوں کی رایوں سے الگ ایک رائے ابن اثیر کی ہے جو معانی کے حسن کو وضاحت سے ملاتا ہے اور کہتا ہے کہ معانی اسی وقت قابل قدر ہوتے ہیں جب ان سے وضاحتِ خیال ہوتی ہو۔ [16] (الجامع الکبیر)

عرب ناقدین میں صنائع و بدائع کے شعوری استعمال پر اختلاف رہا ہے۔ بعض ناقدین صنائع کو ایک فطری طریقۂ کار سمجھتے ہیں اور بعض صنائع و بدائع کو شاعری میں تکلف برتنے کو مستحسن قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں تفصیل سے بچتے ہوئے یہاں صرف دو ناقدوں کی رائیں پیش کی جاتی ہیں۔ ابن معتز کا خیال ہے کہ:

''بدیع کے استعمال کے بغیر کلام میں حسن پیدا ہوسکتا ہے اور بدیع کے ساتھ بھی کلام قبیح ہوسکتا ہے۔ دراصل یہ دیکھنا بہت ضروری ہے کہ بدیع کا استعمال حسن شعر اور ذوق شعری کے خلاف نہ ہو۔'' [17]

ابو ہلال عسکری نے اس سلسلے میں بڑے نکتے کی بات کہی ہے اور بے تکلف صناعی کرنے والوں پر فطری انداز میں صنائع کے استعمال کی اہمیت واضح کی ہے۔ وہ کہتا ہے:

''پرانی شاعری میں یقیناً صنائع و بدائع کا استعمال ملتا ہے مگر وہ استعمال فطری ہوا کرتا تھا، اس میں کسی ارادہ یا قصد کا دخل نہیں ہوتا تھا۔ مگر بعد کے لوگوں نے دیکھا کہ ان صنائع سے تو کلام میں بڑی خوبیاں پیدا ہوجاتی ہیں، لہٰذا انھوں نے ارادتاً صنائع کو استعمال کرنا شروع کیا۔ بعض ان کو نبھا لے گئے اور بعض ناکام ہوئے''۔ [18]

ابو ہلال عسکری کی یہ بات عباسی دور کے ان شعرا کو پیش نظر رکھ کر کہی گئی معلوم ہوتی ہے جنھوں نے صناعی کو ہی سب کچھ سمجھ لیا تھا۔ عباسی خلفا کے دربار سے ان گنت ایسے شعرا وابستہ رہے جو صنائع کے علاوہ حروف اور الفاظ کی تبدیلی سے نئے معانی کو ظاہر کرنے اور شاعرانہ لفظی بازی گری سے داد و تحسین حاصل کرنے اور انعام و اکرام وصول کرنے کو ہی اپنا طرۂ امتیاز خیال کرتے تھے۔ ابونواس کا مشہور واقعہ کہ ہارون رشید سے انعام نہ پاکر اس نے اپنے قصیدے کے رائگاں جانے پر ہارون رشید کی محبوبہ خالصہ پر اس طرح طنز کیا تھا:

لقد ضاع شعری علی بابکم   کما ضاع عقد علی خالصه

(یعنی میرے شعر تمھارے دربار میں اسی طرح رائگاں گئے جیسے خالصہ کے گلے میں تمھارا قیمتی ہار ضائع گیا)

جب ہارون نے ابونواس سے جواب طلب کیا تو دربار میں جواب دہی کے لیے جاتے ہوئے 'ضاع' کے لفظ میں 'ع' کا نچلا حصہ مٹا دیا۔ اب وہ لفظ 'ضاء' رہ گیا، جس کے معنی 'روشن ہوگیا' کے ہیں۔ اور اس طرح شعر کا مفہوم یہ ہوگیا کہ ''میرے شعر تمھارے دربار میں ویسے ہی روشن ہوگئے، جس طرح خالصہ کے گلے میں تمھارا ہار روشن ہوا۔'' ظاہر ہے کہ دربار کے لوگ اس فنکاری کی وجہ سے ابونواس کا لوہا مان گئے ہوں گے۔ یہ رویہ عباسی دور میں بہت عام ہوا بالکل اسی طرح جس طرح لکھنؤ میں انیسویں صدی کی اردو شاعری صرف صناعت شعری سے عبارت ہوکر رہ گئی تھی۔

شاعری میں کسی بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں، اصطلاحی اعتبار سے ایک کا نام مبالغہ، دوسری صورت کا غلو اور تیسری صورت کا نام کذب رکھا جاسکتا ہے۔ غلو، مبالغے کی ہی ایک ترقی یافتہ شکل ہے اس لیے اس پر الگ سے عربی ناقدین کے خیالات کا ذکر ضروری نہیں، البتہ کذب اور شاعری کے رشتے پر بعض ناقدین کی آرا زیر بحث آئیں گی۔ مبالغہ، یوں تو قدیم ترین سنسکرت شاعری اور یونانی شاعری کے علاوہ دوسری ایسی زبانوں کی شاعری میں ابتدا سے ہی مؤثر اظہار کا ذریعہ رہا ہے جن زبانوں کے شعر و ادب کی کوئی شکل تاریخی طور پر ہم تک منتقل ہوسکی ہے۔ مگر مختلف زبانوں میں اسے مختلف اصطلاحوں سے موسوم کیا گیا۔ عربی کی قدیم تنقید میں سب سے پہلے ابن المعتز نے اسے افراط فی الصفۃ کی اصطلاح سے موسوم کیا۔ ظاہر ہے کہ ابن المعتز نے شاعری کے جس عنصر کو 'صفات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے' کا نام دیا اس کی مثالیں دورِ جاہلی کے شعرا میں بہت پہلے سے موجود تھیں۔ ابن معتز کے بعد قدامہ ابن جعفر نے 'افراط فی الصفۃ' کے لیے مزید جامع اصطلاح 'مبالغہ' کا استعمال کیا۔ قدامہ نے مبالغے کے بارے میں اس طرح اظہار خیال کیا:

''کوئی شاعر اس وقت تک عظمت حاصل نہیں کرسکتا جب تک اپنے کلام میں مبالغہ اختیار نہ کرے۔ جو لوگ شاعری پر نظر رکھتے ہیں انھوں نے ہمیشہ مبالغہ کو مستحسن قرار دیا ہے۔ فلاسفہ یونان کا بھی یہی خیال ہے۔ غلو بھی دراصل اس کی ایک شکل ہے کہ کسی چیز کی تعریف میں شاعر انتہا کو پہنچ جائے۔'' [19]

عبدالقاہر جرجانی قدامہ بن جعفر سے اس مسئلے پر اتفاق کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ''مبالغہ اور اغراق کے بغیر شاعری میں کوئی چارہ نہیں۔ مبالغہ شاعر کے فکری افق کو وسیع کردیتا ہے۔ عقل بھی اس طریقے کو پسند کرتی ہے اس لیے کہ 'محض سچائی' شاعری میں بانجھ حسینہ کی مانند ہے''۔ [20] مبالغے کے معاملے میں ابن رشیق کی رائے قدامہ سے مختلف ہے۔ ابن رشیق کے بارے میں جیسا کہ پچھلے صفحات میں بھی ذکر آیا ہے کہ ان کے معیار نقد پر مذہبی اخلاقیات کا اثر غالب ہے۔ یہی سبب ہے کہ وہ مذہب کے حوالے سے مبالغے کی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ''سب سے بہتر کلام وہ ہے جس پر خدا کی کتاب سے کوئی دلیل مل جائے۔ اللہ تعالیٰ نے غلو کو حق و صداقت سے باہر جانے کے مترادف قرار دیا ہے''۔ (العمدہ۔ ص 61)

ابن رشیق مبالغے کو کذب کی ایک قسم سمجھتے ہیں اور عبدالقاہر جرجانی شاعری میں محض سچ کو بانجھ حسینہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ عرب ناقدین ایک زمانے سے تعلق رکھتے ہوئے شعری تصورات کے اعتبار سے کتنے آزاد اور منفرد الخیال ہیں۔ شاعری میں سچائی اور جھوٹ کا معاملہ اخلاقی نقطۂ نظر سے بھی دیکھا جاتا رہا ہے۔ حضرت حسان ابن ثابت کا ایک شعر جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''بہترین شعر وہ ہے جس کو سن کر لوگ سچا کہہ اٹھیں'' حضرت عمر فاروقؓ کا

خیال بھی شاعری میں صداقتِ بیان کے حق میں تھا۔ ان تصورات کی روایت سے آشنا ہونے کے باوجود عبدالقاہر جرجانی فنی نقطۂ نظر سے شاعری میں کذب کو جائز سمجھتے ہیں۔ انھوں نے قدامہ کے اس خیال کو کہ "احسن الشعر اکذبه" آگے بڑھاتے ہوئے کہا ہے کہ "احسن الشعر اکذبه خیر الشعر اصدقه" ''حسین ترین شعر جھوٹ پر مبنی ہوتا ہے اور اخلاقی اعتبار سے اچھا شعر سچائی پر۔'' جرجانی کے اس مقولے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اخلاقی پیمانے کو فن کی پرکھ سے الگ رکھنا چاہتے ہیں۔ ابوہلال عسکری جرجانی کے ہم خیال ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ شعر کی بنیاد زیادہ تر جھوٹ پر ہوتی ہے (اکثرهٔ قدبنی علی الکذب[21])شاعری میں جھوٹ کی عظمت پر سب سے بہتر اور قابل توجہ بیان بحتری کا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:

کلفتمو نا حدود منطقکم والشعر یُغنی عن صدقه کذبه

(یعنی تم ہم کو اپنی حدودِ نطق میں اسیر کرنا چاہتے ہو (یعنی یہ ممکن نہیں) حالانکہ شعر جھوٹ حق گوئی سے بے نیاز کر دیتا ہے)

مبالغہ، غلو اور کذب سے متعلق عرب ناقدین کے جن تصورات کی طرف اشارے کیے گئے ہیں ان کا تعلق کسی نہ کسی طور فنی اخلاقیات کے ساتھ مذہبی اخلاقیات سے بھی ہے۔ اس ضمن میں عرب ناقدین کے نزدیک یہ بات بھی خاصی متنازعہ فیہ رہی ہے کہ آیا مذہبی اخلاقیات شعری اخلاقیات کے لیے معاون ہے یا اس کی راہ میں حائل ہوتی ہے۔ ابوبکر صولی اپنی کتاب 'اخبار البحتری' میں ابو تمام کی شاعری پر کفر کا فتویٰ صادر ہونے کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ''کفر کے فتوے کی شاعری سے کوئی مطابقت نہیں، اس لیے کہ کفر سے نہ شاعری میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے اور نہ ایمان سے شاعری میں کوئی اضافہ ہوتا ہے۔'' (اخبار ابی تمام 173) قدامہ ابن جعفر کا خیال بھی کم و بیش انھیں خطوط پر نقدالشعر میں پیش ہوا ہے۔ قدامہ (جیسا کہ قدامہ کے ادبی تصورات کے موضوع پر حوالہ دیا جا چکا ہے) امرؤالقیس کے فحش اشعار کو اخلاقی نقطۂ نظر سے خراب مگر فنی اعتبار سے بہت اعلیٰ قرار دیتا ہے۔ قاضی جرجانی، بے دینی کو شاعری کے لیے عیب نہیں سمجھتا۔ اس کا خیال ہے کہ ''اگر یہ عیب ہے تو بے شمار شاعروں کے نام شاعروں کی فہرست سے خارج کرنے پڑیں گے۔ دین کا مقام اور شاعری کا مقام بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہے۔'' (الوساطۃ۔ ص63)

خلافت عباسیہ تک عربی کی ادبی تنقید کبھی دورِ جاہلیت میں سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والی اقدارِ شعر، کبھی صدرِ اسلام کی اخلاقی بالادستی اور کبھی عہد اموی کی تنقیدی خدمات کے پس منظر میں جس معیار اور اعتبار کی حامل ہو چکی تھیں وہی اس کا نقطۂ عروج تھا اور صحیح معنوں میں وہی تنقید، روایت نقد کی حیثیت بھی حاصل کر سکی۔ عہد عباسی کے بعد عربی زبان میں ادبی تنقید درحقیقت اس روایت کا تسلسل زیادہ اور اس کی توسیع کم ہے۔ اس لیے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ عہد عباسی عربی تنقید کے لیے عہد زریں ہے اور اسی عہد کے تنقیدی کارنامے عربی تنقید کی روایت کی بنیاد استوار کرتے ہیں۔

حواشی

1. عرب ناقدین کے نظریات اور خیالات کی شیرازہ بندی مخصوص عنوانات کے تحت ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی نے اپنے تحقیقی مقالہ تطور النقد الادبی عند العرب (غیر مطبوعہ) میں بہت تفصیل کے ساتھ کی ہے۔ یہاں موصوف کی تحریروں کی مدد سے زیر بحث حصے کا خاکہ مرتب کیا گیا ہے۔
2. "ان مرجع الحسن فی الکلام هواللفظ لاالمعنی۔ لان المعنی یعرفها الناس کلهم۔اما الصیاغة و براعتها فی الفاظ رشیقة وقوالب جذابة هی التی تهب الکلام الخلود"
(النقد المنهجی عندالجاحظ، (مطبع المعارف، بغداد، 1960، ص94)
3. دلائل الاعجاز: عبدالقاهر جرجانی (2)، ص26
4. اسرار البلاغة: عبدالقاهر جرجانی، (قاہرہ) ص9
5. فالعرب انماتحسن الفاظها و تزخرفها عنایة منها بالمعنی التی تحتها فالالفاظ اذاً خدم المعانی و المخدوم لاشک اشرف من الخادم فاعرف وقس هذا۔ (المثل السائر: ابن اثیر، ص355)
6. ابن رشیق کے اس خیال کا حوالہ العمدہ اور ابن رشیق سے متعلق عنوان کے تحت آ چکا ہے۔ اور حاشیے میں اصل عبارت بھی نقل کر دی گئی ہے۔ (ا۔ق)
7. "ان یکون المعنی فیه وفق اللفظ فلا تفضل الالفاظ الکلام علی معانیه و لا معانی الکلام علی الفاظه۔ واذاکان الکلام متناسبا من حیث المعنی و اللفظ فهو فی غایة الجوده"
اعجاز القرآن: الباقلانی (مرتبہ سید احمد صغیر، ص63)
8. "ان الشعر الحسن هو الذی یکون کالماء الزلال فی عذوبته و تکون الفاظه سهلة حلوة۔ ویری ان الالفاظ الصعبة تفسد الشعر" (ص281)
9. "ان الشعر یحتاج الالفاظ السهلة و الحسب من التعقید والاستکراه۔ ورای ایضاً ان الکلام لا بدله ان یکون اسهل حتی یکون اقرب الی افهام العلوم" (ج۔ا، ص50)
10. اس کا ذکر قدامہ پر گفتگو کے دوران آ چکا ہے۔
11. "ان الکلام لا بدله ان یکون سهلا، خار جاعن الوحش المستکره اذا سمعته وقع فی نفسک وقلبک"۔ (ص70)
12. ان تکون الالفاظ فی الکلام معاینعارفه الناس (ایضاً) ص119
13. ربماتکون الفاظ الشعر حسنة ولکنه لایستحسن لقد ان معناه (ج۔ا، ص11)
14. علی الشاعر ان یختار المعانی الحسنة و یجتنب من المعانی القبیحة لان المعانی کمارة خامة له یختارها و یصوغ منها مایشار و یرضی به (ص4)
15. لکل ضرب من الحدیث ضرب من اللفظ (ایضاً) ص39
16. الجامع الکبیر، ترجمہ و اقتباس، احتشام احمد ندوی، ص22
17. کتاب البدیع (ابن المعتز) باب المعیب من الکلام علی الشعراء۔
18. کتاب الصناعتین: ابوهلال عسکری، ص25
19. نقد الشعر: قدامه بن جعفر، ص27
20. اسرار البلاغه: عبدالقاهر جرجانی، ص306
21. کتاب الصناعتین: ابوهلال عسکری، ص131

❑❑❑

بیت نیر، استوتی ٹریھان، سمراٹ شرما　　”C ایڈونچر“ سے اقتباس

لوپس

جب بہت سے اسٹیٹمنٹس (statements) پر بار بار ایگزیکیوٹیڈ (executed) مقصود ہو تو لوپ (loop) کا استعمال بہت کارآمد ہوتا ہے۔ اگر آپ کسی کام کو بار بار کرنا چاہتے ہیں تو آگے بڑھنے سے پہلے آپ کو اس کا تعارف کروا دیتے ہیں۔

6.1 فارلوپس

فارلوپ ('for' loop:) کو بتانے کے لیے یہ بہت عام سی شکلیں ہیں:

```
for (expression1 ; condition ; expression2)
{
/* one or
statements */
}
```

اگر کنڈیشن ٹرو (condition true) ہوئی تو بریکٹ میں لکھے اسٹیٹمنٹ ایگزیکیوٹیڈ (statement executed) ہوں گے۔ (یعنی غیر صفری (non-zero) ویلیو واپس ہوگی، ابھی ہو سکتی ہے) لیکن اسٹیٹمنٹ بلاک (statement block) ہوتے ہی ایکسپریشن (expression2) کا معائنہ کیا جائے گا۔ کیا آپ ابھی بھی مجھ سے متفق ہیں۔

```
#include<stdio.h>
int main()
{
int a;
for( a+0 ; a<=10 ; a++ )
printf("%d\n",a);
return 0;
}
```

یہ بہت آسان ہے۔ 0 سے لے کر 10 تک کے اعداد کو الگ الگ سطروں میں پرنٹ (print) کیا جائے گا۔

a=0 on the first literation. **a<=10** is true (and so 1 is returned), so the statement block is executed. At the end of the literation, **a++** is executed and thus a is incremented by 1.

a=1 on the next literation. **a<=10** is still true, so the statement block is executed. At the end of the literation, a is incremented by 1. And so on.

a=10 on the 11th literation. **a<=10** is still true, so the statement block is executed. At the end of the literation, **a** is incremented by 1.

a=11 on the 12th literation. **a<=10** is no longer true (and returns zero), so the statement block is NOT executed. And the program moves on, terminating in this case.

● نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف سائنس کمیونیکیشن اینڈ انفارمیشن ریسورسیز سی.ایس.آئی.آر یونٹ نے طلبہ اور عام شائقین میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کی فروغ کے لیے ”سب کے لیے آئی ٹی سیریز“ کے تحت ایسی کتابیں تیار کی ہیں جو کمپیوٹر سے متعلق بنیادی باتوں سے روشناس کراتی ہیں۔ قارئین ”اردو دنیا“ کے لیے اس سیریز کی کتاب ”C“ ایڈونچر“ سے اقتباس پیش ہے۔ اس کتاب کے ایڈیٹر وی.کے.گپتا، معاون ڈاکٹر راجیو گپتا اور اردو ایڈیٹر ڈاکٹر رویندر کمار ہیں۔

6.2 وائل لوپس

وائل لوپ (While loops) بریکٹ میں صرف ایک ایکسپریشن کو لیتا ہے۔ اگر اس ایکسپریشن کا معائنہ " ٹرو" (true) ہوتا ہے تو پوری لوپ اگزیکیوٹیڈ ہوگی یہاں لوپ (loop) کے استعمال کی ایک مثال دی جارہی ہے۔

```
#include<stdio.h>
int main()
{
int x = 10;        /* initialize x */
while(x>=0)    {     /* program will loop given that x
                      is greater or equal to zero */
printf("The value of x is %d\n",x);
x-;           /* decrease x by 1*/
    }
printf("\nNow we're out of the while loop.");
printf("The final value of x is %d\n",x);
return 0;          /* don't forget that main()
      returns an integer by default! */
}
```

اس پروگرام کا آؤٹ پٹ (output) اس طرح ہوگا:

```
The value of x is 10
The value of x is 9
The value of x is 8
The value of x is 7
The value of x is 6
The value of x is 5
The value of x is 4
The value of x is 3
The value of x is 2
The value of x is 1
The value of x is 0
```

اب ہم While loop سے باہر آچکے ہیں۔ X کی آخری ویلیو 1 ہوگی۔

اگر آپ ایک کنڈیشن (condition) کو بریکٹ میں رکھنا چاہیں گے مگر ٹیکسر کنڈیشن آپریٹر یہ کام بخوبی انجام دیں گے۔ جیسا کہ اس مثال میں 35 سے پہلے کے نمبر کو تلاش کیا جاتا ہے جسے 17 سے تقسیم کیا جاسکے۔

```
#include<stdio.h>
int main()
{
int x = 35;
while( (x%17==0) ? 0 :1) {
      printf("%d is not divisible by 17\n",x);
x++;
      }
printf("But %d is !\n",x);
return 0;
}
```

یادرکھیں اگرایکسپریشن NonZero کوپیش کرتا ہے تو لوپ کاعمل انجام دیا جائے گا۔ (جیسا کہ بہت سے معاملات میں ایک ہوتا ہے) ایسی صورت میں مذکورہ پروگرام کا آؤٹ پٹ اس طرح ہوگا:

```
35 is not divisible by 17
36 is not divisible by 17
37 is not divisible by 17
38 is not divisible by 17
39 is not divisible by 17
40 is not divisible by 17
41 is not divisible by 17
42 is not divisible by 17
43 is not divisible by 17
44 is not divisible by 17
45 is not divisible by 17
46 is not divisible by 17
47 is not divisible by 17
48 is not divisible by 17
49 is not divisible by 17
50 is not divisible by 17
But 51 is!
```

6.3 ڈو۔وائل لوپس

وائل لوپس (While loops) میں بریکٹ میں موجود ایکسپریشن کا پہلے معائنہ کیا جاتا ہے اور پھر لوپ اگزیکیوٹیڈ (executed) ہوتا ہے۔ اگر ایکسپریشن کا نتیجہ 1 ہے (یعنی ٹرو true) مگر کبھی یہ لوپ ایک بار بھی نہیں چل پائے گا (جب کنڈیشن فالز false ہو۔)
ایسی ہی صورت میں، ڈو۔وائل لوپ، قابل عمل ہو جاتا ہے۔ کسی حصے کے معائنے کے پہلے ہی لوپ کا عمل کم سے کم ایک مرتبہ انجام دیا جاتا ہے۔ درج ذیل مثال میں اسی بات کو پیش کیا گیا ہے۔

```
#include <stdio.h>
int main()
{
int x = 0;
do {
        printf("x = %d\n", x);
        x++;
        }while(x<10);
printf("Out of the loop, x = %d\n", x);
return 0;
}
```

اس کوڈ کا آؤٹ پٹ output اس طرح ہوگا:

```
x = 0
x = 1
x = 2
x = 3
x = 4
x = 5
x = 6
x = 7
x = 8
x = 9
Out of the loop, x = 10
```

For اور وھائل اسٹیٹمینٹ، اسٹیٹمینٹ بلاک یا اسٹیٹمینٹ کے بعد سیمی کولن نہ رکھیں۔ کیونکہ اس طرح یہ اپنا پورا کام نہیں کر سکے گا۔ لیکن Do while loop کے معاملات میں وھائل اسٹیٹمینٹ کے بعد سیمی کولن کو رکھنا بالکل نہ بھولیں۔

6.4 ان فائنیٹ لوپس

کبھی کبھی ہم لوپ کے پروگرام کو مستقل اور مسلسل کرنا چاہتے ہیں۔ یوزر (user) جب تک کہ ctrl-c کے ذریعے یا پروگرام کے بریک اسٹیٹمینٹ کے ذریعے اسے روک نہ دے۔ اس عمل کو انجام دینے کے لیے بریکیٹ میں سے معائنہ شدہ ایکسپریشن کو وھائل لوپ کے لیے اپنی جگہ سے ہٹانا پڑے گا۔

```
#include <stdio.h>
      int main()
{
      int x = 0;
      int y;
      while(1) {
                  printf("%d ",x);
                  if(x==100)
                              .break;
else
                  x==;
                  }
printf("\n\n");
for(y = 0 ; 1 ; y++) {
      printf("%d ",y);
if(y==100)
                  break;
      else
                  y++;                  }
printf("\n\n");
printf("Out of the loops, x = %d and y = %d\n", x, y);
return 0;
}
```

یہ پروگرام پہلے X کی تمام ویلیو value کو 1 سے 100 تک پرنٹ (Print) کرے گا اس کے بعد Y کی تمام ویلیو کو 1 سے 100 کے بیچ میں جسٹ even نمبر کی حیثیت سے پرنٹ کرے گا۔

Out of the loops, x = 100 and y = 100

فیاض عالم

کوئز

اردو زبان و ادب (ناولوں کے کردار)

کوئز کے صحیح جوابات بھیجنے والے قارئین کو بالترتیب پہلا، دوسرا اور تیسرا انعام دیا جائے گا۔ پہلا انعام 500 روپے، دوسرا انعام 300 روپے اور تیسرا انعام 200 روپے پر مشتمل ہے۔ انعام کے طور پر کونسل کی مطبوعات ارسال کی جائیں گی۔ آپ کے جوابات ہمیں اس مہینے کی 15 تاریخ تک موصول ہونے چاہئیں۔ (ادارہ)

(1) اصغری اور اکبری نذیر احمد کے کس ناول کے کردار ہیں؟
(الف) مراۃ العروس (ب) بنات النعش
(ج) توبۃ النصوح (د) ابن الوقت

(2) نذیر احمد کے ناول ''توبۃ النصوح'' کا مرکزی کردار کون ہے؟
(الف) کلیم (ب) نصوح
(ج) فہمیدہ (د) مرزا ظاہردار بیگ

(3) مرزا ظاہردار بیگ کس ناول کا کردار ہے؟
(الف) توبۃ النصوح (ب) ایامیٰ
(ج) ابن الوقت (د) مراۃ العروس

(4) خوجی کا تعلق کس ناول سے ہے؟
(الف) فسانۂ آزاد (ب) فسانۂ مبتلا
(ج) فسانۂ عجائب (د) ان میں سے کسی سے نہیں

(5) خوجی کا اصلی نام کیا ہے؟
(الف) اختر بدیع الزماں (ب) خواجہ بدیع الزماں
(ج) شمس الزماں (د) افتخار الزماں

(6) آزاد کس ناول کا نمائندہ کردار ہے؟
(الف) سیر کہسار (ب) فسانۂ مبتلا
(ج) فسانۂ آزاد (د) ان میں سے کسی کا نہیں

(7) حسین اور زمرد کا تعلق عبدالحلیم شرر کے کس ناول سے ہے؟
(الف) زوال بغداد (ب) منصور موہنا
(ج) عرب کا چاند (د) فردوس بریں

(8) شیخ علی وجودی کس ناول کا کردار ہے؟
(الف) انجلینا (ب) جویائے حق
(ج) فردوس بریں (د) ان میں سے کسی کا نہیں

(9) امراؤ جان ادا کا بچپن کا نام کیا تھا؟
(الف) امراؤ (ب) زہرہ
(ج) امیرن (د) ان میں سے کوئی نہیں

(10) سمن پریم چند کے کس ناول کی مرکزی کردار ہے؟
(الف) بیوہ (ب) گئودان
(ج) نرملا (د) بازار حسن

(11) اختر بھائی قاضی عبدالستار کے کس ناول کا کردار ہے؟
(الف) داراشکوہ (ب) شب گزیدہ
(ج) غبار شب (د) شکست کی آواز

(12) چمپا کا تعلق قرۃ العین حیدر کے کس ناول سے ہے؟
(الف) میرے بھی صنم خانے (ب) آگ کا دریا
(ج) سفینۂ غم دل (د) چاندنی بیگم

(13) خدیجہ مستور نے ''آنگن'' کے کس کردار کو مسلم لیگ کے حامی کے طور پر پیش کیا ہے؟
(الف) بڑے چچا (ب) عالیہ
(ج) چھمی (د) کریمن بوا

(14) امرکانت پریم چند کے کس ناول کا کردار ہے؟
(الف) غبن (ب) گئودان
(ج) گوشۂ عافیت (د) میدان عمل

(15) ''گئودان'' کا مرکزی کردار کون ہے؟
(الف) گوبر (ب) ہوری
(ج) دھنیا (د) ان میں سے کوئی نہیں

(16) کرشن چندر کا ناول ''غدار'' کس کردار کی یادداشت پر مبنی ہے؟
(الف) بیج ناتھ (ب) شاداں
(ج) داداجی (د) ان میں سے کوئی نہیں

(17) جیلانی بانو کے ناول ''بارش سنگ'' میں وینکٹ ریڈی کا قاتل کون ہے؟
(الف) مستان (ب) ولیش مکھ
(ج) سلیم (د) پٹیل

(18) مزدوروں کے استحصال کے خلاف الیاس احمد گدی کے ناول ''فائر ایریا'' میں نوجوان نسل کی نمائندگی کون کرتا ہے؟
(الف) کالا چند (ب) رحمت میاں
(ج) مجمدار (د) عرفان

(19) قرۃ العین حیدر کے ناولٹ ''سیتا ہرن'' کی مرکزی کردار سیتا میر چندانی کے شوہر کا نام کیا ہے؟

(الف) جمیل (ب) راما سوامی
(ج) قمر الاسلام (د) برجیس چودھری

(20) رانو کا تعلق کس ناول سے ہے؟
(الف) شکست (ب) ٹیڑھی لکیر
(ج) گوشۂ عافیت (د) ایک چادر میلی سی

(21) علیم مسرور کے ناول "بہت دیر کر دی" کی کردار سلطانہ کا تعلق کس شہر سے ہے؟
(الف) بڑودہ (ب) احمد آباد
(ج) ناگپور (د) ممبئی

(22) جوگندر پال کے ناول "نادید" میں چار نابینا کردار ہیں۔ ان میں ایک ایسا بھی کردار ہے جس کی بعد میں بینائی لوٹ آتی ہے۔ اس کا نام ہے؟
(الف) شرفو (ب) بھولا
(ج) بابا (د) رونی

(23) عبداللہ حسین کے ناول "اداس نسلیں" کا مرکزی کردار کون ہے؟
(الف) نعیم (ب) علی
(ج) عذرا (د) عائشہ

(24) "بارش سنگ" اور "جب کھیت جاگے" دونوں ناول تلنگانہ تحریک سے متاثر ہو کر لکھے گئے ہیں۔ "بارش سنگ" میں وینکٹ ریڈی غریبوں کا استحصال کرتا ہے۔ "جب کھیت جاگے" میں اس کا مماثل کردار کون ہے؟
(الف) راگھو راؤ (ب) پرتاپ
(ج) دیشکھ (د) ناگیشور

(25) گوہر مرزا کا تعلق کس ناول سے ہے؟
(الف) امراؤ جان ادا (ب) شریف زادہ
(ج) ذات شریف (د) ان میں سے کسی سے نہیں

(26) زہرہ خانم عرف محبوب جان کس ناول کی کردار ہے؟
(الف) شاہد رعنا (ب) امراؤ جان ادا
(ج) ایوان غزل (د) ان میں سے کسی کی نہیں

(27) ممتاز مفتی کے ناول "علی پور کا ایلی" میں ایلی کے باپ کا نام کیا ہے؟
(الف) علی احمد (ب) احمد علی
(ج) محمد علی (د) ان میں سے کوئی نہیں

(28) "بستی" انتظار حسین کا اہم ناول ہے۔ اس کا مرکزی کردار کون ہے؟
(الف) جواد (ب) ذاکر
(ج) بی اماں (د) ان میں سے کوئی نہیں

(29) بانو قدسیہ نے "راجا گدھ" میں گدھ کے طور پر کسے پیش کیا ہے؟
(الف) سہیل (ب) آفتاب
(ج) قیوم (د) افتخار

(30) نیاز کہاڑی کس ناول کا کردار ہے؟
(الف) خدا کی بستی (ب) اداس نسلیں
(ج) علی پور کا ایلی (د) بستی

(31) شمن عصمت چغتائی کے کس ناول کی کردار ہے؟
(الف) دل کی دنیا (ب) ضدی
(ج) معصومہ (د) ٹیڑھی لکیر

(32) عزیز احمد کے ناول "گریز" کا مرکزی کردار کون ہے؟
(الف) نعیم (ب) کرا کسلے
(ج) بلقیس (د) ان میں سے کوئی نہیں

(33) "لہو کے پھول" کا کون سا کردار ناقابل فراموش ہے؟
(الف) امر سنگھ (ب) راحت رسول
(ج) شوکت (د) سلیمہ

(34) جیلانی بانو کے ناول "ایوان غزل" کی کردار چاند کس کی بیٹی ہے؟
(الف) حیدر علی خاں (ب) واحد حسین
(ج) ہمایوں علی شاہ (د) راشد

(35) شیام اور ونتی کس ناول کے مرکزی کردار ہیں؟
(الف) غدار (ب) شکست
(ج) ایک عورت ہزار دیوانے (د) ان میں سے کسی کے نہیں

(36) شیلا گرین کس ناول کی کردار ہے؟
(الف) لندن کی ایک رات (ب) گریز
(ج) ہوس (د) ان میں سے کسی کی نہیں

(37) "لہو کے پھول" کا کون سا کردار پولیس کی نوکری چھوڑ کر مجاہدین آزادی میں شامل ہو جاتا ہے؟
(الف) امر سنگھ (ب) مقصود
(ج) راحت رسول (د) ان میں سے کوئی نہیں

(38) گوتم نیلمبر اور ہری شنکر کے کردار قرۃ العین حیدر کے کس ناول میں ملتے ہیں؟
(الف) آخر شب کے ہم سفر (ب) آگ کا دریا
(ج) گردش رنگ چمن (د) چاندنی بیگم

(39) منھی جان کس ناول کی کردار ہے؟
(الف) نمک (ب) شاہد رعنا
(ج) امراؤ جان ادا (د) لیلیٰ کے خطوط

(40) خدیجہ مستور کے ناول "آنگن" کا کون سا کردار کمیونسٹ نظریات کا حامی ہے؟
(الف) جمیل (ب) صفدر

(ج) عالیہ (د) ان میں سے کوئی نہیں

(41) کرشن چندر کے ناول "جب کھیت جاگے" کا مرکزی کردار ہے......

(الف) ثریا (ب) مقبول

(ج) راگھوراو (د) ناگیشور

(42) "چوگان ہستی" کا علامتی کردار کون ہے؟

(الف) مانک رام (ب) بھیرو

(ج) سبھاگی (د) سورداس

(43) راشد الخیری کے ناول "شام زندگی" میں کس کردار کو مرکزیت حاصل ہے؟

(الف) نسیمہ (ب) ہاجرہ

(ج) سنجیدہ (د) رابعہ

(44) رضیہ میر عبداللہ حسین کے کس ناول کی کردار ہے؟

(الف) اداس نسلیں (ب) باگھ

(ج) قید (د) ان میں سے کسی کی نہیں

(45) جمنا کرشن چندر کے کس ناول کی کردار ہے؟

(الف) پانچ لوفر ایک ہیروئن (ب) مٹی کے صنم

(ج) برف کے پھول (د) میری یادوں کے چنار

(46) کرشن چندر نے "بلبل" کے حوالے سے فلم انڈسٹری میں لڑکیوں کے جنسی استحصال کو موضوع بنایا ہے۔ یہ کس ناول کا کردار ہے؟

(الف) چاندی کا گھاؤ (ب) برف کے پھول

(ج) غدار (د) سڑک واپس جاتی ہے

(47) مندرجۂ ذیل میں سے کس کردار کا تعلق حجاب امتیاز علی کے ناول "پاگل خانہ" سے ہے؟

(الف) ڈاکٹر گار (ب) ایلس

(ج) بلقیس (د) ان میں سے کوئی نہیں

(48) جواد انتظار حسین کے کس ناول کا کردار ہے؟

(الف) چاند گہن (ب) بستی

(ج) تذکرہ (د) آگے سمندر ہے

(49) سہدیو اور محمد ارمندرجۂ ذیل میں سے کس ناول کے کردار ہیں؟

(الف) نمبردار کا نیلا (ب) فائر ایریا

(ج) فرار (د) بیان

(50) بلونت سنگھ کے ناول "رات، چور اور چاند" کے مرکزی کردار کون ہیں؟

(الف) موہن سنگھ اور چندرا (ب) داؤد اور سلطانہ

(ج) پالا سنگھ اور سرنوں (د) ان میں سے کوئی نہیں

□□□

ہمیں جنوری کوئز انعامی مقابلے کے متعدد جوابات موصول ہوئے۔

قرعہ اندازی کے ذریعے درج ذیل حضرات کو بالترتیب اول، دوم اور سوم انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔

1. **سید احمد قادری**
   7، نیو کریم گنج، گیا-823001 (بہار)

2. **محمد امتیاز احمد**
   64۔ تالتلہ لین،
   کولکاتا-700014 (مغربی بنگال)

3. **حافظ محمد توقیر ذکی**
   مدرسہ ضیاء العلوم، میدان پور
   رائے بریلی-229001 (اتر پردیش)

انعام یافتگان کو ادارے کی جانب سے مبارکباد۔
آپ کے انعامات جلد ہی بذریعۂ ڈاک ارسال کردیے جائیں گے۔

(ادارہ)

جنوری انعامی مقابلے (کوئز) کے صحیح جوابات:

1. الف	2. الف	3. الف	4. ب	5. الف
6. ج	7. ب	8. د	9. الف	10. د
11. ج	12. ب	13. ب	14. ج	15. د
16. الف	17. الف	18. الف	19. الف	20. د
21. الف	22. ج	23. ج	24. ج	25. الف
26. ج	27. الف	28. الف	29. ج	30. ج
31. ب	32. الف	33. الف	34. ب	35. الف
36. ب	37. ج	38. ج	39. ج	40. ب
41. ج	42. ب	43. ج	44. د	45. ب
46. د	47. ب	48. د	49. الف	50. ب

محمد امتیاز عالم کمپیوٹر سینٹر کے فارغ طلبہ کے انٹرویو۔ 31

بڑھتے قدم

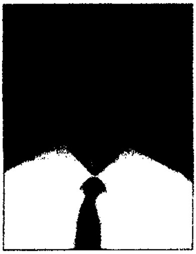

فیصل عتیق نے ہائی اسکول تک کی تعلیم پٹنہ مسلم ہائی اسکول سے حاصل کرنے کے بعد بی۔کام۔ کامرس کالج، پٹنہ سے کیا اور بی۔لب پٹنہ یونیورسٹی سے پاس کیا۔ اس کے بعد کونسل کی جانب سے چلائے جانے والے کمپیوٹر کورس میں کامیابی حاصل کی۔ آج اس کورس کی بدولت وہ خدا بخش لائبریری کے کیٹلاگ شعبے میں ملازمت کر رہے ہیں۔

سوال: کمپیوٹر سے آپ کو کیسے دلچسپی ہوئی؟

جواب: آج کمپیوٹر روزمرہ زندگی کی ایک اہم ضرورت بن گیا ہے۔ ہر شعبے میں آج کمپیوٹر کا عمل دخل ہے۔ اس کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر ابتدائی سطح سے ہی اس کی تعلیم دی جانے لگی ہے۔ موجودہ دور میں کمپیوٹر کے ہزاروں فوائد ہیں اور اسی لیے یہ سب کی دلچسپی کا باعث ہے۔

سوال: قومی اردو کونسل کے کمپیوٹر سینٹر دوسرے سینٹروں سے کس اعتبار سے مختلف ہیں؟

جواب: سب سے پہلی بات تو یہ کہ اس کا طریقۂ تعلیم بہت ہی معیاری ہے اس کا نصاب بالکل اپ ٹو ڈیٹ ہے۔ دوسری بڑی بات یہ ہے کہ قومی اردو کونسل واحد ادارہ ہے جہاں ذریعۂ تعلیم اردو ہے۔ ہندوستان میں ایک بہت بڑا طبقہ جو لسانی مشکلات کی وجہ سے اس جدید علم سے محروم تھا وہ بھی اب بآسانی کمپیوٹر کی تعلیم حاصل کر سکتا ہے اور خود کو موجودہ وقت سے ہم آہنگ کر سکتا ہے یہی ان مراکز کی انفرادیت ہے۔

سوال: قومی اردو کونسل کے کمپیوٹر سینٹروں میں جو تربیت دی جاتی ہے اس سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

جواب: قومی اردو کونسل میں کمپیوٹر سینٹروں میں جو تربیت دی جاتی ہے وہ بہت معیاری اور تشفی بخش ہوتی ہے۔ یہاں کا طریقۂ تدریس بھی بہتر ہے۔ تعلیم حاصل کرنے کے دوران ہی میں نے کمپیوٹر پر کام کرنا شروع کر دیا تھا اور مجھے خوشی ہے کہ آج میں بہ آسانی اپنا کام انجام دے رہا ہوں۔

سوال: قومی اردو کونسل کے کمپیوٹر سینٹر اردو داں طبقے کو روزگار فراہم کرنے میں کس حد تک معاون ہیں؟

جواب: آج کے حالات میں کسی بھی طالب علم کے لیے کمپیوٹر سے وابستگی لازمی ہے۔ ایسے حالات میں جب کہ اردو داں طبقے کے لیے روزگار کے بہت کم مواقع ہیں، قومی اردو کونسل کا یہ قدم قابل تعریف ہے کہ اس نے اردو داں طبقے کو بھی کمپیوٹر سیکھنے کے مواقع فراہم کیے اور طالب علموں کی ایک بڑی تعداد اس سے استفادہ کر رہی ہے۔ کتابت اور طباعت اور ماس کمیونیکیشن کے میدان میں تو کمپیوٹر نے انقلاب ہی لا دیا ہے۔ اب اردو داں طبقہ بھی اس میدان میں قسمت آزمائی کر سکتا ہے اور اپنا کیریئر بنا سکتا ہے۔ کونسل کے کمپیوٹر سینٹر اردو داں طبقے کو روزگار فراہم کرنے میں کافی مددگار ثابت ہوئے ہیں۔

سوال: انفارمیشن ٹیکنالوجی کی دنیا کا حصہ بن کر آپ کو کیسا لگ رہا ہے؟

جواب: اس دنیا کا حصہ بن کر مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے اور میں اس کے ذریعے حالات حاضرہ سے بھی پوری طرح واقف رہتا ہوں۔ آج ای۔میل کی وجہ سے خط و کتابت کا عمل بھی بہت آسان ہو گیا ہے۔

سوال: اس میدان میں آنے کے بعد کیا آپ کی خود اعتمادی اور میں اضافہ ہوا ہے؟

جواب: اس میدان میں آنے کے بعد میری خود اعتمادی اور خود انحصاری میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ میں اپنے آپ کو وقت کے ساتھ ہم قدم محسوس کرتا ہوں۔

سوال: آپ لازمی طور پر ملٹی لنگول ہیں۔ آپ اپنی اس انفرادیت کی بنا پر مارکیٹ میں اپنے آپ کو کس مقام پر پاتے ہیں؟

جواب: ملٹی لنگول ہونا ایک اضافی خصوصیت ہے۔ اپنی اسی خصوصیت کی بنا پر میں خود کو مارکیٹ میں دوسروں کی بہ نسبت بہتر پوزیشن میں پاتا ہوں۔

سوال: آپ نے کمپیوٹر سینٹر میں جو فیس ادا کی، وہ آپ کے لیے بوجھ تو نہ تھی؟

جواب: کمپیوٹر سینٹر کی فیس ہمارے لیے بوجھ بالکل نہیں تھی یہ رقم کورس اور سہولیات کے مدِ نظر بہت کم ہے۔ علاوہ ازیں غریب طلبہ کے لیے فیس کی ادائیگی میں رعایت کی سہولت بھی دی جاتی ہے جو قومی اردو کونسل کا ایک مستحسن قدم ہے۔

□□□

اردو خبرنامہ

ساتواں کل ہند اردو کتاب میلہ

لکھنؤ، 27 دسمبر "اردو ہندوستان کی زبان ہے اور سب سے زیادہ اردو بولنے والے یہاں ہیں۔ اتر پردیش، ملک کی سب سے بڑی ریاست ہے اور یہاں سب سے زیادہ اردو داں طبقہ ہے۔ ریاست کے متعدد ادیبوں اور شاعروں نے اردو کی خدمت کی ہے اور ملک اور بیرون ملک میں نام روشن کیا ہے۔ اردو کا مستقبل ہندوستان میں روشن ہے۔" ان خیالات کا اظہار ریاستی گورنر جناب ٹی وی راجیشور نے 19 دسمبر کو کرسچین پی جی کالج گراؤنڈ پر نو روزہ کل ہند اردو کتاب میلے کا افتتاح کرتے ہوئے کیا۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی جانب سے اتر پردیش اردو اکادمی کے تعاون سے منعقد ہونے والے میلے میں کونسل کے وائس چیئرمین پروفیسر شمس الرحمن فاروقی نے کہا کہ کتب بینی کا ذوق ختم ہو رہا ہے، اس لیے کتابوں سے دوستی کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ انھوں نے اردو کی ترقی میں اتر پردیش اردو اکادمی کے تعاون کی ستائش کی۔ اس سے قبل اکادمی کے صدر پروفیسر ملک زادہ منظور احمد نے استقبالیہ خطبے میں کہا کہ کسی بھی ملک کی پہچان وہاں کے تعلیم یافتہ طبقے سے ہوتی ہے۔ عمارتوں پر وقت کی گرد جم جاتی ہے لیکن ادب ہمیشہ ایک جیسا رہتا ہے اور اس کے ساتھ ادیب بھی صدیوں زندہ رہتا ہے۔ اس موقعے پر ممتاز سماجی کارکن بیگم حامدہ حبیب اللہ بھی موجود تھیں۔ کونسل کے پرنسپل پبلی کیشن آفیسر ڈاکٹر آر کے بھٹ نے اس موقعے پر فروغ اردو کے لیے کونسل کی جانب سے چلائی جانے والی مختلف اسکیموں اور پروگراموں سے واقف کرایا۔ آخر میں انھوں نے تمام شرکا کا شکریہ ادا کیا۔ ارم اسکول کی طالبات نے ترانۂ ہندی پیش کیا۔ کتاب میلے میں 57 ناشرین نے حصہ لیا جن میں اقبال اکادمی، لاہور اور پاکستان پبلشرز ایسوسی ایشن بھی شامل ہیں۔ شام کو پنڈال میں شام غزل کا پروگرام آواز اور ساز منعقد ہوا جس میں کولتار سنگھ نے غزلیں پیش کیں۔

20 دسمبر کو میلے میں طالبات کے درمیان بیت بازی کا مقابلہ بھی منعقد ہوا۔ جس میں کرامت حسین گرلز کالج کی طالبات نے اول انعام حاصل کیا۔

بیت بازی مقابلے کے بعد عورتوں کا ایک مشاعرہ منعقد ہوا جس میں ڈاکٹر نسیم نکہت، ثریا خاں، نسیم فاطمہ نظر، شاہجہاں بانو یاد، محمودہ ناز، روپ لتا ترپاٹھی اور اسما مقبول نے اپنا کلام پیش کیا۔

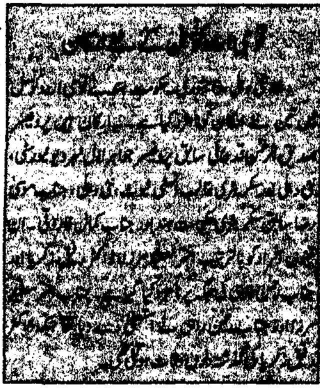

کل ہند اردو کتاب میلے کے تیسرے دن ایک سیمینار بعنوان ''اتر پردیش میں اردو کی صورت حال'' کا انعقاد اردو ٹیچنگ اینڈ ریسرچ سینٹر کے تعاون سے کیا گیا۔ سیمینار میں شدت کے ساتھ یہ مطالبہ کیا گیا کہ اتر پردیش میں اسکولی سطح پر اردو ذریعۂ تعلیم کو حکومت سے منظوری ملنی چاہیے۔ مقررین نے حال اور مستقبل کے حوالے سے گفتگو کی اور کہا کہ ایسا نہیں ہے کہ اردو پڑھنے والے کو روزگار نہیں ملتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ جو لوگ اردو کے توسط سے روزی روٹی کمانا چاہتے ہیں وہ خود کو بازار کے مطابق ڈھالیں۔ سیمینار کے افتتاحی اجلاس میں پروفیسر ملک زادہ منظور احمد نے تاریخی حوالوں سے کہا کہ اردو کی زبوں حالی کے لیے جتنی ذمے دار حکومتیں ہیں اتنے ہی صاحبان اردو بھی ہیں۔ معروف افسانہ نگار اور صحافی عابد سہیل نے کہا کہ 1950 اور اس کے بعد لکھنؤ میں بڑی تعداد میں مطبع اور مدرسے موجود تھے۔ بڑی تعداد میں چھوٹی چھوٹی لائبریریاں تھیں لیکن اس کے بعد حالات تیزی سے بدل گئے اور ہم نے بھی اپنی زبان سے محبت کا کوئی عملی ثبوت نہیں دیا۔ انھوں نے کہا کہ اردو کے تحفظ کے عملی قدم کی واحد مثال مدرسوں کی شکل میں نظر آتی ہے ورنہ اردو کی حالت اور بھی دگرگوں ہوتی۔

پروفیسر شارب ردولوی نے اپنے خطاب میں کہا کہ یہ احساس عام ہے کہ اگر ہم اردو پڑھیں گے تو ہمارے لیے زیادہ مواقع نہیں ہوں گے، یہ نہایت ہی غلط بات ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو کے طلبہ کی مناسب کیریئر کونسلنگ کی جائے۔ پروفیسر انیس اشفاق نے کہا کہ ارباب سیاست نے ہماری قوم کے مفاد پرست عناصر کو ورغلا کر ہمیشہ اردو کو اس کے جائز حق سے محروم رکھا ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ اردو میڈیم اسکولوں کے قیام کی مہم تیز نہیں کی گئی۔ سہ لسانی فارمولے کو اصل شکل میں نافذ کرنے کا مطالبہ ختم ہو گیا۔ ڈاکٹر شیمہ رضوی نے کہا کہ اردو کے سلسلے میں احساس کمتری کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ پروفیسر احسن رضوی، پروفیسر محمود الحسن، سید ضیاء الحسن، ڈاکٹر کاظم علی وغیرہ نے بھی خطاب کیا۔ اردو

ٹیچنگ اینڈ ریسرچ سنٹر کے پرنسپل ڈاکٹر مہاراج کے کول نے استقبالیہ تقریر کی۔ سیمینار کی نظامت کے فرائض شکیل احمد صدیقی نے انجام دیے۔

اختتام پر ارم انٹر کالج کے طلبہ و طالبات نے علامہ اقبال کی نظم ''دعا'' کو تجسیمی صورت میں پیش کیا۔ ساتھ ہی اسکولوں کے طلبہ و طالبات نے بیت بازی میں حصہ لیا جو یونٹی انٹر کالج حسین آباد، سنی انٹر کالج، اعجاز میموریل سوسائٹی اور الہدیٰ ماڈل اسکول کے درمیان ہوا۔ جس میں یونٹی انٹر کالج حسین آباد اور الہدیٰ ماڈل اسکول کی ٹیموں کو اوّل و دوم انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔

کتاب میلے کے چوتھے دن طلبہ و طالبات کا تقریری مقابلہ ہوا جس کا افتتاح اتر پردیش اردو اکادمی کے چیئرمین ڈاکٹر مولانا یٰسین علی عثمانی نے کیا۔ انھوں نے مقابلے میں شریک بچوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا کہ ایسے پروگراموں سے اردو زبان و ادب کو فروغ حاصل ہوگا اور بچوں میں فن خطابت سیکھنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔ مقابلے میں جج کے فرائض حسین امین، عبدالقدوس قادری اور ڈاکٹر عبدالسلام صدیقی نے ادا کیے۔ نظامت عقیل احمد فاروقی نے کی۔ ''فرقہ وارانہ ہم آہنگی ملک کی سب سے بڑی ضرورت'' کے موضوع پر ہائی اسکول کے طلبہ اور'' جنگ آزادی میں اردو شعرا و ادبا کا حصہ'' موضوع پر انٹر کے طلبہ نے اپنے خیالات پیش کیے۔ جبکہ بی اے درجات کے طلبہ کا موضوع تھا'' دور حاضر میں اردو تعلیم افکار و مسائل''۔ ہائی اسکول گروپ میں سنی انٹر کالج کی ازکیٰ سالم اول، سید علی (یونٹی کالج) دوم اور دیبہ کاظم (یونٹی کالج) نے سوم مقام حاصل کیا۔ انٹر درجات میں بتول نیاز خاں (یونٹی کالج) اول، عصمت جہاں (سنی انٹر کالج) دوم اور عرفان احمد (سنی انٹر کالج) سوم رہے جبکہ بی اے درجات میں نازلی بانو (کرامت کالج) اول، نفیس بانو (کرامت کالج) دوم اور آنسہ آفتاب عالم (ممتاز پی جی کالج) نے سوم مقام حاصل کیا۔

آخر میں مقامی شعرا کا ایک مشاعرہ منعقد ہوا مشاعرے کی صدارت پروفیسر ملک زادہ منظور احمد اور نظامت عمران انواروی نے کی۔ مشاعرے میں عامر ریاض، بسمر لکھنوی، تسنیم فاروقی، عمران انواروی، نثار احمد، عالم بارہ بنکوی، محسن قدوائی، خلش کاکوروی، عبدالماجد خاں، محمود کاکوری، شارب کوثر علوی، عبدالماجد، شکیل گیاوی، عقیل فاروقی، معراج ساحل، عرفان زنگی پوری، راکٹ آسامی، کشش سندیلوی، راہی پرتاپ گڑھی وغیرہ نے اپنا کلام پیش کیا۔

کتاب میلے کے پانچویں دن بیت بازی مقابلوں کا تیسرا دور مکمل ہوگیا۔ تیسرے دور میں ممتاز پی جی کالج اور امیر الدولہ اسلامیہ انٹر کالج کے طلبہ میں مقابلہ ہوا جس میں ممتاز کالج کی ٹیم کو اوّل قرار دیا گیا۔

اسلامیہ کالج کے طالب علم محمد سفیان خاں کو خصوصی انعام کے لیے منتخب کیا گیا۔ نظامت فدا حسین حسینی نے کی۔ ممتاز کالج کی ٹیم میں آفتاب عالم، رقیہ الیاس، محمد فاروق عادل، محمد فیض عام اور محمد خالد شامل تھے جبکہ اسلامیہ کالج کی ٹیم میں محمد سفیان خاں، محمد عامر خاں، محمد عمران خاں اور محمد اعظم قادری پر مشتمل تھی۔

24 دسمبر کی شب میں چہار بیت کی محفل منعقد کی گئی جس میں رامپور، بھوپال اور دیگر مقامات کے فنکاروں نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔

ساتواں کل ہند اردو کتاب میلہ 27 دسمبر کو اختتام پذیر ہوگیا۔ آخری دن کتاب خریدنے والوں کا مزید ہجوم میلہ گراؤنڈ پر نظر آیا۔ کتاب میلے کی اختتامی تقریب ثقافتی پنڈال میں منعقد کی گئی جس کی صدارت سرکردہ عالم دین مولانا کلب صادق نے کی۔ اس موقعے پر سابق ڈی جی پی اتر پردیش جناب ایس ایم نسیم اور انٹیگرل یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب وسیم اختر بطور خاص موجود تھے۔

ڈاکٹر آر. کے. بھٹ نے نظامت کرتے ہوئے کہا کہ لکھنؤ میں اردو کتاب میلے کے سلسلے میں کچھ خدشات تھے لیکن یہ میلہ توقعات سے کہیں زیادہ کامیاب رہا۔ ایس ایم نسیم نے اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ اردو پڑھنے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو ہماری مشترکہ تہذیب کا حصہ ہے جس کے فروغ و تحفظ کی ذمے داری ہم سب پر عائد ہوتی ہے۔ وسیم اختر نے کہا کہ اتنا منظم میلہ لکھنؤ میں پہلی بار دیکھا ہے اس کے لیے جملہ ذمے داران قابل مبارکباد ہیں۔

ڈائرکٹر انچارج قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان جناب ایس موہن نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ اس ساتویں اردو کتاب میلے میں تقریباً 22 لاکھ روپے کی کتابیں شائقین نے خریدیں جو میلے کی کامیابی کی دلیل ہے۔ انھوں نے لکھنؤ کے متعدد اسکولوں کے اساتذہ اور طلبہ اور عوام کا شکریہ ادا کیا۔

نئے پرانے چراغ

● نئی دہلی، 24 دسمبر۔ اردو اکادمی، دہلی کی جانب سے منعقدہ سہ روزہ ادبی اجتماع'' نئے پرانے چراغ'' کا افتتاح اکادمی کے سابق وائس چیئرمین اور انگولا میں ہندوستان کے سفیر م. افضل نے کیا۔ انھوں نے کہا کہ اکادمی اپنے پروگراموں کو عوام سے جوڑنے کی کوشش کرے اور اس طرح کے پروگرام اوکھلا، جامع مسجد، سیلم پور جیسے علاقوں میں کرنے چاہئیں۔

اپنے صدارتی خطبے میں ڈاکٹر شریف احمد نے کہا کہ اردو والوں کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ نیا زمانہ نئے سوال لے کر آتا ہے۔ ہمیں نئی نسل کی ہمت افزائی کرنی چاہیے۔ اس سے قبل تعارفی کلمات میں ڈاکٹر ارتضیٰ کریم نے کہا کہ اردو اکادمی نئے فنکاروں اور قلمکاروں کو'' نئے پرانے چراغ'' کے وسیلے سے ایک بہت بڑا پلیٹ فارم مہیا کراتی ہے۔ اس موقعے پر اظہار خیال کرتے ہوئے اظہار عثمانی نے کہا کہ یہ اردو اکادمی کا گیارھواں سہ روزہ ادبی اجتماع ہے جس میں تقریباً 192 قلم کار شرکت کر رہے ہیں۔ یہ اجتماع اس لیے بہت اہم ہے کہ اس میں جہاں نئے قلم کاروں کو اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا موقع ملتا ہے وہیں سینئر لوگوں کو دیکھنے کا موقع بھی ملتا ہے۔ اس سے قبل سیمینار کمیٹی کے کنوینر شیخ منظور

احمد نے استقبالیہ کلمات سے نوازا اور سکریٹری اردو اکادمی مرغوب حیدر عابدی نے تمام شرکا اور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ نظامت انیس اعظمی نے کی۔ سیمینار کے پہلے اجلاس کی صدارت پروفیسر شریف احمد، پروفیسر ساحل احمد اور ڈاکٹر ارتضیٰ کریم نے کی اور نظامت کے فرائض ڈاکٹر علیم اشرف نے انجام دیے۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر خالد اشرف، ڈاکٹر مولا بخش، ڈاکٹر توقیر احمد خاں، ڈاکٹر نجمہ رحمانی، ڈاکٹر مجیب احمد خاں، ڈاکٹر سرور الہدیٰ، ڈاکٹر تنویر حسین، ظفر اللہ انصاری اور ڈاکٹر وسیم بیگم نے مقالے پیش کیے۔ دوسرے اجلاس کی صدارت پروفیسر ظفر احمد نظامی اور پروفیسر شمس الحق عثمانی اور نظامت ڈاکٹر رضا حیدر نے کی۔ اس اجلاس میں اسد رضا نے اپنا مزاحیہ خاکہ ''مقیم کلینک'' پیش کیا۔ دیگر قلمکاروں میں منظور عثمانی، اظہار عثمانی، محمد حیدر نقوی، غیاث الرحمٰن، رضوان الحق، سعید اختر اعظمی اور اقبال مہدی نے افسانے، خاکے اور انشائیے پیش کیے۔ بعد ازاں محفل مشاعرہ کا انعقاد کیا گیا۔

'نئے پرانے چراغ' کے دوسرے دن کے پہلے اجلاس کی مجلس صدارت میں اردو اکادمی کے سکریٹری مرغوب حیدر عابدی اور پروفیسر احرار حسین تھے۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر سید کلیم اصغر، ڈاکٹر محمد نفیس حسن، ڈاکٹر نوشاد عالم، ڈاکٹر شاہینہ تبسم، ڈاکٹر عباد احمد اور خان شاہد وہاب نے مقالات پڑھے۔ مخمور صدری نے اردو میں ترقی پسند تنقید، سید علی ظہیر نقوی نے اردو زبان و ادب پر فارسی و ایرانی اثرات، محمد ہادی نے متن کی قرأت اور قاری اساس تنقید، ناظمہ جبیں نے مادری زبان کی نشو و نما اور ہم عصر تقاضے، ڈاکٹر محمد کاظم نے ڈراما بہ مقابلہ ادبی ڈراما پیش کیا۔ نظامت کے فرائض ضیا الہدیٰ انصاری نے انجام دیے۔ افسانے، انشائیے اور خاکوں پر مبنی دوسرے اجلاس کی مجلس صدارت میں پروفیسر عبدالحق، بلراج کومل اور حمید حسن شامل تھے۔ نظامت ڈاکٹر ابوبکر عباد نے کی۔ رتن سنگھ، پیغام آفاقی، نصرت ظہیر، ڈاکٹر ابن کنول، ڈاکٹر نگار عظیم، شگفتہ، ڈاکٹر شعیب رضا وارثی اور نشاں خاتون نے اپنی تخلیقات پیش کیں۔ پہلی شعری نشست زیر صدارت مخمور سعیدی منعقد کی گئی۔ نظامت معین شاداب نے کی جس میں مخمور سعیدی، نصرت گوالیاری، متین امروہوی، ڈاکٹر ظفر مراد آبادی، نرمل سنگھ نرل رائے پوری، مخدوم زادہ عقار عثمانی، سیماب سلطانپوری، منیر ہمدم، منور امروہوی، رؤف رضا، انور باری، صالحین فہمی، معین شاداب، سلیم صدیقی، اقبال فردوسی، شرف نانپاروی بدر نظیری، چاند فیضی، شاہد انور، صابر ایوبی، شبیر شاداں، منظور دہلوی، احمد کاظمی، راشدہ باقی، تسلیم دانش، شفیع ایوب، منتظر سانکھوی، سہیل ثاقب، کمل گپتا کمل اور ریاضت علی شائق وغیرہ نے بھی اپنا کلام پیش کیا۔

تیسرے اجلاس کی مجلس صدارت میں ڈاکٹر کمال احمد صدیقی، ڈاکٹر خلیق انجم، ڈاکٹر اسلم پرویز، پروفیسر محمد شاہد حسین، ڈاکٹر محمد نعمان اور ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین شامل تھے۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر شیخ عقیل احمد، ڈاکٹر فیضان حسن، ڈاکٹر مظہر احمد، ڈاکٹر احمد امتیاز، ڈاکٹر ظل ہما، ڈاکٹر حسن مثنیٰ، ابوظہیر ربانی، محمد انعام الحق، ملک راشد فیصل، ڈاکٹر شمیم احمد وغیرہ نے اپنے مضامین پیش کیے۔ نظامت سرور الہدیٰ نے کی۔

تخلیقی نثر پر مبنی دوسرے اجلاس کی مجلس صدارت میں پروفیسر اشتیاق عابدی، ڈاکٹر خالد محمود، قاضی عبید الرحمٰن ہاشمی اور اظہار اثر شامل تھے۔ اس میں جن لوگوں نے اپنے افسانے، خاکے پڑھے ان میں اقبال انصاری، بلقیس ظفیر الحسن، ترنم ریاض، ڈاکٹر شیخ افروز زیدی، خسرو متین، احمد اللہ صدیقی، پرویز شہریار اور علی احمد ادریسی کے نام شامل ہیں۔ اس جلسے کی نظامت محمد یامین نے کی۔ آخر میں پروفیسر مظفر حنفی کی صدارت اور اقبال اشہر کی نظامت میں محفل شعر و سخن منعقد کی گئی۔ اختتام پر اکادمی کے سکریٹری سید مرغوب حیدر عابدی نے تمام قلم کاروں اور سامعین کا شکریہ ادا کیا۔ (راشٹریہ سہارا، نئی دہلی)

دو روزہ مذاکرہ ''مشرق میں عشقیہ شاعری''

● علی گڑھ۔ شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی طرف سے ''مشرق میں عشقیہ شاعری'' کے عنوان سے دو روزہ مذاکرہ 27-26 نومبر کو آرٹس فیکلٹی لاؤنج میں منعقد ہوا۔ افتتاحی اجلاس کی صدارت عہد حاضر کے ممتاز دانشور اور سربرآوردہ نقاد جناب شمس الرحمٰن فاروقی نے کی اور کلیدی خطبہ معروف تنقید نگار پروفیسر شمیم حنفی نے پیش کیا۔ اس اجلاس کے مہمان خصوصی رانچی یونیورسٹی کے سابق صدر شعبۂ اردو اور مشہور نقاد پروفیسر وہاب اشرفی تھے۔

صدر شعبۂ اردو پروفیسر قاضی افضال حسین نے اپنی استقبالیہ تقریر میں سیمینار کے انعقاد کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے یہ وضاحت کی کہ عشق ہماری تہذیبی زندگی کا استعارہ ہے۔ اسے کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہماری اشتہاری دنیا نے عشق کے قیمتی لفظ کو بے آبرو کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے، اس کی عظمت، ہمہ جہتی اور اس کے دائرے کی بے پناہ وسعت کو نظر انداز کر کے اسے سطحیت اور ہوس پرستی کا نمائندہ و ترجمان بنا دیا ہے۔ بحیثیت استاد اور ادیب یہ ہماری ذمے داری ہے کہ ہم اس پروپیگنڈے کو غلط ثابت کریں۔

سیمینار کے کنوینر پروفیسر قاضی جمال حسین نے اس اجلاس کی نظامت کے فرائض انجام دیے۔

پروفیسر شمیم حنفی نے ''عشق، زندگی کا شعور اور شاعری'' کے عنوان سے کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ صارفی عہد کے انتشار زدہ ماحول میں عشق کا تصور برائے نام رہ گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم مشرق کی شاعری کو مشرق کے آثار، تہذیب اور روایات کے ذریعے ہی دیکھ سکتے ہیں۔ انھوں نے اردو کی

کلاسکی شاعری کے ساتھ ہی جدید شاعری میں پیش کی گئی عشق کی متنوع کیفیات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ مغربی تعلیم نے ہمارے ذہنوں پر جو اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس نے ہماری تہذیبی روایت کو بہت تبدیل کر دیا ہے۔

پروفیسر وہاب اشرفی نے عشقیہ شاعری کے ذیل میں عاشق، معشوق اور رقیب کو اردو شاعری کے تین اہم کرداروں سے تعبیر کیا اور فرداً فرداً ان کی خصوصیات واضح کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے مثالوں کے ساتھ اس حقیقت کو واضح کیا کہ اردو شاعری میں استعمال کیے جانے والے متھ ہندی، سنسکرت اور فارسی میں استعمال کیے جانے والے متھ سے براہ راست متاثر دکھائی دیتے ہیں۔

جناب شمس الرحمٰن فاروقی نے بڑی تفصیل کے ساتھ شاعری اور عشقیہ شاعری کا فرق واضح کرتے ہوئے بتایا کہ اگر ہم عشق کے مخصوص فلسفے اور اس کی انفرادی تہذیب سے واقف نہیں ہیں تو صحیح معنوں میں عشقیہ شاعری کو نہیں سمجھ سکتے۔ انھوں نے مع امثال واضح کیا کہ عشقیہ جذبات کا ذاتی بیان اور عشق کے متعلق شاعرانہ اظہار، دو بالکل مختلف چیزیں ہیں اور عشقیہ شاعری کے تمام تر پہلوؤں کی تفہیم کے لیے اس فرق کی نشاندہی بے حد ضروری ہے۔

دوسرے اجلاس کی صدارت پروفیسر حکیم ظل الرحمٰن نے کی اور نظامت کے فرائض شعبہ اردو کے استاد ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی نے انجام دیے۔ اس اجلاس میں پروفیسر کفیل احمد قاسمی نے ''عہد جاہلیت کی شاعری میں تصور عشق'' ڈاکٹر مسعود انور علوی نے ''ہندوستان کی عربی شاعری میں عشقیہ تصور'' ڈاکٹر صلاح الدین عمری نے ''اموی دور کی غزلیہ شاعری کا تعارف'' ڈاکٹر عاصم رضوی نے ''معاصر غزل اور عشق'' ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی نے ''عربی کی عشقیہ شاعری کے امتیازات'' اور جناب عنبر بہرائچی نے سنسکرت میں عشقیہ شاعری کی روایت'' کے عنوان سے مقالات پیش کیے۔ تیسرا اجلاس پروفیسر شمیم حنفی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ نظامت کے فرائض شعبۂ اردو کے استاد پروفیسر عقیل احمد صدیقی نے انجام دیے۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر راشد انور راشد نے ''معاصر اردو غزل میں عشق کا تصور'' جناب فرحت احساس نے ''میر کا شعر عشق'' پروفیسر قاضی افضال حسین نے ''عشقیہ شاعری کا طرز اظہار'' اور پروفیسر ابوالکلام قاسمی نے ''کلام غالب میں عشق اور تصور عشق'' کے عنوان سے مقالات پیش کیے۔

چائے کے وقفے کے بعد پہلا مقالہ ڈاکٹر سراج الدین اجملی نے ''متصوفین دائرہ شاہ اجمل کی عشقیہ شاعری'' جناب شمس بدایونی نے ''اردو شعریات اور تصور عشق'' پروفیسر خورشید احمد نے ''جدید غزل میں عشقیہ اظہار کے چند پہلو'' اور پروفیسر نقی جعفری نے ''حب عذری کی عشقیہ شاعری'' کے عنوان سے مقالات پیش کیے۔

چوتھے اجلاس کی صدارت پروفیسر قمر رئیس نے کی اور نظامت کے فرائض پروفیسر قاضی افضال حسین نے انجام دیے۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر صغیر افراہیم نے ''حسرت کی عشقیہ شاعری'' ڈاکٹر خالد بن یوسف نے ''سنسکرت کاویہ میں پریم کا تصور'' پروفیسر عبید الرحمٰن ہاشمی نے ''فیض کی عشقیہ شاعری'' اور ڈاکٹر آصف نعیم نے ''بزم عشق میں حدیث مجنوں'' کے زیر عنوان مقالات پیش کیے۔

سیمینار کے آخری اجلاس کی صدارت ہندی کے نامور شاعر اشوک واجپئی نے کی۔ اس اجلاس کا پہلا مقالہ جناب مدن سوئی نے ''پریم کویتا کیا ہے؟'' اور دوسرا مقالہ پروفیسر قمر رئیس نے ''از بیک شاعری میں تصور عشق'' کے عنوان سے پیش کیا۔ جناب اشوک واجپئی نے اپنے صدارتی کلمات میں کہا کہ ہر عہد میں دنیا کے تمام بڑے شاعروں نے اچھی عشقیہ نظمیں لکھی ہیں لہٰذا آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی پوری شدت کے ساتھ اس کیفیت کی ترجمانی کی جانی چاہیے۔

سیمینار کے اختتام پر پروفیسر قاضی افضال حسین نے تمام مندوبین اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ (ڈاک سے)

جشن غالب

● نئی دہلی، 20 دسمبر۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے 16 دسمبر کو ایوان غالب میں منعقدہ جشن غالب کا افتتاح پروفیسر گوپی چند نارنگ نے کیا۔ اس موقعے پر سابق وزیر اعظم جناب اندر کمار گجرال نے مندرجۂ ذیل دانشوروں کو غالب انعام برائے 2005 عطا کیا۔

فخر الدین علی احمد غالب انعام برائے اردو تنقید و تحقیق۔ پروفیسر فضیل جعفری، فخر الدین علی احمد غالب انعام برائے فارسی تنقید و تحقیق۔ پروفیسر عبدالودود اظہر، غالب انعام برائے اردو شاعری۔ جناب اختر سعید خاں، غالب انعام برائے اردو نثر۔ جناب عابد سہیل، ہم سب غالب انعام برائے اردو ڈراما۔ جناب یوگراج ٹنڈن، غالب انعام برائے مجموعی ادبی خدمات۔ ڈاکٹر کمال احمد صدیقی، غالب انعام برائے علمی خدمات۔ ڈاکٹر محمد اسلم پرویز۔

''تفہیم و تعبیر غالب کے امکانات'' کے موضوع پر منعقد ہونے والے بین الاقوامی غالب سیمینار کے دوسرے دن (17 دسمبر) کا اجلاس پروفیسر امیر حسن عابدی کی صدارت میں ہوا جس میں مہمان خصوصی معروف غالب شناس پرتو روہیلہ (پاکستان) تھے۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر سرور الہدیٰ نے ''نئی نسل کا غالب سے مکالمہ'' پروفیسر کریمی (ایران) نے ''تفہیم غالب در ایران'' تاشقند یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کے استاد ڈاکٹر انصار الدین ابراہیمو (ازبکستان) نے ''بابر اور غالب کا تقابلی مطالعہ'' پروفیسر وارث کرمانی نے ''کلام غالب میں تشریح کے مسائل'' اور ماہنامہ ''صدا'' (لندن) کے مدیر ڈاکٹر اقبال مرزا نے ''غالب کے سوالیہ اشعار'' کے موضوع پر مقالے پیش کیے۔ اس اجلاس کی نظامت ڈاکٹر

رضا حیدر نے کی۔

دوسرے اجلاس کی صدارت ڈاکٹر خلیق انجم اور فضیل جعفری نے کی۔ پروفیسر ضیاء الدین شکیب مہمانِ خصوصی تھے۔ اس اجلاس میں افغانستان کے اسکالر افسر رہبین نے ''کلام غالب میں بیدلانہ جنوں'' ڈاکٹر احمد محفوظ نے ''تفہیم غالب کے امکانات اور نئی نسل'' پروفیسر ابوالکلام قاسمی نے ''تفہیم غالب کے امکانی جہات'' اور پاکستانی ادیب ڈاکٹر انوار احمد نے غالب کی مختلف شرحوں کا ایک علمی تجزیہ پیش کیا۔ اس اجلاس کی نظامت ڈاکٹر ارتضیٰ کریم نے کی۔

تیسرے اجلاس کی صدارت پروفیسر عبدالودود اظہر نے کی اور مہمان خصوصی پاکستانی اسکالر تبسم کاشمیری تھے۔ اس اجلاس میں پروفیسر ضیاء الدین شکیب نے ''تفہیم و تعبیر غالب کے امکانات— فکری ارتقا کی روشنی میں'' ڈاکٹر امتیاز احمد نے ''تفہیم غالب کے ایک متبادل رویے کی تلاش'' ڈاکٹر حسن عباس نے ''ایران اور تفہیم غالب'' اور ڈاکٹر کاظم علی خاں نے کلام غالب کی شرحوں سے متعلق مقالہ پیش کیا۔ دوسرے دن کے آخری اجلاس میں ڈاکٹر تنویر احمد علوی نے صدارت کی اور مہمان خصوصی ڈاکٹر عروج اختر زیدی (کینیڈا) تھے۔ اس اجلاس میں ازبکستان کی اسکالر دل آرام کراماتوا نے ''غالب اور زبان ترکی'' پروفیسر قاضی افضال حسین نے ''تعبیر متن کے مسائل اور امکانات'' اور پروفیسر سلیمان اطہر جاوید نے ''حالی اور تفہیم غالب'' کے عنوان سے اپنا مقالہ پیش کیا۔ اس اجلاس کی نظامت ابوظہیر ربانی نے کی۔

18 دسمبر کے پہلے اجلاس کی صدارت پروفیسر قمر رئیس نے کی، پروفیسر نصیری (ایران) مہمان خصوصی تھے۔ اس اجلاس میں ازبیک اسکالر شفاعت صادق نوا نے ''تفہیم غالب خطوط میں شامل اشعار کے حوالے سے'' ایرانی ادیب ڈاکٹر عبداللہ عطائی نے ''ایران میں آثار غالب کے امکانات'' آذرمی دُخت صفوی نے ''ایران میں نقدِ تفہیم غالب پر ایک نظر'' پاکستانی ادیبہ ڈاکٹر عالیہ امام نے ''جدید عہد میں غالب کی معنویت'' اور پاکستانی دانشور محمد علی صدیقی نے ''خلیفہ عبدالحکیم اور مطالعہ غالب'' کے موضوع پر مقالات پیش کیے۔ اس اجلاس میں نظامت کا فریضہ ڈاکٹر حسن مثنیٰ نے انجام دیا۔ چھٹا اجلاس پروفیسر صادق اور ڈاکٹر اسلم پرویز کی صدارت میں ہوا اور پاکستانی ادیب جناب تسلیم احمد تصور مہمان خصوصی تھے۔ ڈاکٹر سراج اجملی نے ''تشکیک، نئی نسل اور غالب'' مقالہ عروج اختر زیدی نے ''کلام غالب فخر و مباہات کی جہت'' پرتو روہیلہ نے ''غالب کی انشانگاری و فارسی نامہ نویسی''، پروفیسر شمیم حنفی نے ''ہرسخن اس کا ایک مقام سے ہے'' اور تبسم کاشمیری نے ''تفہیم غالب کا ایک دور'' کے موضوع پر گفتگو کی، اس اجلاس کی نظامت ڈاکٹر مظہر مہدی نے کی۔ ساتواں اجلاس پروفیسر قاضی افضال حسین کی صدارت میں ہوا جس میں پاکستانی ادیب آصف فرخی مہمان خصوصی تھے۔ اس اجلاس میں پروفیسر حنیف نقوی نے فارسی خطوط کے حوالے سے تفہیم غالب کی دشواریوں پر تحقیقی مقالہ پیش کیا۔ پروفیسر عتیق اللہ نے ''غالب کے اختصاص کے چند پہلو'' پروفیسر قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی نے ''حالی اور تفہیم غالب'' پروفیسر علی احمد فاطمی نے ''نقد غالب کے نقش ہائے رنگ رنگ'' پروفیسر قاضی جمال حسین نے ''غالب کی مشکل پسندی'' اور ڈاکٹر اسلم پرویز نے ''تفہیم، تفہیم غالب اور غالب کا ایک شعر'' کے موضوع پر مقالات پیش کیے۔ اس اجلاس کی نظامت ڈاکٹر شاہینہ تبسم نے انجام دی۔ آخری اجلاس کی صدارت ڈاکٹر کمال احمد صدیقی نے کی اور مہمان خصوصی پاکستانی ادیب ڈاکٹر انوار احمد تھے۔ اس اجلاس میں پروفیسر نصیری نے ''غالب در ایران'' تسلیم احمد تصور (پاکستان) نے ''ابوالکلام آزاد کی تحریروں میں اشعار غالب'' اور آصف فرخی نے ''غالب اور افسانے میں تعبیریں'' کے عنوان سے مقالات پیش کیے۔ اس اجلاس کی نظامت ڈاکٹر علیم اشرف نے کی۔ (ڈاک سے)

جشن یوم غالب

● نئی دہلی، 27 دسمبر۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب کے 208 ویں یوم ولادت کے موقعے پر غالب اکادمی میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ سب سے پہلے غالب کے مزار پر گل پوشی و فاتحہ خوانی کی گئی۔ اس موقعے پر ڈاکٹر شمس بدایونی نے ''غالب تنقیدی مقدمات کے تناظر میں'' کے عنوان سے لیکچر دیتے ہوئے کلام غالب پر لکھے گئے تین اہم مقدمات کا ذکر کیا اور کہا کہ کلام غالب کی تنقید ابتدا ہی سے دو انتہاؤں سے جا ملی ہے ایک جانب غالب کے ہمنوا ہیں جو کلام غالب کو صحیفۂ آسمانی سے کم نہیں سمجھتے اور دوسری جانب وہ نکتہ چیں ہیں جو کلام غالب پر قواعد شعری کا انطباق کر کے اس میں خامیاں ڈھونڈتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ کلام غالب پر لکھے گئے مقدمات نے مستقبل کے لیے پرانے معیاروں کی بجائے نئے معیاروں پر غالب کی حقیقی عظمت و قدر و قیمت کے تعین کی جو فضا ہموار کی۔ ان تمام خامیوں، کوتاہیوں، جذباتی عقیدت و غلو کے باوجود جس کی گرفت بعد کے محققین و ناقدین نے کی آج بھی قابل قدر ہے۔ صدر جلسہ ہمدرد آرکائیوز کے ڈائرکٹر سید اوصاف علی نے کہا کہ کلام غالب کو پڑھ کر سمجھنا چاہیے، شرحوں کی طرف کم دیکھنا چاہیے۔ اس موقعے پر سشیل سلوان نے ''جہان غالب'' اور جناب خواجہ حسن ثانی نظامی نے دیوان غالب ڈیلکس کا اجرا کیا۔ جلسے میں پروفیسر شمیم حنفی اور پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے بھی اظہار خیال کیا۔ استاد ضمیر احمد خان نے کلام غالب سے سامعین کو محظوظ کیا۔ (ڈاک سے)

''سجاد ظہیر: ادبی خدمات اور ترقی پسند تحریک'' پر مذاکرہ

● نئی دہلی، 17 دسمبر۔ سجاد ظہیر ادب کا ایک روشن مینار تھے۔ انھوں نے

افراد کی ذہن سازی میں کلیدی رول ادا کیا۔ وہ سماج کی تعمیر وتشکیل کے لیے اجتماعی کوششوں کے ہمیشہ خواہاں رہے۔'' ان خیالات کا اظہار سابق وزیراعظم جناب اندر کمال گجرال نے ساہتیہ اکادمی کی جانب سے ''سجاد ظہیر: ادبی خدمات اور ترقی پسند تحریک'' کے موضوع پر منعقدہ دوروزہ بین الاقوامی مذاکرے کا افتتاح کرتے ہوئے کیا۔ جناب اندر کمال گجرال نے مزید کہا کہ ترقی پسندوں نے سب سے پہلا حملہ دقیانوسیت کے خلاف کیا۔ وہ سب کو ساتھ لے کر چلے اور یہی وجہ تھی کہ سامراجیت کی دیوار میں پہلی دفعہ شگاف نظر آیا۔ زبان، آرٹ، ادب، سماج سب پر ترقی پسند تحریک کا اثر پڑا۔ سجاد ظہیر اور دیگر ترقی پسند ادبا و شعرا نے اجتماعیت پر زور دیا۔

پروفیسر گوپی چند نارنگ (چیئرمین ساہتیہ اکادمی) نے اپنے صدارتی خطبے میں کہا کہ سجاد ظہیر کا ادبی سرمایہ قلیل ہوتے ہوئے بھی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کا ازسرنو جائزہ لیا جائے اور ایک نئے سجاد ظہیر کی بازیافت کی جائے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ سجاد ظہیر نظریاتی وابستگی کے باوجود تخلیق کاروں کی آزادی کی ہمیشہ بات کرتے رہے۔ وہ دراصل اشتراکیت اور ترقی پسندی کو صحیح معنوں میں روشن کرنا چاہتے تھے۔ اسی لیے ان کے یہاں تخلیقی آزادی اور کشادگی خوب ملتی ہے۔

اس موقعے پر جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر پروفیسر مشیرالحسن نے کہا کہ آج سجاد ظہیر جیسے روشن دماغ تخلیق کاروں اور کارکنوں کی اشد ضرورت ہے۔ انھوں نے کہا کہ ترقی پسند نظریے کی اہمیت یہ ہے کہ یہ تحریک رجعت پسندی اور فرقہ وارانہ ذہنیت کے خلاف تھی۔

ممتاز فکشن نگار انتظار حسین نے کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ سجاد ظہیر نے ادب کے کچھ دروازے کھولے ہیں اور بعض کھڑکیاں توڑی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ سجاد ظہیر کا جب بھی ذکر آئے گا تو روشنائی، پگھلا نیلم، ذکر حافظ، لندن کی ایک رات کا ذکر ناگزیر ہوگا جن سے ان کی افسانوی، شعری اور تنقیدی بصیرت اجاگر ہوتی ہے۔ اس موقعے پر سجاد ظہیر کی چھوٹی صاحبزادی نور ظہیر نے اپنے والد کی ادبی وسماجی خدمات کے ساتھ ساتھ خانگی زندگی کا بھی ذکر کیا۔

ساہتیہ اکادمی کے سکریٹری پروفیسر کے سچیدانندن نے اپنے خیر مقدمی کلمات میں تمام مندوبین اور شرکا کا خیر مقدم کیا جبکہ شین کاف نظام نے آخر میں تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ اس موقعے پر اندر کمار گجرال کے ہاتھوں ساہتیہ اکادمی کی تازہ کتاب ''سجاد ظہیر: حیات اور خدمات''، (مصنف قمر رئیس) کا اجرا عمل میں آیا جبکہ انتظار حسین نے نور ظہیر کی کتاب ''میرے حصے کی روشنائی'' کا اجرا کیا۔

سیمینار کے پہلے اجلاس کی صدارت ہندی کے معروف فکشن نگار کملیشور نے کی۔ اس میں سجاد ظہیر کے ناول ''لندن کی ایک رات'' سے مختلف زاویے اور نقطۂ نظر سے ساجدہ زیدی، کمال احمد صدیقی، عتیق اللہ، آصف فرخی (پاکستان) نے مقالات پیش کیے۔ دوسرے اجلاس کی صدارت پروفیسر محمد حسن نے کی جبکہ پروفیسر قمر رئیس، پروفیسر صادق اور ساجد رشید نے سجاد ظہیر کی ادبی خدمات پر اپنے مقالات پیش کیے۔

دوسرے دن کے پہلے اجلاس میں صدارتی خطبہ پیش کرتے ہوئے جناب انتظار حسین نے کہا کہ ادب کے تاریخی پس منظر میں سجاد ظہیر کی بازیافت کی جانی چاہیے۔ سجاد ظہیر ایک اعتدال پسند ادیب اور انصاف پرور سماجی کارکن تھے۔ انھوں نے نہ تو ادب میں اور نہ ہی اپنی زندگی میں انتہاپسندی کو جگہ دی۔ انھوں نے اپنے تہذیبی ورثے کے انمول رتن کے تحفظ کی ہمیشہ بات کی اور انفعالی تصوف، فراریت، داخلیت اور لذت پرستی کے خلاف ہمیشہ آواز بلند کی۔

عابد سہیل نے ''روشنائی کے دو قلمی مرقعے (پریم چند، حسرت موہانی)، ارتضیٰ کریم نے ''سجاد ظہیر اور انگارے کی مکرر قرأت'' اور وسیم بیگم نے ''سجاد ظہیر کے خطوط زنداں'' کے زیرعنوان مقالے پیش کیے۔ چوتھے اجلاس کی صدارت پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے کی۔ انھوں نے مزید کہا کہ ترقی پسند ادب کو ایک وسیع تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ ہمارا سماج آج بھی سجاد ظہیر جیسے لوگوں کی فکر سے زندہ ہے۔ اس اجلاس میں گفتگو کرتے ہوئے ستندر سنگھ نور نے کہا کہ سجاد ظہیر نے اپنی فکری تحریروں سے ایک نئی دنیا آباد کی ہے۔ شہزاد انجم نے ''سجاد ظہیر کے افکار کی عصری معنویت'' کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔ پانچویں اجلاس کی صدارت پروفیسر قمر رئیس نے کی۔ انھوں نے کہا کہ سجاد ظہیر ترقی پسندوں کا محور و مرکز تھے۔ ان کے کردار و افکار نے بہتوں کو متاثر کیا اور ان کی تعمیری فکر آج بھی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ اس اجلاس میں پروفیسر منیجر پانڈے، پروفیسر ہریش نارنگ اور فخر زماں (پاکستان) نے اپنے مقالات پیش کیے۔

آخری اجلاس کی صدارت معروف شاعر پروفیسر شہریار نے کی۔ انھوں نے سجاد ظہیر کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ سماج کی تعمیر وتشکیل میں ان کے مثبت رول کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ پروفیسر محمد حسن نے سجاد ظہیر کے حوالے سے کئی دلچسپ واقعات بیان کیے۔ اس اجلاس میں پروفیسر شافع قدوائی، سید محمد مہدی، اصغر ندیم سید (پاکستان) نے مقالات پیش کیے جبکہ عبدالمنان طرزی نے سجاد ظہیر کی شخصیت و خدمات کا منظوم احاطہ کیا۔ آخر میں پروفیسر گوپی چند نارنگ نے تمام مندوبین، شرکا اور مقالہ نگاروں کا شکریہ ادا کیا۔

(ڈاک سے)

کل ہند اردو کانفرنس

● **ناگپور، 19 دسمبر۔** ''اردو زبان کی یہ بدقسمتی ہے کہ اسے ایک مخصوص فرقے کی زبان سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ یہ خالص ہندوستانی زبان ہے۔'' ان

خیالات کا اظہار نیشنل کمیشن آف مائناریٹی ایجوکیشن کے چیئرمین جسٹس سہیل اعجاز صدیقی نے یونائیٹیڈ اسٹوڈینٹس ایسوسی ایشن، مومن پورہ، ناگپور کی طرف سے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے اشتراک سے مسلم لائبریری گراؤنڈ، مومن پورہ، ناگپور میں منعقدہ کل ہند اردو کانفرنس کے صدارتی خطبے میں کیا۔ انھوں نے کہا کہ یو.این.او. کے 2001 کے سروے کے مطابق اردو دنیا میں سب سے زیادہ بولی جانے والی زبانوں میں سے ہے۔ لیکن اپنے ہی وطن میں اسے اپنا حق نہیں مل پا رہا ہے۔

افتتاحی کلمات ڈاکٹر شرف الدین ساحل نے ادا کیے۔ انجمن حامیِ اسلام، ناگپور کے سابق سکریٹری جناب صدیق علی خاں پٹیل کی سرپرستی میں منعقدہ اس تقریب میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے مہاراشٹر کے کابینی وزیر جناب انیس احمد نے شرکت کی۔ اس جلسے میں محترمہ قمر بانو کریم (سابق ڈائرکٹر انسٹی ٹیوٹ آف سائنس، ناگپور) نے ''اردو طلبہ کو مقابلہ جاتی امتحانات میں درپیش مسائل اور ان کا حل''، ڈاکٹر کلیم ضیا (شعبۂ اردو اسماعیل یوسف کالج، ممبئی) نے ''اردو ذریعۂ تعلیم کی اہمیت اور علاقائی زبانوں کی ضرورت''، ڈاکٹر قدسیہ اختر (سیفیہ کالج، بھوپال) نے ''اردو ذریعۂ تعلیم معیار، مسائل اور حل'' اور جناب عبدالمجید بیدار (صدر شعبۂ اردو عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد) نے ''اردو ذریعۂ تعلیم اور ہماری ذمے داریاں'' کے تحت اپنے مقالات پیش کیے۔ نظامت جناب انصاری اصغر جمیل (مدیر 'اردو وسیلہ' ناگپور) نے کی۔

تقریب کے دوسرے اجلاس تقسیم اعزاز و انعامات کی صدارت سنت تکڑوجی مہاراج یونیورسٹی، ناگپور کے وائس چانسلر ڈاکٹر ایس این پٹھان نے کی۔ اس جلسے میں مولانا غلام محمد وستانوی کو ''مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی ایوارڈ''، جناب شبیر انصاری کو ''مولانا ابوالکلام آزاد ایوارڈ''، جناب الشیخ شبیر حسین ندوی کو ''سرسید احمد خاں ایوارڈ'' اور جناب حیدر علی دوسانی کو ''قومی یکجہتی ایوارڈ'' سے سرفراز کیا گیا۔

دوسرے جلسے کی نظامت جناب کلیم احمد انصاری نے کی۔ اس جلسے میں دسویں اور بارھویں جماعت کے بورڈ امتحان میں اردو میڈیم سے میرٹ لسٹ میں مقام پانے والے طلبہ و طالبات زریں انجم بنت اشفاق انجم (رفیع احمد قدوائی ہائی اسکول، چندرپور)، سیما تبسم جمیل احمد (ربانی جونیئر کالج، کامٹی) محمد صادق ہارون رشید عادل (ربانی جونیئر کالج، کامٹی) کا بھی استقبال کیا گیا۔ یوم اردو کے موقعے پر منعقدہ ریاستی سطح کے مضمون نویسی کے مقابلے میں اول، دوم اور سوم مقام حاصل کرنے والے طلبہ و طالبات کو انعامات سے نوازا گیا۔ جن میں فرحانہ انصاری اشتیاق احمد (مجیدیہ گرلز ہائی اسکول، بھانکھیڑا، ناگپور)، صفیہ شیخ غلام دستگیر (اقرا شاہین اردو ہائی اسکول، مہرون، جلگاؤں)، ریحان احمد عبدالرحمن (انجمن ہائی اسکول، کھام گاؤں، ضلع بلڈانہ)، محمد طاہر مولوی محمد یعقوب (مولانا ابوالکلام ریزیڈنشیل اردو ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج، اکل کواں)، حسینہ بیگم بنت حافظ محمد علاء الدین (قدوائی ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج، لشکری باغ، ناگپور)، صادق خان رحمت اللہ خان (شاہ بابو جونیئر کالج آف آرٹس اینڈ سائنس، پاتور ضلع آکولہ) وغیرہ شامل تھے۔ ہدیۂ تشکر جناب ایس کیو زماں نے ادا کیا۔ (ڈاک سے)

اردو زبان و ادب کے فروغ میں صوبۂ بہار کا حصہ

● دربھنگہ، 22 دسمبر۔ بہار کے ادبا و شعرا نے نہ صرف اردو زبان و ادب کے جڑوں کی آبیاری کی ہے بلکہ اس کو ثمرآور بھی بنایا ہے اس لیے اردو زبان و ادب کی تاریخ لکھتے وقت یہاں کے ادبا و شعرا کی خدمات کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ ممتاز ناقد پروفیسر ابوالکلام قاسمی نے مولانا ابوالکلام آزاد چیئر ایل.این. متھلا یونیورسٹی، دربھنگہ (بہار) کی جانب سے منعقدہ ایک روزہ قومی مذاکرے میں کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے ان خیالات کا اظہار کیا۔ انھوں نے کہا کہ شاعری کے باب میں شاد عظیم آبادی، تنقید میں امداد امام اثر اور کلیم الدین احمد، تحقیق میں قاضی عبدالودود کو نظرانداز کر کے اردو زبان و ادب کی تاریخ نہیں لکھی جاسکتی۔ انھوں نے کہا کہ دور حاضر میں اصناف ادب کا کوئی ایسا میدان نہیں جس میں بہار کے قلم کاروں کی حیثیت نمایاں نہ ہوں۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے اشتراک سے منعقدہ اس قومی مذاکرے کے آغاز میں ڈاکٹر مشتاق احمد، ڈائرکٹر مولانا ابوالکلام آزاد چیئر، ایل این متھلا یونیورسٹی نے خیرمقدمی کلمات ادا کیے۔ عائشہ خاتون اور دیگر طالبات (ملت کالج، دربھنگہ) نے ایک استقبالیہ نظم پیش کی۔ مذاکرے کا افتتاح کرتے ہوئے پروفیسر راج منی پرساد سنہا (وائس چانسلر ایل.این.متھلا یونیورسٹی) نے کہا کہ اردو صرف ایک زبان ہی نہیں بلکہ ایک تہذیب بھی ہے جس نے ہندوستانی عوام کے دلوں میں زبان کا شعور اور سلیقہ پیدا کیا۔ انھوں نے کہا کہ ہندوستانی فلمی نغموں کی مقبولیت کا راز اردو زبان کی دلکشی اور لوچ میں پنہاں ہے۔ سیمینار کے افتتاحی اجلاس کے مہمان خصوصی ڈاکٹر تنویر حسن (ایم ایل سی) نے اردو کی تعلیم کو بنیادی سطح پر مستحکم کرنے اور زبان کے فروغ میں عملی حصہ لینے کی ضرورت پر زور دیا۔ ڈاکٹر نیلامبر چودھری اور ڈاکٹر کمار پرساد سنگھ (رجسٹرار) نے بھی اظہار خیال کیا۔ افتتاحی جلسے کی صدارت پروفیسر بھولا پرساد سنگھ نے کی۔

سیمینار کے پہلے اجلاس کی صدارت پروفیسر طلحہ رضوی برق اور ڈاکٹر شہزاد انجم نے کی نظامت کے فرائض ڈاکٹر ندیم احمد نے انجام دیے۔ اس اجلاس میں مولانا رضوان اللہ نے ''حضرت منت اللہ رحمانی کی لسانی خدمات'' پر اپنا مقالہ

پڑھا، نکہت افشاں خاتون نے ''انجم مانپوری کی مزاحیہ شاعری'' ڈاکٹر احتشام الدین'' مناظر حسن گیلانی کی ادبی خدمات'' جمال اویسی'' بہار کے نئے اردو نقاد'' ڈاکٹر محمد کاظم'' بہار میں اردو ڈرامہ نگاری'' ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی'' بہار میں اردو ناول نگار'' ڈاکٹر شائستہ انجم نوری'' ذکیہ مشہدی کی افسانہ نگاری'' ڈاکٹر قیام نیّر ''بہار میں اردو افسانہ'' ڈاکٹر برکت علی'' بہار میں انشائیہ نگاری'' ڈاکٹر آفتاب احمد آفاقی'' دبستان عظیم آباد کا ایک اہم فنکار۔ نادم بلخی'' ڈاکٹر نعمت اللہ'' جمیل مظہری کی نظم گوئی'' صفدر امام قادری'' بہار کے لکھنے والوں کی شناخت'' ڈاکٹر منصور عمر'' بہار میں دوہا نگاری'' ڈاکٹر ایس ایم رضوان اللہ'' بہار میں مرثیے کا فن'' ڈاکٹر فاران شکوہ یزدانی ''کلیم الدین احمد بحیثیت نقاد'' مشتاق احمد نوری ''انیس رفیع کی افسانہ نگاری'' پروفیسر فاروق احمد صدیقی'' بہار میں نعت گوئی'' پروفیسر عبدالمنان طرزی ''متھلا میں اردو نثر کا ارتقا'' اور پروفیسر قمر اعظم ہاشمی نے ''بہار میں اردو تنقید و تحقیق'' کے موضوعات پر اپنے مقالات پیش کیے۔

دوسرے اجلاس کی صدارت پروفیسر ضیاء الرحمٰن، پروفیسر قمر اعظم ہاشمی، پروفیسر فاروق احمد صدیقی، مشتاق احمد نوری اور پروفیسر عبدالمنان طرزی نے کی اور نظامت ڈاکٹر محمد کاظم نے کی۔ مقالہ نگاروں میں ارتضیٰ احمد نے ''مہر شکروی کی شاعری'' ایس. ایم محمود فرید'' سہیل عظیم آبادی کی افسانہ نگاری'' ڈاکٹر افسر کاظمی ''منظر کاظمی کی افسانہ نگاری'' عطا عابدی'' قاضی عبدالودود کی تحقیق'' ڈاکٹر ارشد مسعود ہاشمی ''نصیر حسین خیال اور مسئلہ زبان'' ڈاکٹر نسرین سلطانہ'' بہار کی خواتین افسانہ نگار'' ڈاکٹر منظر سلیمان'' میتھلی زبان پر اردو کے اثرات'' ڈاکٹر ابوبکر رضوی ''بہار میں اردو تنقید سمت و رفتار'' ڈاکٹر افتخار احمد ''شکیل الرحمٰن کی تنقید نگاری'' ڈاکٹر عالمگیر شبنم'' اردو کے فروغ میں مدارس کا رول'' پروفیسر شمیم باروی'' حیرت باروی کی شاعری'' ڈاکٹر آفتاب اشرف'' بہار میں صوفیانہ شاعری'' ڈاکٹر سہیل اختر'' بہار میں مثنوی نگاری'' ڈاکٹر ارشد جمیل'' بہار کے علما کی لسانی خدمات'' ڈاکٹر شہزاد انجم'' علاقہ مگدھ کا شعری و ادبی ورثہ'' پروفیسر ایم کمال الدین'' بہار میں اردو قصیدہ نگاری'' اور پروفیسر رضوی برق نے ''بہار میں قطعات تاریخ گوئی، آزادی کے بعد'' کے عنوانات سے مقالے پڑھے۔

سیمینار کے آخری اجلاس کی صدارت پروفیسر ابوالکلام قاسمی نے کی اور مہمانان خصوصی ڈاکٹر فیاض احمد، خورشید اکبر، ڈاکٹر افتخار احمد اور ڈاکٹر آفتاب احمد آفاقی تھے۔ اس اجلاس میں جناب مشتاق احمد نوری نے پڑھے گئے تمام مقالات پر اپنی رائے ظاہر کی۔ ڈاکٹر مشتاق احمد نے شکریہ ادا کیا۔ (ڈاک سے)

ادب اطفال پر مذاکرہ اور کتابوں کا اجرا

● مالیگاؤں، 3 نومبر۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اور ادارہ بزم اطفال مالیگاؤں کی طرف سے ادب اطفال پر ایک مذاکرہ منعقد ہوا جس کی صدارت ڈاکٹر محبوب راہی نے کی۔ اس جلسے میں ادب اطفال سے متعلق 14 کتابوں کا اجرا مہمانان خصوصی کے ہاتھوں ہوا۔ جناب سلطان سبحانی کی کتاب ''گولر کا پھول'' کا اجرا جناب آفتاب حسنین نے، محترمہ بانو سرتاج کی کتاب ''وطن کے لیے'' کا اجرا ڈاکٹر محبوب راہی نے، رفیع احمد کی کتاب ''علم کا شوق'' کا اجرا جناب ایم رفیق نے، جناب عبدالرحیم نشتر کی کتاب'' اردو زبان کا سوتیلا بچہ'' کا اجرا جناب حیدر بیابانی نے، رحمانی سلیم احمد کی کتاب'' بیت بازی'' کا اجرا ڈاکٹر محبوب راہی نے، جناب آفتاب حسنین کی کتاب'' آفتاب حسنین کی کہانیاں جانوروں کی'' کا اجرا مدیر بیباک ہارون بی. اے. نے، مشہور شاعر ظہیر قدسی کی کتاب'' دھنک رنگ'' کا اجرا مدیر خیر اندیش خیال انصاری نے، ادیب الاطفال جناب ایم یوسف انصاری کی پانچ کتابوں کا اجرا شہر کی بزرگ شخصیت جناب بشیر ادیب نے، رحمانی سلیم احمد کی مرتب کردہ کتاب'' ملا نصرالدین کے لطیفے'' کا اجرا جناب رحیم رضا نے، اور حیدر بیابانی صاحب کی کتاب'' منظوم لطیفے'' کا اجرا ایم یوسف انصاری نے کیا۔ ان تمام کتابوں پر جناب الحق خضر نے اپنی آرا سے نوازا۔

ڈاکٹر محبوب راہی نے'' بچوں کا ادب اکیسویں صدی کی دہلیز پر'' جناب رفیع احمد نے'' مہاراشٹر کے ادب اطفال کا شعری سرمایہ (آزادی کے بعد)'' جناب حیدر بیابانی نے'' بچوں کا شعری ادب اکیسویں صدی کی دہلیز پر'' جناب امین حزیں نے'' ادب اطفال کی تاریخ'' جناب ایم رفیق نے'' کتب برائے اطفال'' اور جناب ایم یوسف انصاری نے'' ادب اطفال میں نثر کا حصہ'' مقالات پیش کیے۔ اس نشست کی نظامت جناب یٰسین اعظمی نے کی۔

دوسری نشست جناب الحق خضر کی صدارت میں منعقد ہوئی جس کی نظامت جناب انیس اظہر ملی نے کی۔ اس نشست میں جناب رفیع احمد نے ''کمپیوٹر'' اور'' آج اتوار ہے'' جناب یعقوب حسرت نے'' حمد'' اور جناب ظہیر قدسی نے مختلف مزاحیہ قطعات سنائے۔ حیدر بیابانی نے مختلف نظموں اور غزلوں کے بند اور قطعات پیش کیے۔ جناب ڈاکٹر محبوب راہی نے کئی قطعات اور نظم ''بچپن بھی ضروری ہے'' پیش کیں۔ جناب شکیل احمد نے کہانی'' دریتیم'' جناب رحیم رضا نے ''حسنِ سلوک'' رفیع الدین مجاہد نے'' چوہے کی چالاکی'' جناب آفتاب حسنین نے'' کاہل شیر'' جناب اشفاق انجم نے'' عبداللہ کی سچی کہانی'' جناب ایم یوسف انصاری نے'' سنگ تراش'' اور جناب الحق خضر نے'' نیلو چیونٹی'' کہانی پیش کی۔

تیسری نشست جناب ایم یوسف انصاری کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ صدر موصوف کے ہاتھوں ادب اطفال کے فروغ کے لیے کوشاں مصنفین اور شعرا

کو''بزم اطفال ایوارڈ'' سے نوازا گیا۔ ایوارڈ حاصل کرنے والے ادبا و شعرا میں جناب رفیع الدین مجاہد (اکولہ)، جناب رحمانی شکیل احمد (مالیگاؤں)، جناب آفتاب حسنین (ممبئی)، جناب ایم رفیق (یاول) اور محترمہ سلمیٰ قادری (مالیگاؤں) شامل ہیں۔ (ڈاک سے)

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے کالج آف ٹیچر ایجوکیشن اور ریجنل سنٹر کا افتتاح

● حیدرآباد، 19 دسمبر۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے کالج آف ٹیچر ایجوکیشن اور ریجنل سنٹر، سری نگر کا باقاعدہ افتتاح 7 دسمبر 2005 کو یونیورسٹی آف کشمیر کے وائس چانسلر پروفیسر عبدالواحد قریشی نے کیا۔ انھوں نے اس موقعے پر سری نگر تک اردو یونیورسٹی کی توسیع کو فال نیک قرار دیتے ہوئے اس یقین کا اظہار کیا کہ بی ایڈ کے علاوہ یونیورسٹی کے گریجویشن و پوسٹ گریجویشن کورسوں سے وادیِ کشمیر کے طلبہ و طالبات کو زیادہ سے زیادہ استفادے کا موقع ملے گا۔ انھوں نے وائس چانسلر پروفیسر اے ایم پٹھان اور رجسٹرار جناب فاروق احمد کو سری نگر میں کالج آف ٹیچر ایجوکیشن اور ریجنل سنٹر کے قیام کے لیے مبارکباد پیش کی۔ اس تقریب کی صدارت پروفیسر اے ایم پٹھان نے کی۔ انھوں نے توقع ظاہر کی کہ وادیِ کشمیر کے طلبہ اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ اسسٹنٹ ریجنل ڈائرکٹر ڈاکٹر اعجاز اشرف نے مہمانوں کا استقبال کیا اور پروفیسر محمد اقبال نازکی انچارج کالج آف ٹیچر ایجوکیشن نے کالج اور ریجنل سنٹر کی رپورٹ پیش کی۔ جناب فاروق احمد نے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کی کارکردگی پر روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر ریاض احمد لکچرر کالج آف ٹیچر ایجوکیشن نے نظامت کے فرائض انجام دیے اور جناب عبدالغنی کے شکریے پر اس تقریب کا اختتام عمل میں آیا۔ (سیاست، حیدرآباد)

جشن انتظار حسین

● میرٹھ، 20 دسمبر۔ شعبۂ اردو، چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی کی جانب سے منعقدہ ''جشن انتظار حسین'' میں ممتاز اردو فکشن نگار جناب انتظار حسین نے کہا کہ ہجرت کے کرب کو میں ابھی تک بھلا نہیں سکا۔ ہندوستان کی مٹی کی خوشبو میری یادوں میں رچی بسی ہوئی ہے۔ تقسیم کے درد کو میری کہانیوں میں بھی محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اس موقعے پر انتظار حسین کے رفیق اور ممتاز ڈراما نگار ریوتی سرن شرما نے کہا کہ انتظار حسین ایک مرنجاں مرنج شخصیت کا نام ہے جس نے نہ تو اپنے سلوک سے اور نہ ہی اپنی کہانیوں سے کسی کو نقصان پہنچایا۔ انھوں نے کہا کہ ان کے افسانوی ادب کی پہچان بزرگانِ دین کے ملفوظات اور تلمیحات سے ہوتی ہے۔ پدم شری حکیم سیف الدین احمد نے اس جلسے کی صدارت کی۔ صدر شعبۂ اردو ڈاکٹر اسلم جمشید پوری نے کہا کہ اردو فکشن کی دنیا دو بڑے ناموں قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین سے آباد ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ انتظار حسین نے اپنی کہانیوں سے جدید افسانہ نگاری کو ایک نئی سمت و رفتار عطا کی۔ پروفیسر عبید صدیقی نے کہا کہ انتظار حسین کی علمی و ادبی فتوحات کی فہرست بہت طویل ہے۔ یونیورسٹی کے پراکٹر پروفیسر رائیش کمار نے کہا کہ یہ بڑے فخر کی بات ہے کہ انتظار حسین نے میرٹھ کالج سے تعلیم حاصل کی۔ ان کے پرانے دوست عاصم علی سبزواری نے کہا کہ انتظار حسین ہمیشہ کم گو رہے لیکن کہانیوں کے حوالے سے یہ بات نہیں کہی جاسکتی کیونکہ بہت کم تخلیق کار ایسے ہیں جو اپنی عمر کے اس پڑاؤ میں بھی پہلے کی طرح مسلسل کہانیاں لکھ رہے ہیں۔ ڈاکٹر مشتاق صدف نے کہا کہ انتظار حسین ایک دبستان کی شکل اختیار کرچکے ہیں۔

اس موقعے پر انتظار حسین نے حفیظ میرٹھی میموریل لائبریری کا افتتاح بھی کیا اور اپنی کہانی ''مانوس اجنبی'' بھی سنائی۔ افشاں ملک نے حاضرین جلسہ کا شکریہ ادا کیا۔ (ڈاک سے)

منیب الرحمٰن کے اعزاز میں جلسے

● علی گڑھ، 23 دسمبر۔ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کی جانب سے امریکہ سے آئے اردو کے ممتاز شاعر پروفیسر منیب الرحمٰن کے اعزاز میں آرٹس فیکلٹی لاؤنج میں ایک ادبی نشست منعقد کی گئی جس کی صدارت ممتاز شاعر پروفیسر شہریار نے کی۔ اس نشست میں منیب الرحمٰن نے مختصر لیکن پرکشش خطاب کے ساتھ اپنی منتخب نظمیں بھی پیش کیں۔ کناڈا سے آئے مشہور ادیب اور مترجم بیدار بخت نے منیب الرحمٰن کی شخصیت اور شعری کارناموں پر روشنی ڈالی اور منیب الرحمٰن کی متعدد انگریزی نظموں کا منظوم ترجمہ بھی پیش کیا۔ جلسے کی ابتدا میں روبینہ پروین نے 1954 میں شائع پروفیسر خلیل الرحمٰن اعظمی کا منیب الرحمٰن پر لکھا ہوا خاکہ پیش کیا جس کی معنویت پچاس برس بعد آج بھی اسی طرح برقرار ہے۔ اپنی استقبالیہ تقریر میں صدر شعبۂ اردو پروفیسر قاضی افضال حسین نے کہا کہ پروفیسر منیب الرحمٰن کی شاعری تقریباً دو تہائی صدی پر محیط ہے۔ ان کی شخصیت اور شاعری کی تازگی، شائستگی، نفاست و تعلیقیت اور بھرپور کشش آج بھی جوئے رواں کی طرح جاری و ساری ہے۔ (راشٹریہ سہارا، نئی دہلی)

● نئی دہلی، 3 جنوری۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ماس کمیونیکیشن کی جانب سے جناب منیب الرحمٰن کے اعزاز میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس کی صدارت جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سابق وائس چانسلر جناب سید شاہد مہدی نے کی جب کہ مہمان خصوصی کے طور پر جناب شہریار جلوہ افروز تھے۔ جناب عبید صدیقی نے

استقبالیہ تقریر کی۔ بعد ازاں ممتاز مترجم جناب بیدار بخت نے ''منیب الرحمٰن — شاعر اور عالم'' کے عنوان سے ایک مقالہ پیش کیا۔ انھوں نے بتایا کہ جناب منیب الرحمٰن نے اپنی پہلی نظم 1949 میں لکھی تھی۔ ان کے دو شعری مجموعے ''بازدید'' اور ''شہر گمنام'' شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی کتاب ''سڑکوں کے چراغ'' مکتبہ شہرزاد، کراچی سے شائع ہونے والی ہے۔ انھوں نے انسائیکلو پیڈیا ایرانکا اور انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے لیے انگریزی میں 30 موضوعات پر مضامین تحریر کیے۔ انھوں نے منیب الرحمٰن کی تین اہم نظموں کے تراجم سنائے۔

جناب منیب الرحمٰن نے اس موقعے پر گفتگو کرتے ہوئے اردو شاعری کی بولتی کتابیں (Taking Books) تیار کرنے کا مشورہ دیا۔ انھوں نے کہا کہ قدیم اور جدید شعرا کا کلام بغیر موسیقی کے ترنم کے ساتھ ریکارڈ کیا جانا چاہیے تاکہ اردو رسم خط نہ جاننے والے شائقین اس سے مستفید ہو سکیں۔ اس موقعے پر انھوں نے اپنی نظمیں ''صابن کے بلبلے''، ''ایصال''، ''بازدید''، ''پھول اور تارے''، ''واردات''، ''سرسوں کے کھیت''، ''اونچا مکان''، ''خداوندا''، ''کہرے میں''، ''رقص ہوتا رہا''، ''میرے 80 برس'' اور ''گرمی کی شام'' سنائیں۔

احمد ہمیش کے اعزاز میں جلسہ

● نئی دہلی 5 جنوری۔ مشہور و معروف افسانہ نگار اور شاعر ڈاکٹر احمد ہمیش کے اعزاز میں ساہتیہ اکادمی، دہلی کی جانب سے ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس میں ڈاکٹر احمد ہمیش نے اپنا افسانہ ''کہانی مجھے لکھتی ہے'' سنایا۔

اس موقعے پر ساہتیہ اکادمی کے چیئرمین پروفیسر گوپی چند نارنگ نے احمد ہمیش کا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ وہ ریڈیو پاکستان سے منسلک رہے۔ ماہنامہ ''تشکیل'' کے مدیر ہیں اور انھیں اردو کے ساتھ ہندی پر بھی عبور حاصل ہے۔ وہ ضیا محی الدین اکادمی، پاکستان میں سنسکرت ڈرامے کی درس و تدریس کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ اس موقعے پر سوالات کرنے والوں میں ڈاکٹر ابن کنول، قاضی عبید الرحمٰن ہاشمی، کمال احمد صدیقی، کبیر داس اور جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی یونیورسٹی اور جے این یو کے اساتذہ بھی شامل تھے۔ ڈاکٹر ہمیش نے حاضرین کی فرمائش پر ہندی نظم سے بھی محظوظ کیا۔ ساہتیہ اکادمی کے سکریٹری پروفیسر کے سچیدانندن نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ (راشٹریہ سہارا، نئی دہلی)

جشن اقبال

● بھوپال، 10 دسمبر۔ اقبال ادبی مرکز ساہتیہ اکادمی مدھیہ پردیش سنسکرتی پریشد کی جانب سے 9 اور 10 دسمبر کو منعقدہ دو روزہ اقبال سماروہ میں اقبال کے اشعار پر مبنی مصوری مقابلے کا افتتاح مدھیہ پردیش اقلیتی کمیشن کے چیئرمین انور محمد خاں نے کیا۔ انھوں نے کہا کہ اقبال عظیم شاعر تھے، ان کی شاعری میں انسانی قدریں حد کمال کو پہنچی ہوئی ہیں۔ اس موقعے پر ایک مذاکرے کا انعقاد ہوا جس کی صدارت پروفیسر آفاق احمد نے کی۔ ڈاکٹر ابن کنول، صدر شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی، انمیشن دیوریا اور ماسٹر اختر نے اقبال کی شخصیت اور شاعری کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی۔

مصوری مقابلے کے کامیاب طلبہ کو مہمان خصوصی منظر بھوپالی نے انعامات سے نوازا۔ گروپ الف میں ایک ہزار روپے کا پہلا انعام شادان احمد کریسنٹ پبلک اسکول، ب گروپ میں 1500 روپے کا پہلا انعام تحسین سنگھ ڈیمانسٹریشن اسکول اور گروپ، ج میں 2500 روپے کا پہلا انعام جتیندر ٹھاکر گورنمنٹ حمیدیہ کالج بھوپال کو دیا گیا۔ اس موقع پر اقبال کے کلام پر مبنی شام موسیقی کا بھی اہتمام کیا گیا۔ (ڈاک سے)

انعامات و اعزازات

ساہتیہ اکادمی انعامات

● نئی دہلی، 22 دسمبر۔ سال 2005 کے لیے ساہتیہ اکادمی انعامات کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ اردو کا انعام ممتاز افسانہ نگار اور بہار قانون ساز کونسل کے چیئرمین جابر حسین کو ان کی کتاب ''ریت پر خیمہ'' کے لیے دیا گیا ہے۔ ہندی میں منوہر شیام جوشی کو ان کے ناول ''کیاپ'' کے لیے، کشمیری میں حامدی کاشمیری کو ان کے شعری مجموعے ''یتھ میانی جویہ'' کے لیے اور پنجابی میں گربچن سنگھ بھلر کو ان کے افسانوی مجموعے ''اگنی کلس'' کے لیے ساہتیہ اکادمی انعام سے نوازا گیا۔ اس کے علاوہ سندھی میں ڈھولن راہی، آسامی میں یشے دور جے ٹھونگچی، ڈوگری میں کرشن شرما، گجراتی میں سریش دلال، کنڑ میں راگھوندر پاٹل، کونکنی میں این شیوداس، میتھلی میں وویکانند ٹھاکر، ملیالم میں جی.وی. کاکاندن، منی پوری میں ایم نبکشور سنگھ، مراٹھی میں آنجہانی ارون کولاٹکر، نیپالی میں کرشن سنگھ موکتان، اڑیسہ میں رام چندر بہیرا، راجستھانی میں چیتن سوامی، سنسکرت میں سوامی رام بھدرآچاریہ، تمل میں جی. تلکاوتھی اور تیلگو میں ابوری چھایا دیوی کو ایوارڈ کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ بنگالی اور انگریزی کے انعامات کا اعلان ابھی نہیں کیا گیا ہے جبکہ دو نئی زبانوں بوڈو اور سنتھالی کو ساہتیہ اکادمی ایوارڈ کے لیے شامل کیا گیا ہے۔ بوڈو میں منگل سنگھ ہازوواری اور سنتھالی میں جادومنی بیسرا کو پہلا ساہتیہ اکادمی انعام دیا گیا ہے۔ ان انعامات کا فیصلہ گوا میں ساہتیہ اکادمی کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں کیا گیا جس کی صدارت اکادمی کے چیئرمین پروفیسر گوپی چند نارنگ نے کی۔ (ڈاک سے)

محمد علی جوہر اعزازات

● نئی دہلی، 11 دسمبر۔ ''سماجی خدمت انسانی فریضہ ہے۔ اس فرض میں کوتاہی کا مطلب خدا پر اعتقاد میں کوتاہی ہے۔ انسان وہی ہے، جو مذاہب سے بالاتر دوسروں کے کام آئے۔'' ان خیالات کا اظہار معروف سماجی کارکن اور سینئر آئی پی ایس کرن بیدی نے مولانا محمد علی جوہر اکادمی کی طرف سے منعقد تقسیم جوہر ایوارڈ 2005 کے ستر ھویں سالانہ جلسے میں کیا۔ مولانا محمد علی جوہر کے 127 ویں یوم ولادت کے موقعے پر غالب اکادمی بستی حضرت نظام الدین اولیا میں منعقد اس جلسے کی صدارت ڈاکٹر سید فاروق نے کی، جب کہ نظامت کے فرائض جوہر اکادمی کے جنرل سکریٹری ایم سلیم نے انجام دیے۔ محترمہ کرن بیدی نے مزید کہا کہ اردو اتنی شیریں زبان ہے کہ اس کے بولنے والوں میں لڑائی جھگڑے کا تصور نا قابل فہم ہے۔ انھوں نے اردو کو محبت کی زبان قرار دیا۔

پاکستانی ہائی کمیشن کے منسٹر آف پریس رائے ریاض حسین نے مولانا محمد علی جوہر کو برصغیر کی جنگ آزادی کا ہیرو بتاتے ہوئے کہا کہ ہر میدان میں ان کی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔

جناب ایم سلیم نے دوران نظامت جوہر اکادمی کی کارکردگی پر روشنی ڈالی۔ پروفیسر اختر الواسع نے استقبالیہ خطبہ پیش کیا اور ایوارڈ یافتگان کا تعارف کرایا۔ ڈاکٹر سید فاروق نے کہا کہ مولانا محمد علی جوہر کو بہتر خراج عقیدت یہ ہوگا کہ ہم ان کی تعلیمات پر ملک و قوم کی ترقی میں تعمیری کردار ادا کریں۔ سیاست، صحافت، شاعری اور سماجی و علمی خدمات کے اعتراف میں مولانا جوہر ایوارڈ 2005 سے سینئر آئی پی ایس افسر ڈاکٹر کرن بیدی، ڈپٹی اسپیکر دہلی اسمبلی شعیب اقبال، قومی اردو کونسل کے وائس چیئرمین جناب شمس الرحمن فاروقی، مدیر اعلیٰ روزنامہ ''آزاد ہند'' (کولکاتہ) احمد سعید ملیح آبادی، ڈپٹی سکریٹری دہلی سرکار منصور احمد عثمانی، فلمی نغمہ نگار سنتوش آنند اور سماجی کارکن محترمہ کوثر نقشبندی (کشمیر) کو نوازا گیا۔ جلسے میں پاکستان ہائی کمیشن کے ضیاء اللہ عباسی، احمد مصطفیٰ صدیقی راہی، ڈاکٹر فرید اور حکیم انیس الرحمن بطور مہمان شریک ہوئے۔ (ڈاک سے)

جلسہ تقسیم انعامات برائے طلبہ

● گلبرگہ، 25 دسمبر۔ ''اردو ذریعۂ تعلیم کے طلبہ کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے وہ محنت اور لگن کے ذریعے انگریزی ذریعۂ تعلیم کے طلبہ سے مسابقت کر سکتے ہیں۔'' ان خیالات کا اظہار جناب عبدالرب مینجنگ ڈائرکٹر NEKRTC گلبرگہ نے انجمن ترقی اردو ہند شاخ گلبرگہ کی جانب سے منعقدہ جلسہ تقسیم انعامات کو مخاطب کرتے ہوئے کیا۔

جناب قمر الاسلام سابق ریاستی وزیر نے اس موقعے پر حیدرآباد کرناٹک کی سطح پر SSLC امتحان مارچ 2005 میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والی طالبہ سیدہ حلیمہ نوشین (شاہین ہائی اسکول، بیدر) کو ''سیاست'' گولڈ میڈل عطا کیا۔ ڈاکٹر سید رحمت اللہ ٹرسٹی البدر ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ گلبرگہ نے اپنے ادارے کی جانب سے ضلع گلبرگہ کی سطح پر SSLC امتحان مارچ 2005 میں اول، دوم اور سوم آنے والی طالبات کو رقمی انعامات سے نوازا۔ جلسے میں سید فضل المتین اور شریف احمد قریشی نے بھی اظہار خیال کیا۔

ریاستی سطح کا رقمی انعام (مبلغ 5 ہزار روپے) منجانب الحاج قمر الاسلام سابق وزیر حکومت کرناٹک۔ سیدہ بی بی زینب انعامدار (گورنمنٹ اردو گرلز ہائی اسکول، چرن ہلی، ہانگل، ہاویری)، حیدرآباد کرناٹک سطح کا گولڈ میڈل منجانب روزنامہ ''سیاست'' حیدرآباد، سیدہ حلیمہ نوشین، (شاہین ہائی اسکول بیدر) انعام اول، جویریہ فردوس، (نشیمن ہائی اسکول، گلبرگہ) انعام دوم، مہ ناز افشین، (شاہین ہائی اسکول بیدر) انعام سوم، ضلعی سطح کے انعامات منجانب البدر ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ گلبرگہ، جویریہ فردوس (نشیمن ہائی اسکول، گلبرگہ) انعام اول، روبینہ تحسین (بی بی رضا گرلز ہائی اسکول) انعام دوم، سیدہ عطیہ نزہت (نشیمن گرلز ہائی اسکول، گلبرگہ) انعام سوم، زبان اول اردو میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے پر منجانب انجمن ترقی اردو ہند شاخ گلبرگہ، سہیلہ فردوس (نیشنل گرلز ہائی اسکول گلبرگہ) انعام اول، سمیہ آفرین (نشیمن گرلز ہائی اسکول، گلبرگہ) انعام دوم، تنویر فاطمہ (اسلامیہ گرلز ہائی اسکول، گلبرگہ) انعام سوم۔

(ڈاک سے)

جلسہ تقسیم اسناد

● بارہ بنکی۔ 10 نومبر۔ علامہ اقبال اور مولانا ابوالکلام آزاد کے یوم ولادت کے موقعے پر رابطہ سیوا اسنستھان کی طرف سے ہوٹل مغل دربار میں منعقد تقریب میں اردو کے موجودہ حالات اور اس کی ترقی پر غور و خوض کیا گیا اور تنظیم کے ذریعے چلائے جا رہے اردو ڈپلوما کورس کے فارغ طلبہ و طالبات کو سند بھی تقسیم کی گئی۔ تقریب کی مہمان خصوصی پرنسپل نسواں ڈگری کالج بارہ بنکی کی صدر شعبۂ اردو ڈاکٹر صفت الزہرہ زیدی تھیں۔ جلسے کی نظامت ڈاکٹر تسخیر الحسن نے کی اور افتتاح ضلع اقلیت بہبود افسر جناب راجا سنگھ نے کیا۔

رابطہ سیوا اسنستھان کے کوآرڈینیٹر جناب محمد سلیم نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ڈپلوما ان اردو لینگویج کورس کے طلبہ و طالبات کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی زندگی میں اردو کو اس طرح اپنالیں کہ پہلے جملے میں ہی انھیں اردو داں تسلیم کر لیا جائے۔

ارم گرلس ڈگری کالج چوک لکھنؤ کے پرنسپل جناب جلیل یار خاں وارثی نے

اپنے صدارتی خطبے میں اسناد حاصل کرنے والے طلبہ وطالبات کو مبارک باد دی۔ علامہ اقبال اور آزاد کو یاد کرتے ہوئے جناب وارثی نے کہا کہ یہ دونوں قومی یکجہتی کی بہترین مثال ہیں۔ جلسے میں محترمہ ناہید پروین، ڈسرکٹ کوآرڈینیٹر یونیسیف، جناب خورشید احمد خاں، پرنسپل عظیم الدین اشرف اسلامیہ انٹرکالج، وقف انسپکٹر جناب عابد نظر، ڈاکٹر ایس ایم حیدر، اور محمد مستقیم انصاری نے بھی خطاب کیا۔ جناب فرحت علی نے اظہار تشکر کیا۔ (ڈاک سے)

اردو قانون کے نوٹیفکیشن میں ترمیم کا مطالبہ

● الہٰ آباد، 20 دسمبر۔ اتر پردیش اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن کے ایک وفد نے لکھنؤ میں محکمہ لسانیات کے پرنسپل سکریٹری سے ملاقات کی اور انھیں ریاست میں اردو کو دوسری سرکاری زبان بنائے جانے کی صورت حال سے واقف کرایا۔ پرنسپل سکریٹری نے یقین دلایا کہ وہ اردو قانون مجریہ 1981 کے نوٹیفکیشن میں ترمیم کرکے نیا نوٹیفکیشن جاری کریں گے۔ آرگنائزیشن کا یہ وفد بحرالعلوم اور اختر چوڑی والا کی قیادت میں پرنسپل سکریٹری سے ملا۔ تنظیم نے 10 نکاتی مطالبات کا محضر نامہ دیا جس میں اردو زبان کی تعلیم انٹر تک لازمی کرنے، سرکاری ملازمت کے لیے اردو جاننے کی شرط لازمی کیے جانے، اردو میڈیم کے اداروں کو یو۔پی۔ اتر پردیش ایجوکیشن بورڈ سے منظوری دینے، سرکاری خط وکتابت کا جواب اردو میں دینے، درخواست فارموں کو اردو میں شائع کرنے، تمام رجسٹریشن دفتروں میں اردو کی دستاویزات کو قبول کرنے، عوامی اہمیت کے تمام سرکاری حکم ناموں، گشتی مراسلوں کو ہندی کے ساتھ اردو میں شائع کرنے، تمام سرکاری اشتہارات کو اردو زبان میں شائع کرنے، گزٹ کو ہندی کے ساتھ اردو میں شائع کرنے اور سائن بوڈروں میں ہندی کے ساتھ اردو لکھنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ (راشٹریہ سہارا، نئی دہلی)

مختصرات

● حیدرآباد، 18 دسمبر۔ انجمن ترقی و بقائے اردو کی جانب سے سینٹ جانس ہائی اسکول قریشی لین، الحی بن یاقوت پورہ میں ایک مذاکرہ منعقد ہوا۔ ڈاکٹر اسلام الدین مجاہد نے ''موجودہ دور میں اردو کی اہمیت اور ہماری ذمے داری'' کے عنوان سے خصوصی خطبہ پیش کیا۔ جناب اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ بانی انجمن ترقی و بقائے اردو، جناب حمید الظفر پی آر او اردو اکادمی، جناب عبدالرحمٰن سابق کونسلر، جناب خلیل قادری، جناب حسن عسکری نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ محمد الیاس طاہر نے استقبال کیا اور سیمینار کی نظامت کی۔ جناب اعجاز علی قریشی نے انجمن کی کارکردگی کی رپورٹ پیش کی۔ جناب خلیل قادری نے مادری زبان میں تعلیم کی اہمیت پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اردو ذریعہ تعلیم کو کم تر نہ سمجھا جائے۔ جناب اسلام الدین مجاہد نے اپنے لیکچر میں اس بات پر تاسف کا اظہار کیا کہ حکومت دو سال سے اساتذہ کا تقرر نہیں کر رہی ہے۔ (سیاست، حیدرآباد)

● حیدرآباد، 21 دسمبر۔ صمدانی کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی ٹریننگ سینٹر عثمان باغ، بہادر پورہ، حیدرآباد کے نئے سیکشن کے آغاز اور نئے کمپیوٹروں کے افتتاح کے موقعے پر منعقدہ جلسے سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر لئیق احمد صدیقی سوپروائزر صمدانی کمپیوٹر سینٹر نے کہا کہ عوام کو انفارمیشن ٹیکنالوجی اور اس کے ذرائع سے مستفید کرنے کے لیے آئی ٹی کے مختلف مضامین کو انگلش کے ساتھ آسان اردو میں سیکھنے کا ہمارے پاس عمدہ انتظام ہے۔ یہ کورس اردو اور انگلش دونوں زبانوں میں ہے۔ اس کورس سے فائدہ اٹھانے والے طلبہ کے لیے بہترین روزگار کے مواقع ہیں۔ جناب ایم اے خاں چیئرمین سٹ ون حکومت آندھرا پردیش نے کہا کہ آج کا دور مسابقت کا ہے اس میں سند کے ساتھ صلاحیت لازمی ہے۔ تکنیکی اور فنی تعلیم کی سہولت سے فائدہ اٹھا کر اپنا روزگار خود حاصل کیا جاسکتا ہے۔ مولانا خلیل احمد ندوی نظامی صدر نشین صمدانی ایجوکیشنل سوسائٹی نے تکنیکی تعلیم کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالی۔ (ڈاک سے)

● جودھپور، 27 دسمبر۔ ''غالب کے اشعار دل کی گہرائیوں کو چھوتے ہیں۔ انھوں نے انسانیت کا پیغام دیا اور ہم ان کے پیغام کو عوام تک پہنچا کر غالب کو صحیح معنوں میں خراج عقیدت پیش کرسکتے ہیں۔'' ان خیالات کا اظہار مہاپور ڈاکٹر اوم کماری گہلوت نے بزم اردو کی جانب سے غالب کے 208 ویں یوم ولادت کے موقعے پر منعقدہ مشاعرے میں کیا۔ مشاعرے کی صدارت بزرگ شاعر ڈاکٹر فرید آفریدی نے کی اور مہمان خصوصی راجستھان اردو اکادمی کے سابق وائس چیئرمین اے ڈی راہی تھے۔

مشاعرے میں ڈاکٹر فرید آفریدی، کرپاکشن رندی، اے ڈی راہی، امین جودھپوری، راکیش موتھا، ڈاکٹر سمن بسا، سرفراز شاکر، ڈاکٹر نثار راہی، محمد افضل جودھپوری، ڈاکٹر پریم تمنیہ، ڈاکٹر رینو کا سریواستو، برجیش عنبر، ایم آئی ظاہر، سنیل مسیح، کوشلیا اگروال اور امیش ساحل نے شرکت کی۔ آخر میں افضل جودھپوری نے شکریہ ادا کیا اور نظامت کے فرائض نثار راہی نے انجام دیے۔ (ڈاک سے)

● پورنیہ۔ اردو زبان کی ترویج واشاعت کی غرض سے اردو رابطہ یوتھ کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی جس کے کنوینر محمد مرتضیٰ عالم، نائب صدر۔ حافظ محمد فیروز عالم، جنرل سکریٹری محمد ناہید عالم، نائب سکریٹری۔ محمد مرتضیٰ عالم، محمد تسکین، معاون سکریٹری۔ محمد ابرار عالم اور اراکین محمد پرویز عالم، محمد شاہد عالم، محمد وسیع اصغر اور احمر جاوید ہیں۔ (ڈاک سے)

مشاعرے

● نئی دہلی، 18 دسمبر۔ ایوان غالب ماتا سندری روڈ، نئی دہلی میں غالب انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے ''تفہیم وتعبیر غالب کے امکانات'' کے موضوع پر منعقدہ سہ روزہ بین الاقوامی غالب سیمینار اور تقسیم غالب انعامات کے دوسرے دن دیگر پروگراموں کے ساتھ بین الاقوامی مشاعرہ منعقد کیا گیا۔ مشاعرے کی صدارت اختر سعید خاں نے کی اور نظامت کی ذمے داری مخمور سعیدی اور بعد ازاں شین کاف نظام نے انجام دی۔ ہائی کورٹ کی چیف جسٹس مارکنڈے کاٹجو اور جسٹس بدر دریز احمد نے بطور مہمان خصوصی شرکت کی۔ اس بین الاقوامی مشاعرے کی خاص بات یہ تھی کہ شعرا نے اشعار غالب کے معانی اور تشریحات پر طبع آزمائی کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ مشاعرے میں وسیم بریلوی، پروفیسر شہریار، مخمور سعیدی، عروج اختر زیدی، ڈاکٹر تبسم کاشمیری، پروفیسر مظفر حنفی، ڈاکٹر کمال احمد صدیقی، ولی بجنوری، منظور ہاشمی، شین کاف نظام، شاہد ماہلی، پروفیسر احتشام اختر، رئیس الدین رئیس، ڈاکٹر مہتاب حیدر نقوی، ڈاکٹر عذری نقوی، ڈاکٹر اسلم الٰہ آبادی، قیصر ماہلی، منظر بھوپالی، ممتاز راشد، عبدالاحد، اعجاز پاپولر میرٹھی، پرتپال سنگھ بیتاب، قمرالحسن صدیقی، مدن موہن دانش، شکیل اعظمی، شمس تبریزی، مجاہد فراز، فاروق انجینئر، عتیق الٰہ آبادی، اقبال مرزا، اختر سعید خاں، ندا فاضلی، پنڈت آنند موہن زتشی گلزار دہلوی، رفعت سروش اور نور جہاں ثروت نے اپنی تخلیقات پیش کیں۔ (راشٹریہ سہارا، نئی دہلی)

● سیتاپور، 7 دسمبر۔ سینٹ بلال گرلس انٹر کالج سیتاپور میں ایک کل ہند قومی ایکتا مشاعرہ منعقد ہوا جس کی صدارت مشہور شاعر تسنیم فاروقی نے کی۔ مہمان اعزازی جناب رام پال راج ونشی تھے اور مشاعرے کا افتتاح جناب رام ہیت بھارتی سابق وزیر یوپی نے کیا۔ انھوں نے کہا کہ اردو نے ہندوستان کی آزادی میں سب سے اہم کردار ادا کیا۔ رام پال راج ونشی نے اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ حکومت سرکاری اسکولوں میں سبھی مضامین کی کتابیں مفت تقسیم کرتی ہے لیکن اردو کی ایک کتاب بھی تقسیم نہیں کی جا رہی ہے۔ مہمان خصوصی گلزار دہلوی نے نوجوانوں سے درخواست کی کہ وہ مادری زبان سیکھیں اور اس میں مہارت حاصل کریں۔ مشاعرے کی نظامت مست حفیظ رحمانی نے کی۔ مشاعرے میں تسنیم فاروقی، پنڈت آنند موہن زتشی گلزار دہلوی، جوہر کانپوری، ملک زادہ منظور احمد، طاہر فراز، ترنم کانپوری، ظفر جلال پوری، طارق قمر، چرن سنگھ بشر، خالد فتح پوری، اناد دہلوی، سکندر حیات گڑبڑ، ندیم نیر، کمال اختر بدایونی، جمیل خیرآبادی، رفیق شادانی، عمر فاروقی، رضوان خاں، مجیب ساحل، کفیل بسوانی، توصیف فتح پوری، منظر لیسین، اعجاز لہرپوری، نوری پروین اور عشرت ناگاواں نے شرکت کی۔

(ڈاک سے)

رسم اجرا

کنکر بولتے ہیں/نقد غزل

● ڈاکٹر تابش مہدی کے شعری مجموعے ''کنکر بولتے ہیں'' اور تنقیدی مضامین کے مجموعے ''نقدِ غزل'' کی تقریب رونمائی کے موقعے پر پروفیسر قمر رئیس نے کہا کہ تابش مہدی کی تنقید پیشہ ورانہ ہرگز نہیں ہے۔ اسی طرح ان کی شاعری بھی سادگی اور پاکیزگی کا مرقع ہے۔

بزم شہباز دہلی کی جانب سے غالب اکادمی میں منعقدہ اس تقریب رونمائی کی نظامت عمیر منظر نے کی اور کتابوں کی رسم اجرا خواجہ حسن ثانی نظامی نے انجام دی۔ خواجہ حسن ثانی نظامی نے اپنے افتتاحی کلمات میں ان دونوں کتابوں کو تخلیق وتنقید کا اعلیٰ نمونہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ شعری مجموعہ ''کنکر بولتے ہیں'' کے مطالعے کے بعد مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں نے تابش مہدی کو دوبارہ دریافت کیا ہے۔ سید راشد حامدی نے اس موقعے پر ''تابش مہدی کی تخلیقی اور تنقیدی سطحیں'' کے عنوان سے مضمون پیش کیا۔ پروفیسر ظفر احمد نظامی نے تابش مہدی کی شخصیت، شاعری اور تنقید پر مقفیٰ ومسجع نثری تحریر پیش کی۔ جلسے میں افسانہ نگار انجم عثمانی، مزاح نگار منظور عثمانی، ڈاکٹر مولا بخش اسیر، ڈاکٹر ابن کنول اور سید غلام اکبر نے ڈاکٹر تابش مہدی کی شاعری اور تنقید نگاری پر اظہار خیال کیا۔ ڈاکٹر احمد علی برقی نے منظوم ہدیۂ تہنیت پیش کیا۔ نسیم مجیدی کے کلمات تشکر کے ساتھ جلسہ اختتام پذیر ہوا۔ (ڈاک سے)

سلک معنی

● غالب اکادمی میں شیخ سلیم احمد کے مضامین پر مشتمل کتاب ''سلک معنی'' کا اجرا عمل میں آیا۔ جلسے کی صدارت دلی یونیورسٹی کے پروفیسر صادق نے کی۔ اس موقعے پر انھوں نے کہا کہ شیخ سلیم احمد ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں جس کی تشکیل میں وسیع مطالعہ، مشاہدہ اور تجربہ شامل رہا ہے۔ صحافی جناب ریاض قدوائی نے کہا کہ شیخ سلیم احمد کے یہاں موضوعات کا تنوع ہے اور ان کا اسلوب نگارش منفرد ہے۔ سپریم کورٹ کے ایڈوکیٹ اور ادیب جناب عبدالرحمٰن اور جناب متین امروہوی نے بھی جلسے میں اظہار خیال کیا۔ غالب اکیڈمی کے سکریٹری ڈاکٹر عقیل احمد کے شکریہ کے ساتھ یہ محفل اختتام پذیر ہوئی۔

(ڈاک سے)

اعتراف

● ممبئی۔ ادارہ لوک منگل، ممبئی کی جانب سے روٹری سروس سینٹر جوہو، ممبئی میں کتابی سلسلہ اعتراف کے ندا فاضلی نمبر کا اجرا اور امرت لال ناگر کہانی پرسکار

کی تقریب کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت مشہور ہندی جریدے ''ہنس'' کے مدیر راجندر یادو نے کی۔ مشہور فلم ہدایت کار مہیش بھٹ نے صاحب اعزاز شاعر ندا فاضلی اور مشہور تاجر رام نرائن صراف کی خدمت میں کا پیاں پیش کیں اور ندا فاضلی کی شعری خدمات کا اعتراف کیا۔ مشہور صحافی وشوناتھ سچدیو، فلمی کہانی کار و مکالمہ نویس اچلا ناگر، مدیر ''نیا ورق'' ساجد رشید اور اعتراف ندا فاضلی نمبر کے مرتب وقار قادری نے اس موقعے پر خیالات کا اظہار کیا۔ امرت لال ناگر کہانی پرسکار حاصل کرنے والوں کو اس موقع پر اعزاز سے نوازا گیا۔

آلوک بھٹا چاریہ نے جلسے کی نظامت کی اور کنھیا لال صراف کے شکریے پر پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ (ڈاک سے)

''دستخط'' قیصر شمیم نمبر

● کولکاتہ، 17 دسمبر۔ مسلم انسٹی ٹیوٹ کولکاتہ میں اختر بارک پوری اور اکرم بارک پوری کی ادارت میں شائع ہونے والے دو ماہی ''دستخط'' بارک پور کے ''قیصر شمیم نمبر'' کا اجرا ممتاز شاعر علقمہ شبلی نے کیا۔ اس خصوصی نمبر کو مدیر ''ترکش'' فراغ روہوی نے ترتیب دیا ہے۔ مذکورہ شمارہ 69 مقامی و بیرونی قلمکاروں کی نثری و شعری تحریروں پر مشتمل ہے۔ علقمہ شبلی نے اس موقعے پر کہا کہ قیصر شمیم معاصر اردو شعر و ادب کا ایک معتبر نام ہے۔ انھوں نے نہ صرف خندہ پیشانی کے ساتھ اردو ادب میں نئی نئی تحریکات کا خیر مقدم کیا بلکہ ان کے مثبت اثرات کو نہایت فن کاری کے ساتھ برتا ہے۔'' صدارتی خطبہ پیش کرتے ہوئے عزت مآب محمد امین (وزیر محنت، حکومت مغربی بنگال) نے کہا کہ'' قیصر شمیم صاحب کی شاعری اس لیے معتبر ہے کہ موصوف نے عملاً جو کچھ جھیلا اور محسوس کیا اسے انتہائی چابک دستی کے ساتھ خلاقانہ انداز میں شاعری کا جامہ پہنایا ہے۔'' نامور شاعر پروفیسر ابونصر غزالی نے کہا'' قیصر شمیم نے شعر و ادب کے متقدمین کی طرح اردو تہذیب کو اپنے جسم و جاں کا ایک اٹوٹ حصہ بنالیا ہے۔ اسی لیے مختلف اصناف شاعری پر قادرانہ گرفت رکھتے ہیں۔

پروفیسر سلیمان خورشید، جنرل سکریٹری، مسلم انسٹی ٹیوٹ، کولکاتہ نے افتتاحی تقریر میں کہا کہ'' قیصر شمیم صاحب فیض اور مخدوم کی طرح اس نکتے سے واقف ہیں کہ شاعری کو آفاقی ہونا چاہیے اور موصوف کی شاعری ان خوبیوں سے مزین ہے۔ قیصر شمیم نے اپنی تقریر میں دستخط کے تمام اراکین، جلسے کے منتظمین، جملہ مقررین اور تمام سامعین کرام کا شکریہ ادا کیا۔ دیگر معزز مقررین میں معروف افسانہ نگار انیس رفیع، ظہیر انور، ایم ایم ذکی، شبیر احمد، مدیر'' مغربی بنگال'' ، مصطفیٰ اکبر، دستخط کے مدیر اختر بارک پوری اور مرتب فراغ روہوی صاحبان خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جلسے کی نظامت عاصم شہنواز شبلی نے کی۔ (ڈاک سے)

جانے والوں کی یاد

ڈاکٹر خورشید جہاں

● ہزاری باغ۔ سابق صدر شعبۂ اردو موجودہ ڈین فیکلٹی آف ہومینٹیز، ونوبا بھاوے یونیورسٹی، ہزاری باغ ڈاکٹر خورشید جہاں کا گذشتہ 29 نومبر کی شام چھ بجے انتقال ہوگیا۔ ڈاکٹر خورشید جہاں 17 جولائی 1947 کو بکرم گنج ضلع شاہ آباد، بہار میں پیدا ہوئی تھیں۔ انھوں نے ایم اے اردو کی ڈگری 1970 میں گدھ یونیورسٹی سے حاصل کی اور 1982 میں رانچی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی۔ اکتوبر 1971 میں بحیثیت لکچرر کے بی ویمنس کالج ہزاری باغ میں تقرری ہوئی۔ ستمبر 1992 میں جب ونوبا بھاوے یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا تو وہاں بحیثیت صدر شعبۂ اردو ان کا تقرر ہوگیا۔ ان کی کتاب'' جدید اردو تنقید پر مغربی تنقید کے اثرات'' پر انھیں بہار اردو اکادمی انعام سے نوازا گیا۔ ان کا قلم اردو ادب کے مسائل اور موضوع تک محدود نہ تھا بلکہ انھوں نے تہذیب، تاریخ تعلیم اور دیگر موضوعات پر قلم اٹھایا۔

جگدیش بمل

● ممبئی، 15 اکتوبر۔ اردو، ہندی کے معروف افسانہ نگار جگدیش بمل کا 15 اکتوبر کو دل کا دورہ پڑنے سے ممبئی میں انتقال ہوگیا۔ جگدیش بمل کی کہانیاں بیسویں صدی کی چھٹی اور ساتویں دہائی میں اردو کے مشہور رسائل، شمع، بیسویں صدی، پیکر، تخلیق، تلاش، پگڈنڈی اور صبا کے علاوہ پاکستان کے رسائل، عصر جدید، افکار، گلستان، قند، صحیفہ اور ہندی کے مشہور رسائل نئی صدی، سریتا، مایا وغیرہ میں پابندی سے شائع ہوتی رہیں۔

جگدیش بمل نے عورتوں کے مسائل اور ان کی نفسیات پر بہت ہی اچھے افسانے تحریر کیے ہیں۔ ان کے کوئی تین سو سے زیادہ افسانے شائع ہو چکے ہیں۔ دو ناولٹ'' قطرہ سے سمندر تک'' اور'' اونچے لوگ'' اور افسانوں کے دو مجموعے '' آج کی بات'' اور'' تمھارے بغیر'' شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی کئی کہانیوں کے ترجمے انگریزی، بنگالی، مراٹھی، گجراتی اور پنجابی رسالوں میں شائع ہوئے۔

جگدیش بمل کے کرشن چندر، راجہ مہدی علی خاں اور راجندر سنگھ بیدی سے نزدیکی تعلقات تھے۔ مرحوم ایک خوش مزاج اور انسان دوست قلم کار تھے۔

□□□

تبصرہ و تعارف

کلیات میر (جلد اول)/ظل عباس عباسی،
بہ تصحیح و اضافہ احمد محفوظ، زیر نگرانی شمس الرحمٰن فاروقی

صفحات: 870، قیمت: 336 روپے
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک-1، ونگ-6
آر. کے. پورم، نئی دہلی-110066
مبصر: مخمور سعیدی

قومی اردو کونسل نے اردو کے قدیم ادبی سرمائے کو صحتِ متن کے ساتھ شائع کرنے کا جو جامع پروگرام بنایا ہے "کلیات میر" کی یہ پہلی جلد جو چھ مکمل دیوان غزلیات پر مشتمل ہے، اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ کلیات میر کے مطبوعہ نسخوں میں قدیم ترین نسخہ وہ ہے جو میر کی وفات کے ایک سال بعد 1811 میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ سے شائع ہوا تھا۔ یہ کلام میر کا پہلا مطبوعہ نسخہ ہے اور اس کے متن کو دوسرے مطبوعہ نسخوں سے زیادہ معتبر بھی خیال کیا جاتا ہے۔ 1928 میں ظل عباس عباسی مرحوم نے "کلیات میر" کی جو پہلی جلد شائع کی اور جو چھ مکمل دیوان غزلیات پر مشتمل تھی، اس کی بنیاد انھوں نے اسی نسخے کو بنایا تھا، جیسا کہ خود انھوں نے لکھا ہے کہ "یہ کلیات میر، فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے نسخۂ کلیات میر کو سامنے رکھ کر تیار کی گئی ہے۔" اس نسخے کے درجۂ اعتبار کا اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ جناب شمس الرحمٰن فاروقی نے "شعر شور انگیز" کے نام سے غزلیات میر کی جو تفسیر چار جلدوں میں لکھی ہے، اس کے لیے بنیادی متن انھوں نے اسی کلیات کو قرار دیا تھا۔

ظل عباس عباسی مرحوم کی مرتب کردہ کلیات میر، جلد اول، علمی مجلس دلی سے شائع ہوئی تھی۔ اسے غیر معمولی پذیرائی حاصل ہوئی اور کلام میر کے قدر شناسوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ لگ بھگ 15 سال بعد 1983 میں ترقی اردو بیورو، نئی دہلی نے اسے دوبارہ شائع کیا۔ یہ نسخہ عکسی تھا لیکن اشاعت ثانی کے وقت عباسی صاحب کی فرمائش پر جناب شمس الرحمٰن فاروقی نے ان غلطیوں کی نشاندہی کر دی تھی جو اشاعت اول میں راہ پا گئی تھیں جن میں سے بعض کی درستی متن میں کر دی گئی تھی اور بعض کی نشاندہی حاشیے پر۔

زیر نظر نسخہ جو ترقی اردو بیورو کی جانشیں، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی نے شائع کیا ہے اس کے مرتب جناب احمد محفوظ ہیں جو کلام میر کے دلدادہ ہونے کے ساتھ ساتھ خود ایک معتبر شاعر ہیں اور اس کی ترتیب و تصحیح کا کام انھوں نے شمس الرحمٰن فاروقی جیسے میر شناس کی نگرانی میں انجام دیا ہے۔ اس نسخے کا بنیادی متن بھی نسخۂ عباسی ہی پر مبنی ہے لیکن احمد محفوظ نے دوسرے نسخوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔ دوسرے جو نسخے انھوں نے سامنے رکھے وہ ہیں: دیوان میر، نسخۂ محمود آباد، مکتوبہ 1788 جسے مرتب کرکے، اکبر حیدری نے 1973 میں سری نگر سے شائع کیا۔ کلیات میر، نسخۂ نول کشور، اشاعت اول، 1868، لکھنؤ۔ کلیات میر، نسخۂ آسی، اشاعت اول 1941، لکھنؤ۔ کلیات میر، جلد اول، مرتبہ احتشام حسین، اشاعت اول 1972، الٰہ آباد اور کلیات میر، مرتبہ کلب علی خاں فائق جو چار جلدوں میں ہے اور مجلس ترقی ادب لاہور سے جس کی پہلی جلد 1976 اور دوسری اور تیسری جلد 1977 میں شائع ہوئی تھی، چوتھی جلد پر سال اشاعت درج نہیں۔

کلام میر کے صحیح ترین متن تک رسائی میں احمد محفوظ نے جو محنت کی ہے، اس کی کچھ تفصیل آپ انھی سے سنیے، وہ لکھتے ہیں: میں نے اپنے کام کی منزل اول میں فاروقی صاحب کی نشان کردہ تمام تصحیحات کو اپنے مسودے میں شامل کیا۔ پھر از سر نو پورے کلیات کو از اول تا آخر لفظ بہ لفظ پڑھا گیا، جس کے نتیجے میں مزید اغلاط روشنی میں آئیں..... بہت سی جگہوں پر متن کی ایسی صورت تھی جس سے شعر سمجھ میں نہ آتے تھے..... بہت سے اشعار ایسے بھی تھے جو سمجھ میں تو آتے تھے لیکن ان کے متن پر پوری طرح اطمینان نہ ہوتا تھا۔ ایسے تمام شعروں کو..... دیگر مطبوعہ نسخوں سے مقابلہ کرکے اسی متن کو اختیار کیا گیا جو مرجح معلوم ہوا۔....."

مرتب نے درستیِ متن کے علاوہ اس کلیات میں میر کا وہ غیر متداول کلام بھی شامل کر دیا ہے جسے عباسی مرحوم کلیات کی دوسری جلد میں شامل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے مگر اس کا موقع انھیں نہیں ملا۔ متعلقہ مقامات پر اس کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے۔ یہ کلام نسخۂ محمود آباد اور نسخۂ نول کشور میں شامل ہے۔ انھوں نے ایک اور کام بھی کیا ہے: "عباسی ایڈیشن میں کئی غزلیں ایسی تھیں جو بہ یک وقت دو دو دواوین میں شامل تھیں، یہی صورت بہت سے اشعار کی بھی تھی۔" مرتب نے ان سب غزلیات و اشعار کو ایک جگہ باقی رکھا ہے اور دوسری جگہ سے حذف کر دیا ہے۔

اس کلیات کی قدر و قیمت اس لیے اور بڑھ گئی ہے کہ اس کے شروع میں میر کی زندگی کے کوائف اور اس کے فکر و فن پر قاضی عبدالودود، رشید احمد صدیقی، فراق گورکھپوری، آل احمد سرور، محمد حسن عسکری، گوپی چند نارنگ اور شمس الرحمٰن فاروقی جیسے اکابرین ادب کے مضامین شامل ہیں نیز نثار احمد فاروقی کے ذکر میر

کے اردو ترجمے "میر کی آپ بیتی" کا خلاصہ بھی دے دیا گیا ہے۔ ظل عباس عباسی کا مضمون "میر کا ذکر تذکروں میں" بھی قابل مطالعہ ہے۔

ظل عباس عباسی کلیات میر کی دوسری جلد بھی مرتب کر کے شائع کرنا چاہتے تھے مگر کر نہ سکے، کونسل کی خواہش تھی کہ غزلوں کے علاوہ میر کے باقی تمام کلام کو کلیات کی جلد دوم کی صورت میں شائع کیا جائے۔ یہ کام بھی احمد محفوظ ہی کو سونپا گیا ہے۔ امید ہے وہ یہ کام بھی اسی ذمے داری اور خوش اسلوبی سے پورا کریں گے جس سے انھوں نے پہلی جلد کی ترتیب و تدوین کی ہے۔

●

تاریخ ایجادات/ ایگن لارنس

مترجم: صالحہ بیگم

صفحات: 399، قیمت: 152 روپے

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک-1، ونگ-6 آر. کے. پورم نئی دہلی-110066

مبصر: ظفر احمد نظامی

اپنی روزمرہ زندگی میں ہم اپنے گرد و پیش میں بے شمار ایجادات کو دیکھتے اور ان سے فائدے اٹھاتے ہیں لیکن ہم ان کی تاریخ سے ناواقف ہیں۔ پیش نظر کتاب میں ایگن لارنس نے مختلف ایجادات کا پس منظر اور ان کی تاریخ دلچسپ پیرائے میں بیان کی ہے۔ انھوں نے ایجادات کی اس کہانی کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ حصہ اول طاقت سے متعلق ہے جس میں آندھی، پانی، بھاپ، بجلی، جوہری توانائی اور سورج سے براہ راست توانائی حاصل کرنے سے متعلق ایجادات کی داستان بیان کی گئی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ مختلف ایجادات کے موجدوں کو اس سلسلے میں کس قدر جد و جہد کرنی پڑی اور وہ ان میں کس طرح کامیابی کی دہلیز تک پہنچے۔ یہ کہانی آگ کے استعمال سے شروع ہو کر شکار کے آلات سے ہوتی ہوئی زراعت کے آلہ جات، وندانے وار چکری، بائیلر سازی، بھاپ سے چلائے جانے والے انجن، پریشر کوکر اور کپڑا بننے کی مشین پر ختم ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں ایڈیسن کو بطور خاص خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ یہ جوہری توانائی کے ضمن میں ایٹم، اس کی ماہیت اور اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ سورج سے براہ راست توانائی کی دریافت اور اس سے متعلق ایجادات کا ذکر کیا گیا ہے۔

کتاب کے دوسرے حصے میں نقل و حمل سے متعلق ایجادات اور ان کے موجدوں کی تفصیل ہے جن میں پہیہ شاہراہیں، پل اور نہریں شامل ہیں۔ انھی کے ساتھ ریل گاڑی، بائیسکل، ٹرائسکل، موٹر سائکل، موٹر کار، پانی کے جہاز، دخانی جہاز اور ہوائی جہاز کی ایجادات سے متعلق تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔

تیسرا حصہ مواصلات سے متعلق ایجادات کے لیے وقف کیا گیا ہے جس میں چھاپہ خانے، ٹیلی گراف، ریڈیو، ٹیلی فون، ٹیپ ریکارڈر، فوٹو گرافی، سنیما، ٹیلی وژن، ٹرانسمٹر، راڈار اور کمپیوٹر جیسی الکٹرانک ایجادات کی تفصیلات بھی دی گئی ہیں۔ غرضیکہ کوئی ایسی اہم ایجاد نہیں جس کی تاریخ اور اس کے موجد کے بارے میں تفصیلات بیان نہ کی گئی ہوں۔ اس سلسلے میں یہ معلومات بھی اہم ہیں کہ بیشتر موجد عسرت کی زندگی گزار رہے تھے اور انھوں نے اپنے محدود وسائل کے باوجود اپنی ایجادات کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ دوسرے یہ کہ بعض موجد تو اپنی ایجادات کے دوران اس قدر قلاش ہوگئے کہ انھوں نے اپنی زندگی ہی کو ختم کر دیا۔ تیسرے یہ کہ ہر موجد کی ایجادات کے بعد میں آنے والے موجدوں نے اصلاح کی اور انھیں موجودہ شکل میں ہم تک پہنچایا۔ چوتھے یہ کہ ہر ایجاد کی مخالفت گرجا کی طرف سے ہوئی اور اسے مذہب مخالف قرار دیا گیا اور پانچویں یہ کہ ایجاد کی تکمیل کے بعد یا اس کے تجربے کے دوران بعض افراد نے بے روزگار ہو جانے کے خوف سے اس کی شدید مخالفت کی۔

اگرچہ مترجم صالحہ بیگم نے اس کتاب کو اردو کا قالب عطا کرنے کی مخلصانہ کوشش کی ہے لیکن بعض مقامات پر جملوں کی ساخت گراں گزرتی ہے۔ مثلاً "یہ مجبور انسان جو کہ جنگ میں شکست کے سبب غلام بن جاتے یا غلام والدین کی اولاد ہوتے سارا کام کرتے۔" (ص۔ 13) "ہیرو کی ایجادات اس درجہ اہم ہے۔" (ص-13) "اس نہ حاصل جستجو میں ضمنی طور پر کچھ ایسے عالم تھے جنھوں نے سائنسی معیشت کو دریافت کر بھی لیا۔" (ص۔23) "سارے یورپ سے اور امریکہ سے جوق در جوق آنے والے اس کارخانے میں آتے۔" (ص۔35) "اس کے نتائج صرف دور رس ہونے کی وجہ یہ تھی کہ انگریزوں نے بھاپ کے انجن کی ایجاد تھی۔" (ص۔ 41) "واٹ کے جملہ حق کی میعاد ختم ہونے کے بعد" (ص 44) "سکندریا کی لائبریری کے تباہی نے ہم سب کو علم فہم اور معلومات کے ذخیرے سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیا۔" (ص۔ 288) "اور اس طرح یہ ہزاروں کاپی فی گھنٹہ کی رفتار سے چھاپ سکتی ہے۔" (ص۔ 296) "لیکن عوام اس سے بہت متاثر ہوئی۔" (ص۔356)۔ اس قسم کی اور مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ ص 355 پر سنین بھی غلط معلوم ہوتے ہیں۔

بعض مقامات پر "موجد کو" "موجود" ص 22 "بھگوتی گئی" کو "بھیگائی گئی" ص 27، "نذر آتش" کو "نظر آتش" ص 288 "فیصلے صادر کرتا" کو "فیصلے سادر کرتا" ص 302 لکھا گیا ہے۔ اسی طرح بریکٹ میں انگریزی اصطلاحات کو پڑھا نہیں جا سکتا۔ غالباً پروف ریڈنگ بہتر طریقے سے نہیں کی گئی۔

بہرحال کتاب معلوماتی مواد پیش کرتی ہے اور ہر لحاظ سے قابل مطالعہ ہے۔

●

اردو کے ابتدائی معرکے (ابتدا سے عہد مرزا و میر تک)

مصنف: محمد یعقوب عامر

صفحات: 251، قیمت:-/22 روپے

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک-1، ونگ-6 آر.کے. پورم، نئی دہلی-110066

مبصر: عظیم امروہوی

شعرا میں ہر دور میں چشمک رہی ہے۔ بالا دستی اور زبردستی، بلند و پست، اعلیٰ و ادنیٰ اور بہتر و کمتر کے سوالات اٹھتے رہے ہیں۔ شعرا کی یہ کوشش رہی ہے کہ اپنے آپ کو قد آور ثابت کیا جائے۔ چاہے دوسرے کو کوتاہ قد ثابت کر کے ہی ایسا ہو پائے۔ قومی اردو کونسل کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مختلف موضوعات پر تخلیقی، تحقیقی اور تنقیدی کتابیں شائع کی جائیں۔ شعرا کی چشمک کے سبب جو ادبی معرکے ہوتے رہے ہیں ان کے ایک عہد پر مشتمل تصنیف، یعنی ''اردو کے ادبی معرکے انشا سے غالب تک'' آج سے تقریباً 24-25 سال قبل کونسل نے شائع کی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس میں ادب کی پوری تاریخ معرکہ آرائی شامل نہیں تھی۔ اس میں قدیم عہد سے انشا تک کا عہد شامل نہیں تھا۔ ڈاکٹر محمد یعقوب عامر کی کتاب ''اردو کے ابتدائی ادبی معرکے'' اس کمی کو پوری کرتی ہے۔

مصنف نے کتاب کے دیباچے میں اس موضوع پر بہت اہم گفتگو کی ہے۔ اس سے قبل اس موضوع پر جو کام ہوا ہے اس کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً محمد حسین آزاد کے بیان کردہ ادبی معرکوں اور ماہنامہ ''نقوش'' لاہور کے ادبی معرکے نمبر کا بھی ذکر کیا ہے ساتھ ہی ان معرکوں کی اہمیت اور ادب پر ان کے اثرات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ان معرکوں نے فن کو جلا بھی بخشی ہے، تنقیدی شعور میں اضافہ بھی کیا ہے اور تخلیقی رجحان کو ابھارا بھی ہے جب کہ ادب کا ایک عام طالب علم ان معرکوں کے ایک ہی رخ پر نظر ڈال پاتا ہے۔ وہ اسے ہجو سمجھتا ہے۔ شعرا کے اختلاف کے سبب جو ٹکراؤ کی کیفیت پیدا ہوئی اور جو ذاتی عیب جوئی اور شخصیت پر حملے کی شکل میں بدل گیا اسی پر عام قاری کی نظر جاتی ہے۔ لیکن مصنف نے کتاب میں ان کے مثبت و منفی دونوں رخ پیش کیے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ادبی معرکوں کی نوعیت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

ایک باب میں ان معرکوں کے محرکات اور عوامل کے علاوہ عربی اور فارسی ادب میں ادبی معرکوں کی تاریخ کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسرے میں شعرائے ہند اور شعرائے ایران کے مابین ہونے والے معرکوں کا بیان ہے جس میں سراج الدین علی خاں آرزو سے شیخ علی حزیں اور محتشم علی خاں حشمت سے والہ داغستانی کے معرکوں کی تفصیل بیان کی ہے۔ دکن کے معرکوں میں ملا وجہی سے غواصی کا معرکہ۔ سیوک سے لطیف کا معرکہ اور ولی اور سراج اورنگ آبادی کے مختلف شعرا سے ادبی معرکوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ معرکوں کی تفصیل کے ساتھ شعرا کا کلام بھی پیش کیا گیا ہے۔

دکن کے بعد شمالی ہند کے اولین معرکوں سے متعارف کرایا گیا ہے۔ مثلاً شاہ آبرو، مرزا مظہر جان جاناں، شاکر ناجی، حاتم، اشرف، عیاں، بیاں اور ثروت وغیرہ کے درمیان ہونے والے معرکے۔

کتاب میں سب سے طویل تذکرہ میر کے ادبی معرکوں کا ہے۔ میر کی چشمک اور معرکہ آرائی یقین، سودا، بقا، حاتم، قائم، سوز، خاکسار، نثار، مجذوب اور حشمت وغیرہ سے رہی ہے۔ کتاب میں ان تمام معرکوں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

ادبی معرکہ آرائی میں دوسرا مقام سودا کا ہے۔ ان کا خاص معرکہ تو ضاحک سے رہا لیکن دیگر شعرا سے بھی جو معرکے ہوئے ان کا بھی ذکر موجود ہے۔ کتاب میں دو غیر معروف شعرا کا بھی معرکہ بیان کیا گیا ہے۔ یعنی محشر شاگرد میر درد کا مہلت شاگرد جرأت سے معرکہ۔

آخری باب میں مصنف نے خلاصۂ بحث پیش کیا ہے۔ مصنف نے معرکے بیان کرنے میں دیانت داری سے کام لیا ہے۔ مبالغہ آرائی سے پرہیز کیا ہے اور معرکوں کے اسباب بھی بیان کیے ہیں۔ حوالے کی مدد سے اپنے بیان کو مدلل بھی بنایا ہے۔ یہ کتاب ادبی معلومات کے ساتھ دلچسپ بھی ہے۔ امید کہ قارئین اسے ضرور پسند کریں گے۔

•

کون عبث بدنام ہوا / اطہر رضوی

صفحات: 350، قیمت:-/300 روپے

ناشر: الحمد پبلی کیشنز، رانا چیمبرز (دوسری منزل) لیک روڈ، لاہور (پاکستان)

مبصر: تنویر احمد علوی

یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے جتنی فکر انگیز اور نتیجہ آفریں ہے، اس کا نام اتنا ہی سادہ ہے۔ وہ ہماری رہنمائی کسی بڑی تاریخی حقیقت کی طرف نہیں کرتا۔ بلکہ ذہن شاعری کی طرف نکل کھڑا ہوتا ہے۔ لیکن جب ہم اس کے مباحث سے گزرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس تصنیف کا موضوع مشرق وسطیٰ اور عرب اسلامی ممالک کی تاریخ کے وہ مراحل ہیں جب یہ خطہ مغربی قوموں کے اقتدار کی کشاکش کا میدان بنا۔ ترکی سلطنت پہلے ہی سے کمزور چلی آ رہی تھی مگر اس علاقے کو بہت سی سیاسی، سماجی اور اقتصادی کمزوریوں کا محور بنانے میں مغربی قوموں کا بڑا ہاتھ تھا اور اس پر تسلط کیے بغیر مغربی فوجوں کا جنوب مغربی ایشیا تک پھیلاؤ جس کی سمندری حدیں شمالی افریقہ سے سنگاپور بلکہ اور آگے بڑھ کر ایک طرف جنوبی کوریا اور دوسری طرف نیوگنی، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ تک پھیلی ہوئی تھیں۔

دو بڑے براعظموں کی جنوبی حدود پر پھیلے ہوئے سمندروں کی وسعتوں پر کنٹرول اسی صورت میں ہوسکتا تھا کہ خشکی کے اس اہم خطے پر تصرّف اور تسلط حاصل کیا جائے جسے مشرق وسطیٰ کہتے ہیں۔ ایشیا، افریقہ، مغربی یورپ اور وہاں کی حکومتوں کی تاریخ اس پر مختلف زاویوں سے روشنی ڈالتی ہے۔

تیل کی دریافت کے بعد صورت حال پہلے سے کچھ مختلف ہوگئی اور اس علاقے میں مغربی قوموں کے ساتھ اب امریکہ کا اپنے تجارتی، سیاسی اور دوسرے مقاصد کے تحت تسلط اور ضروری ہوگیا۔ یوں بھی دوسری جنگ عظیم کے بعد مغربی یورپ کی شکست وریخت کے نتیجے میں امریکہ کا ایک نئی طاقت کے طور پر عروج ہوا۔ جاپان کی شکست اور بحرالکاہل میں چین کو آگے بڑھنے سے روکنے کے سلسلے میں مختلف اقدامات نے امریکہ کو ایک نیا سپر پاور بنادیا اور اس کی سرگرمیاں اس علاقے کے علاوہ مشرق وسطیٰ کی تیل کی دولت پر قبضہ کرنے کے لیے تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئیں۔ اسی اجمال کی تفصیل اس کتاب میں پیش کی گئی ہے اور عراق کی جنگ خصوصیت کے ساتھ اس کے لیے ایک محرک بنی ہے۔

اطہر رضوی نے اپنے مختصر نگارش نامے میں واضح کردیا ہے کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں اور کیوں کہنا چاہتے ہیں ان کے بیان کا کچھ حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

''کون عبث بدنام ہوا؟'' ــــــ میری دوسری تحقیقی تصنیفات ''ہر ملک ملکِ ماست''، ''خدا کے منتخب بندے'' اور ''تاریخ کا سفر'' سے فکری مماثلت رکھتے ہوئے ان سب سے قدرے جداگانہ ہے ــــــ یہ سب میری عشروں کی سوچ اور تفکر کی صورت گری ہے۔ جن قارئین کو میری دوسری نگارشات پڑھنے کا موقع ملا ہو انھیں اس کا غالباً علم ہو کہ میں کسی قاری یا مسلک کی خوشنودی یا کسی فرقے یا مکتبِ فکر کی دل آزاری کی نیت سے قلم نہیں اٹھاتا ہوں۔''

''امریکہ کی موجودہ تقریباً فسطائی حکومت اب اپنی عراقی استعماری رزم آرائی کے تعلق سے دن بہ دن اندرون ملک اپنی ساکھ (Credibility) کھو رہی ہے۔ ہلیری کلنٹن نے اپنی سرگزشت "Living History" میں اور پھر ٹی وی پر انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ امریکہ دائیں بازو (Right Wing) قدامت پرست (Conservative) اور بنیاد پرست (Fundamentalist) مذہبی گروہوں کی ایک سازش ہے اور بش ان کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا ہوا ہے۔ 2004 میں ہونے والے انتخابات میں ڈیموکریٹک پارٹی کے امیدوار اب کھلم کھلا بش پر جھوٹ، فراڈ اور ریاکاری کا الزام لگا رہے ہیں۔ بش کے رفیق اور ہم نوا اب اس کا اعتراف کرنے لگے ہیں کہ اس نے اور اس کے حاریٔ ٹولے نے عراق پر جنگ جوئی کے لیے جو جواز پیش کیے تھے وہ دراصل جھوٹ کا پلندہ تھے۔''

''مغرب اور اسلام کے مابین انحرافیت کی بنیادوں تک پہنچنے کے لیے پس منظر کا اندراج میں ضروری سمجھتا تھا۔ اگرچہ یہ تحریر پورے تناظر کا سیر حاصل احاطہ نہیں کرتی تاہم تاریخ کی شہادت سے ایک مقدمہ ضرور پیش کرتی ہے۔''

کتاب میں منظور احمد صاحب کا ایک مقدمہ بھی شامل ہے جس میں دوسروں کے ذہنی تجزیے کے مطابق مسلمانوں کی بعض کمزوریوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور ان کی تاریخ کے مختلف ادوار پر ایک نگاہ عکس ریز ڈالی گئی ہے۔

بیسویں صدی کی ابتدا اور اس کے بہت بعد تک مغربی قوموں نے اس علاقے پر قبضے کے لیے کیا کیا جعل سازیاں کی ہیں تاریخ کے صفحات اس کے گواہ ہیں۔ عراق میں امریکہ کی کارروائی ایک بڑی قہرمانی طاقت کی خودنمائی تو تھی مگر اس کے پیچھے کون سا بڑا مقصد تھا اور کن فتنہ پرداز اور جنگجو عناصر کو ختم کرنے کے لیے یہ قدم اٹھایا گیا، ان کی صحیح نشاندہی امریکہ اتنی بڑی جنگی نمائش کے باوجود نہیں کرسکا۔ بات دراصل یہ تھی کہ عراق میں مغربی قومیں استحکام نہیں چاہتی تھیں اور صدام سے پہلے یہاں ایک زمانے تک عدم استحکام کی صورت رہی بھی تھی۔ جن چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے پاس تیل کی دولت موجود ہے وہ اپنی ثروت کی نمائش تو کرسکتی ہیں لیکن اپنی قوی صلاحیتوں کا اظہار ان کے بس کی بات نہیں۔ عراق میں صورت حال مختلف تھی اور یہی بات امریکہ اور برطانیہ کو شدید طور پر ناگوار تھی۔

وہ مسائل جن میں آج مشرق وسطیٰ الجھا ہوا ہے۔ رضوی صاحب کی کتاب اس پر تفصیلی روشنی ڈالتی ہے۔ انھوں نے دہشت گردی کے مسئلے کو بھی اس کے پس منظر، جواز اور تجزیے کے ساتھ پیش کیا ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ ان کا قلم اور ان کا ذہن سلامت روی کا قائل ہے۔ بعض عنوانات سے کتاب کی نوعیت اور اس کی اہمیت دونوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے مثلاً بورقیبا کا ماڈرن اسلام، قذافی اور سبز کتاب، تجدید فکر، اندلس کی سوغات، الجزائر کا المیہ، دہشت گردی، صورتِ معکوس، کالے افریقی اور امریکی انصاف، امریکی صیہونی اور سعودی چشم پوشی، ایران عراق جنگ اور سی آئی اے کی تخریبی مہمات، تہذیب اور تیل، 9/11 اور افغانستان اور کون عبث بدنام ہوا، جو اس کتاب کا عنوان ہے وہ دراصل اس کا خلاصۂ بحث بھی ہے۔ ان سب عنوانات کو ایک دوسرے سے مربوط کرنا اور عالمی سیاسیات سے ان کے رشتوں کو جوڑ کر دیکھنا ایک بڑی نظر داری کا تقاضا کرتا ہے اور یہ رضوی صاحب جیسے کناڈا میں مقیم کسی مشرقی ذہن کی رسائیوں کا ہی حصہ ہوسکتا ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں نے مشرق وسطیٰ کی سیاست سے ہر دور میں اپنی گہری دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ رضوی صاحب کو مغرب میں رہتے ہوئے اور وہاں کی فضا میں سانس لینے کے باعث کاروائکار کو دیکھنے اور پرکھنے کا موقع ملا ہے۔ یہ کتاب جیسے جیسے وقت گزرے گا اپنی اہمیت کا احساس دلائے گی اور یہ بھی محسوس

ہوگا کہ ہندوستان کے ایک مسلمان ذہن نے زندگی اور زمانے کے اس مسئلے کو اس کی پہلوداریوں کے ساتھ کس طرح اور کس حد تک سمجھا۔

●

ریت پر خیمہ/ جابر حسین

صفحات: 159، قیمت:-/150روپے
ناشر: اردو مرکز، عظیم آباد، پٹنہ
مبصر: زبیر احمد بھاگلپوری

''ریت پر خیمہ'' پروفیسر جابر حسین کا افسانوی مجموعہ ہے جو ان کی دیگر تصانیف کی طرح خیالی یا تصوراتی کرداروں کی بجائے تخلیق کار کے روز و شب کے حقیقی واقعات پر مشتمل ہے جس کا مطالعہ کر کے ایک عام قاری بھی گوناگوں مشاہدات سے مملو، ان کی زندگی کے مختلف گوشوں سے آشنا ہوسکتا ہے۔

جابر حسین کا شروع سے ہی سماج وادی تحریک سے تعلق رہا ہے جس کے اثرات ظاہر ہے کہ ان کے نظریات وخیالات پر مرتب ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں کے بیشتر کردار سماج کے دلت اور پسماندہ طبقوں سے آئے ہیں۔ آئے دن رونما ہونے والے ظلم و استبداد کے واقعات اور ہمارے معاشرے کے غلط رسم ورواج سے ان افسانوں کا خمیر اٹھا ہے۔ وہ سماج کے جیتے جاگتے کردار پیش کرکے ان لائق اعتنا مسائل کو آشکار کرنا چاہتے ہیں جن سے ہمارا سماج دوچار ہے تاکہ ان کے تئیں عوامی بیداری پیدا کرکے ان کے تدارک کی راہ ہموار کی جاسکے۔ ''تال کی مرنی'' ہو یا ''ان کا قرض''، ''ہم تو جات کمینہ''، ہو یا ''التجا'' ان کی ہر کہانی میں زندگی کے مختلف شعبوں میں دیمک کی طرح معاشرتی بنیاد کو چاٹ رہے مسائل کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

جابر حسین افسانہ نگار بننے کی طلب کے تحت افسانہ نہیں لکھتے۔ وہ تو اپنے اطراف میں بکھرے ہوئے تلخ وشیریں لمحات کو صفحۂ قرطاس کی زینت بنادینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہوجائے۔ یاد رہے کہ ان کے افسانے دراصل ان کی ڈائری کے دو مختلف گوشے ہیں جن کو وہ یادداشت کے طور پر وقتاً فوقتاً رقم کرتے رہے ہیں۔

ناچیز کی نظر میں افسانے تین اقسام کے ہوسکتے ہیں۔۔۔۔ پہلی قسم وہ جس میں حقیقت زیادہ اور رومانویت کم ہوتی ہے، ایسا افسانہ خواص میں زیادہ اور عوام میں کم مقبول ہوتا ہے اور عوامی زندگی سے گہرے طور پر مربوط ہوتا ہے۔ دوسری قسم حقیقت پر کم اور رومانویت پر زیادہ منحصر ہوتی ہے۔ اس نوعیت کے افسانے عوام میں زیادہ اور خواص میں کم مقبول ہوتے ہیں۔ تیسری قسم وہ ہے جس میں حقیقت اور رومان کا متناسب امتزاج ہوتا ہے ایسے افسانے عوام وخواص دونوں میں یکساں طور پر پذیرائی حاصل کرتے ہیں۔ جابر حسین کے افسانے اسی ذیل میں آتے ہیں۔ ان افسانوں میں زبان نہایت ہی سادہ اور سلیس اپنائی گئی ہے۔ آج کی سماجی، سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی زندگی سے گہرے طور پر مربوط ہونے کے سبب امید ہے یہ افسانے دلچسپی سے پڑھے جائیں گے۔ □□□

گلشن بے خار

مصنف: نواب مصطفٰے خاں شیفتہ

یہ اردو شعرا کا مشہور تذکرہ ہے جو نواب مصطفٰے خاں شیفتہ نے بہ زبانِ فارسی قلمبند کیا تھا اور اس کے بعض بیانات، اس دور کے شعرا کا ذکر آئے تو آج بھی دہرائے جاتے ہیں جس سے یہ تاریخی اہمیت کا حامل تذکرہ ہوگیا ہے۔ اس اہم تذکرے کو جو متقدمین سے شیفتہ کے زمانے تک کے ساڑھے چھ سو سے زائد شعرا اور شاعرات کے مختصر کوائف اور نمونۂ کلام پر مشتمل ہے، محترمہ حمیدہ خاتون نے اصل کتاب کے مستند نسخوں کو سامنے رکھ کر سلیس اردو میں منتقل کیا ہے اور شروع میں ایک سیر حاصل مقدمہ لکھا ہے۔

پہلا ایڈیشن: صفحات:430، قیمت-/128روپے

کاشف الحقائق

مصنف: سید امداد امام اثر

سید امداد امام اثر کی یہ بلند پایہ تصنیف دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصّے میں یوروپی ادبیات کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے اور دوسرے حصے میں مشرقی ادبیات کی خصوصیات واضح کی گئی ہیں۔ شعر و ادب اور دیگر فنون لطیفہ میں جو باہمی قربت و موانست ہے، اس کا بھی ذکر ہے۔ دوسرے حصے میں اردو شاعری کی تمام اصناف اور ہر صنف کے نمائندہ شاعروں کا تفصیلی بیان ہے جو تجزیاتی انداز کا حامل ہے۔ اس ایڈیشن کی ایک خصوصیت پروفیسر وہاب اشرفی کا بسیط مقدمہ ہے جس میں انھوں نے کتاب کے تمام اہم پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے۔

دوسرا ایڈیشن: صفحات:740، قیمت-/145روپے

نوٹ: طلبہ اور اساتذہ کے لیے 40% کی خصوصی رعایت۔ تاجرانِ کتب کو حسب ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

ویسٹ بلاک-1، ونگ-6، آر. کے. پورم، نئی دہلی-110066

مصنف: شمیم احمد　　　　"نورتن کہانیاں" سے اقتباس　　　　بچوں کا گوشہ

زندگی کو سمجھنے اور اسے بہتر بنانے میں اچھا ادب معاون ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے پڑھنے والوں کو یہ ذہنی تفریح بھی بہم پہنچاتا ہے۔ بڑوں کی طرح بچوں کا بھی یہ حق ہے کہ ان کی ذہنی ضرورتوں کے مطابق انھیں اچھا ادب فراہم کیا جائے جو سبق آموز ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ بھی ہو تاکہ بچے خوشی خوشی اس کا مطالعہ کریں۔ قومی اردو کونسل نے بچوں کے لیے بڑی تعداد میں ایسی کتابیں شائع کی ہیں جو اس معیار پر پوری اترتی ہیں۔

ذیل میں قومی اردو کونسل کی شائع کردہ کتاب "نورتن کہانیاں" سے اقتباس پیش کیا جارہا ہے۔ اس کتاب میں 47 کہانیاں ہیں جن میں سے چند کے عنوانات مندرجہ ذیل ہیں: بزدل شیر، گانے والی بکری، سوسنار کی ایک لوہار کی، بے ایمان قاضی، درخت کی گواہی، اصلی ماں، انصاف کی چھڑی، داڑھی میں آگ، ایک ٹانگ کا مرغا، اندھا دوست، دو کنجوس کی ملاقات وغیرہ۔192صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت صرف -/23 روپئے ہے۔ قومی اردو کونسل اپنی کتابوں پر طلبہ اور اساتذہ کو 40 فیصد کی خصوصی رعایت دیتی ہے۔

فلسفی نوکر

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص اپنے بہت پیارے اور تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر کسی شہر کی سرائے میں آیا۔ اس کے ساتھ اس کا نوکر بھی تھا۔ شام کے کھانے سے فارغ ہو کر سوتے وقت مالک نے اپنے نوکر سے کہا۔

"اے عزیز ناچیز! سننے میں آیا ہے کہ اس شہر کے چور بڑے بے درد اور چوری کرنے میں نہایت دلیر ہیں۔ سو تو ایک کام کر۔ تو شوق سے پاؤں پھیلا کر سوجا، میں اپنے اس قیمتی اور تیز رفتار گھوڑے کی خود نگرانی کروں گا۔"

اپنے آقا کی یہ بات سن کر نوکر نے جواب دیا۔

اے میرے مالک! یہ تو نہایت بے ہودہ بات ہوگی کہ آقا تو تمام رات جاگے اور دو پیسے کا نوکر ساری رات آرام سے سوئے۔ نہ صاحب یہ نہیں ہوگا۔ آپ اطمینان سے آرام فرمایئے، اور آپ کا یہ ناچیز نوکر ساری رات جاگ کر گھوڑے کی نگرانی اور پاسبانی کرے گا۔ گھوڑے کی طرف سے آپ اطمینان رکھیے۔"

نوکر کی یہ بات سن کر مالک کو اطمینان ہوا، اور وہ آرام سے سو گیا۔ ایک پہر رات کے بعد آقا کی آنکھ کھلی تو اس نے نوکر سے پوچھا۔

"کیوں بھئی! کیا کر رہے ہو؟"

"میرے مالک!" نوکر نے جواب دیتے ہوئے کہا" اس وقت یہ غلام سوچ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو پانی پر کیوں ٹھہرا رکھا ہے؟"

نوکر کا یہ عجیب جواب سن کر مالک نے کہا۔

"اے بے خبر! مجھے ڈر ہے کہ تو یوں ہی واہی تباہی باتیں سوچتا رہا تو تیری اس بے خبری سے فائدہ اٹھا کر چور، ہمارا مال اسباب نہ چرالے جائیں۔"

نوکر نے جواب دیا۔

''اجی ان کی کیا مجال ہے۔آپ بے فکر رہیے اور اطمینان سے سو جائیے آقا بے چارہ یہ تسلی آمیز بات سن کر پھر سو گیا۔آدھی رات کے بعد پھر اُس کی آنکھ کھلی اور پوچھا۔

''اے باخبر! اب کس فکر میں ہے؟''

نوکر نے جواب دیا۔

''اے خداوند! اب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ خداوند تعالٰی نے یہ لمبا چوڑا اور بے کنار آسمان بغیر ستونوں کے کس طرح کھڑا کر رکھا ہے اور کیل گاڑنے میں زمین کی مٹی کہاں غائب ہو جاتی ہے؟''

نوکر کی یہ واہیات بات سن کر آقا نے کہا۔

''اے بے خبر! تیری اس بے خبری سے مجھے خوف ہے کہ کوئی میرا گھوڑا اڑا کر نہ لے جائے۔اچھا! ایک کام کر، اگر تیرا جی سونے کا چاہے تو سو جا۔''

نوکر نے پھر وہی جواب دیا۔

''خداوندِ نعمت! آپ اطمینان رکھیے! میں پوری طرح خبردار اور ہوشیار ہوں۔'' مالک بے چارہ پھر سو گیا۔تین پہر رات کے بعد پھر اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔ پھر اس نے پوچھا۔

''کیوں بھئی! کیا خبر ہے؟''

اس بار نوکر نے جواب دیا۔

''خداوندِ نعمت! اب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اونٹ کے پیٹ میں گولیاں کون باندھتا ہے اور کیلے کے پتوں پر خود بہ خود استری کس طرح ہو جاتی ہے؟''

غرض کہ مالک بے چارہ پھر نوکر کی باتوں میں آکر بے فکری سے سو گیا، اور جب چار گھڑی شب باقی تھی تو ایک بار اس کی آنکھ پھر کھلی۔اس نے نوکر سے اب کے پوچھا۔

''کیوں بھئی! اب کیا خبر ہے؟''

نوکر نے جواب دیا۔

''خداوندِ نعمت! بعض چور بھی بہت دانش مند اور اپنے کام میں بڑے ماہر ہوتے ہیں کتنی عجیب بات ہے کہ ایسا ہی کوئی منہ زور چور سرنگ لگا کر گھوڑا لے اڑا۔

مالک نے بڑی بے بس نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''کیا کہا؟ چور گھوڑا لے اڑا؟ پھر تم یہاں بیٹھے ہوئے کیا کر رہے ہو؟

نوکر نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا۔

''خداوندِ نعمت! آپ کا یہ غلام نا کام اس فکر میں ہے کہ گھوڑا چوری ہو جانے کے بعد اس کی زین اور خوگیر آپ کو اپنے سر پر رکھنا پڑے گا یا مجھ کو اپنے سر پر لاد کر لے چلنا ہوگا۔''

یہ وحشت اثر خبر سن کر آقا کے ہوش اڑ گئے۔اس نے اس بے وقوف نوکر کو بہت سخت سست سنائیں۔گھوڑا چوری جانے کا اسے بے حد افسوس ہوا لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔''جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔''

□□□

خسرو متین

گرگٹ کی طرح رنگ بدلتی پہاڑی

آپ نے دنیا کے سات عجوبوں کے بارے میں تو ضرور سنا یا پڑھا ہوگا۔ یہ تمام عجائبات انسانی ہاتھوں کی صناعی کا نتیجہ ہیں۔ ان میں سے ہر عجوبہ فنِ صناعی کا اعلیٰ نمونہ اور اپنی مثال آپ ہے لیکن اگر ہم کارخانۂ قدرت کا مطالعہ کریں تو قدرت کی بنائی ہوئی ہر چیز عجوبۂ روزگار نظر آتی ہے۔ جس چیز کو دیکھیے، حیرت و اسرار کے خزانے چھپائے ہوئے ہے۔

''گرگٹ کی طرح رنگ بدلنا'' ایک عام محاورہ ہے جسے ہم اپنی روزمرّہ گفتگو میں اکثر استعمال کرتے ہیں۔ دراصل گرگٹ کو اللہ تعالیٰ نے اس بات کی صلاحیت عطا کی ہے کہ وہ اپنی جان کو خطرے میں دیکھ کر اپنے اردگرد کے ماحول اور اشیا کے مطابق اپنا رنگ بدل سکتا ہے لیکن آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ اس روئے زمین پر ایک ایسا پہاڑ بھی موجود ہے جو واقعی گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے۔ صبح، شام اور دوپہر، مختلف اوقات میں اس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں۔

گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والا یہ پہاڑ جنوبی آسٹریلیا میں واقع ہے اور اس کا نام آئرس روک ہے۔ اس رنگ بدلنے والے پہاڑ کی کھوج 1873 میں ایک انگریز سیاح ڈبلیو۔ ڈی۔ گوسے نے کی تھی۔ جس وقت اس پہاڑ کی کھوج ہوئی تھی اس وقت جنوبی آسٹریلیا کے وزیرِاعظم کے عہدہ پر ہنری آئرس فائز تھے اس لیے اس پہاڑی کا نام آئرس روک رکھ دیا گیا تھا۔ یہ پہاڑی انڈے نما ہے۔ اس کی اونچائی 348 میٹر یعنی 1143 فٹ، لمبائی 6 کلومیٹر اور چوڑائی 2.4 کلومیٹر ہے۔

یوں تو اس پہاڑی کا رنگ لال ہے لیکن، اس کے رنگوں میں جادوئی انداز سے تبدیلی ہوتی ہے۔ سورج طلوع ہوتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے پوری پہاڑی پر آگ لگ گئی ہو۔ سورج غروب ہوتے وقت بینگنی رنگ کی پرچھائیاں سی نظر آتی ہیں۔ صبح سے شام تک اس پہاڑی پر آپ کبھی لال، کبھی پیلا، کبھی نیلا اور کبھی بینگنی رنگ تبدیل ہوتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں۔ اس حیرت انگیز رنگ بدلتی ہوئی پہاڑی کو دیکھ کر یہ گمان گزرتا ہے کہ کوئی جادوئی طاقت ہے جو مختلف اوقات میں اس کے رنگوں کو بناتی بگاڑتی رہتی ہے مگر حقیقت میں ایسا کچھ نہیں ہے۔ دراصل اس پہاڑی کے پتھروں کی بناوٹ اس قسم کی ہے کہ سورج کی کرنیں دن میں مختلف زاویوں سے اس پر پڑتی ہیں۔ زاویہ تبدیل ہونے سے مختلف رنگوں کا انعکاس ہوتا ہے اور ہمیں پہاڑی کا رنگ انعکاس شدہ رنگ جیسا دکھائی دیتا ہے۔

قدیم زمانے میں سائنس نے اتنی ترقی نہیں کی تھی کہ کسی حیرت انگیز واقعہ یا معجزہ کا تجزیہ کرکے اس کی توجیہہ پیش کی جاسکے، اس لیے اس وقت قبائلی لوگوں نے آسٹریلیا میں واقع اس رنگ بدلتی پہاڑی کو قدرت کا کوئی اشارہ سمجھ کر اس کو خدا کا گھر سمجھ لیا اور اس کی پوجا کرنے لگے۔ اس وقت اس پہاڑی تک پہنچنا آسان نہیں تھا۔ دوسرے عقیدہ اور احترام کی وجہ سے لوگ اس پہاڑی پر چڑھنا گناہ سمجھتے تھے، لیکن جیسے جیسے علم کی روشنی پھیلی اور سائنس نے ترقی کی، اس رنگ بدلتی پہاڑی کے اسرار سے پردہ اٹھانے کی کوششیں جاری ہوگئیں۔

آج آئرس راک سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز ہے۔ ہر سال یہاں ملکی اور غیرملکی سیاح لاکھوں کی تعداد میں آتے ہیں۔ آسٹریلیا کی حکومت نے اس پہاڑی کے قریب ماؤنٹ اولگا نیشنل پارک کی تعمیر کی ہے۔ یہ پارک 467 کلومیٹر کے رقبے میں پھیلا ہوا ہے۔ یہاں سیاحوں کے ٹھہرنے کے لیے کئی خوبصورت اور عالیشان ہوٹل بنے ہوئے ہیں۔ پارک میں مختلف قسم کے جانور پائے گئے ہیں جن میں کنگارو اور یورو جیسے عجیب جانور سیاحوں کی دلچسپی اور توجہ کا مرکز بنے رہتے ہیں۔

آئرس روک کو آسٹریلیائی حکومت نے قومی وراثت کا درجہ دیا ہے۔ اگر آپ کو کبھی آسٹریلیا جانے کا موقع ملے تو گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والی اس پہاڑی کو اپنی آنکھوں سے ضرور دیکھیے اور قدرت کی اس صناعی پر عش عش کرنا مت بھولیے۔

K-52, Batla House, Okhla,
New Delhi-110025

□□□

27 دسمبر 2005 کو کتاب میلے کی اختتامی تقریب میں (دائیں سے) پروفیسر ملک زادہ منظور احمد، جناب وسیم اختر (وائس چانسلر، انٹیگرل یونیورسٹی لکھنؤ) مولانا کلب صادق، جناب ایس موذن (ڈائرکٹر قومی اردو کونسل) اور جناب ایس ایم نسیم (سابق ڈی. جی. پی اتر پردیش) تشریف فرما ہیں۔

کتاب میلے میں چہار بیت کی محفل بھی منعقد کی گئی۔ اس موقعے پر لی گئی ایک یادگار تصویر۔

URDU DUNIYA Monthly, February 2006, Vol. 8, Issue: 2 Date of Publication 24/01/2006

National Council for Promotion of Urdu Language

Department of Secondary & Higher Education, Ministry of H R D Government of India New Delhi

تقاریب میں قومی ترانہ پیش کرتی ہوئی طالبات کی ایک تصویر

بیت بازی مقابلہ میں حصہ لیتے ہوئے طلبہ

Printed and Published by Dr R.K. Bhat, Principal Publication Officer, NCPUL on behalf of NCPUL
Printed at S. Narayan & Sons B-88, Okhla Indl. Area Phase-II, New Delhi-110020 and published from NCPUL, West Block-1, Wing-6 R.K. Puram, New Delhi-110066 Editor Dr R.K. Bhat, Tel 26103381 26103938